اقبال بنام شاد

اِس مجموعے میں "شاد اقبال"
والی مراسلت بھی شامل ہے

مرتبہ

محمد عبداللہ قریشی

بزمِ اقبال، کلب روڈ۔ لاہور

اقبال بنام شاد

اِس مجموعے میں "شاد اقبال"
والی مراسلت بھی شامل ہے

مرتبہٗ

محمد عبداللہ قریشی

○

بزمِ اقبال، کلب روڈ۔ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

طبع اول : جون ۱۹۸۶ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
اعزازی سیکرٹری بزمِ اقبال ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ، لاہور

طابع : محمد زرین خاں

قیمت : [illegible] روپے

آئینۂ ترتیب

مقدمہ

ابتدائیہ	۳
آبا و اجداد	۴
پیدائش	,,
والدین کا انتقال	۵
جانشینی - پیشکاری	,,
مدارالمہام فوج - وزیر افواج	,,
مدارالمہامی سے استعفٰی	,,
خطابات	,,
سیرِ پنجاب	٦
صدارتِ عظمٰی	,,
انتقال	۷
مہاراجہ کا ماحول	,,
مسلک - عقیدہ	,,

خواجہ اجمیر سے عقیدت - - - - ۱۳
داد و دہش ۔ فیاضی - - - - ,,
رانیاں ۔ بیگمات - - - - ,,
اولاد کی شادیوں کے سلسلے میں علامہ اقبال سے
مشورے - - - - - ۱۴
وصیت نامہ - - - - - ۱۵
مہاراجہ کا جانشین - - - - ,,
مہاراجہ کے اخلاق و عادات - - - ۱۷
فہرستِ تصانیف - - - - ۱۸
رسائل کی سرپرستی ۔ دبدبۂ آصفی اور محبوب الکلام - ۲۲
'پیامِ مشرق' کی پیروی میں چند قطعات - - ۲۴
اقبال سے تعلقات کی ابتدا - - - ۲۸
اقبال کلب حیدر آباد میں مہاراجہ کی شرکت - ۲۹
مہاراجہ سے ملاقات کے بعد اقبال کی یادگار نظمیں - ۳۱
مہاراجہ کی لاہور میں آمد پر ان کا شاندار استقبال - ۳۷
لاہور سے واپسی - - - - - ۴۲
اقبال سے گرویدگی - - - - ۴۳

مہاراجہ کی کوششوں کے باوجود اقبال حیدر آباد
میں کوئی عہدہ یا وظیفہ حاصل نہ کر سکے - ۴۶

جامعۂ عثمانیہ کی دعوت پر اقبال کے توسیعی لیکچر
اور ان کی مہمان نوازی - - - - ۵۰

اقبال کے اعزاز میں مہاراجہ کی ڈیوڑھی پر شاندار
دعوت اور مشاعرہ - - - - ۵۱

اقبال کی زندگی میں پہلا یومِ اقبال - - ۵۳

اقبال کی وفات پر تعزیتی جلسہ - - - ۵۵

مہاراجہ کے ساتھ اقبال کی خط و کتابت - - ۵۶

خطوں کی خصوصیات - - - - ۵۷

خطوطِ اقبال

۱- یکم اکتوبر ۱۹۱۳ع - - - - ۶۳
تعلیقات : مسجدِ کانپور ، حکیم اجمل خاں ،
ظہیر دہلوی ، سر علی امام ،
میرزا جلال الدین - - ۶۵

۲- ۲۶- اکتوبر ,, - - - - ۷۵
تعلیقات - - - - ۷۷

۳- ۳- دسمبر ,, - - - ۷۸

۴- ۲۳- جنوری ۱۹۱۴ع - - - ۷۹
تعلیقات - - - - ۸۰

۵- ۷- مارچ ۱۹۱۴ع - - - - ۸۱
تعلیقات : نواب سر ذوالفقار علی خاں - - ۸۴

۶- ۲۲- اپریل ,, - - - - - ۱۰۰

۷- ۶- جون ,, - - - - ۱۰۱
تعلیقات - - - - - ۱۰۱

۸- ۲۸- اگست ,, - - - - ۱۰۱
تعلیقات - - - - - ۱۰۳

۹- ۵- ستمبر ,, - - - - ۱۰۴

۱۰- ۲- اکتوبر ,, - - - - ۱۰۵

۱۱- ۱۲- اکتوبر ,, - - - - ۱۰۶

۱۲- ۱۱- نومبر ,, - - - - ۱۰۷
تعلیقات : والدۂ اقبال کی تاریخ وفات - - ۱۰۷

۱۳- ۲۳- نومبر ,, - - - - ۱۰۹
تعلیقات : نواب خواجہ سر سلیم اللہ خاں (ڈھاکہ) - ۱۱۰

۱۴- ۵- دسمبر ,, - - - - ۱۱۳

۱۵- ۱۷- دسمبر ,, - - - - ۱۱۴
تعلیقات - - - - - ۱۱۴

۱۶- ۲۸- دسمبر ,, - - - - ۱۱۵
تعلیقات - - - - - ۱۱۶

۱۷- ۱۹- جنوری ۱۹۱۵ء - - - - - ۱۱۷

۱۸- ۲۱- فروری ،، - - - - - ۱۱۸

۱۹- ۱۱- مارچ ،، - - - - - ۱۱۹

تعلیقات : مولانا محمد علی جوہر - - - ۱۲۰

۲۰- ۲۸- مارچ ،، - - - - - ۱۲۳

۲۱- ۱۲- اپریل ،، - - - - - ۱۲۴

تعلیقات - - - - - ۱۲۵

۲۲- ۵- مئی ،، - - - - ۱۲۶

۲۳- ۲۱- مئی ،، - - - - ۱۲۷

۲۴- ۱۹- جون ،، - - - - ۱۲۸

تعلیقات : شہزادی دلیپ سنگھ بمبارانی ، سردار
جوگندر سنگھ - - - - ۱۲۹

۲۵- ۱۴- جولائی ،، - - - - ۱۳۲

تعلیقات - - - - - ۱۳۳

۲۶- ۳۰- اگست ،، - - - - ۱۳۴

تعلیقات : سید علی بلگرامی - - - ۱۳۵

۲۷- ۹- ستمبر ،، - - - - ۱۳۸

تعلیقات - - - - - ۱۴۰

۲۸- ۱۲- ستمبر ۱۹۱۵ع - - - - - ۱۴۰

۲۹- ۳۰- ستمبر ,, - - - - ۱۴۱

تعلیقات : میرزا سلطان احمد - - - ۱۴۲

۳۰- ۲- نومبر ,, - - - - ۱۴۴

۳۱- ۱۳- نومبر ,, - - - - ۱۴۵

۳۲- ۱۵- دسمبر ,, - - - - ,,

تعلیقات - - - - - ۱۴۶

۳۳- ۲۱- دسمبر ,, - - - - ,,

تعلیقات : خواجہ کمال الدین ، مسٹر الہا لطیفی ،

ہوش بلگرامی - - - ۱۴۷

۳۴- ۳۰- دسمبر ,, - - - - ۱۴۹

۳۵- ۵- جنوری ۱۹۱۶ع - - - - ۱۵۱

۳۶- ۳۰- جنوری ,, - - - - ۱۵۲

۳۷- ۲- فروری ,, - - - - ۱۵۴

۳۸- ۱۰- فروری ,, - - - - ۱۵۵

۳۹- ۸- مارچ ,, - - - - ۱۵۶

تعلیقات - - - - - ۱۵۷

۴۰- ۳- اپریل ,, - - - - ۱۵۸

تعلیقات : میر محمد زمان راسخ سرہندی - - ۱۶۱

۴۱- ۱۴- اپریل ۱۹۱۶ع - - - - ۱۶۳
تعلیقات : مثنوی اسرارِ خودی کی ابتدا - - ۱۶۵

۴۲- ۱۰- مئی ,, - - - - ۱۶۷

۴۳- ۲۸- مئی ,, - - - - ۱۶۸
تعلیقات : مِس گوہر جان کلکتے والی - - ۱۶۹

۴۴- ۱۲- جون ,, - - - - ,,
تعلیقات - - - - - ۱۷۰

۴۵- ۲۴- جون ,, - - - - ۱۷۱

۴۶- ۲- ستمبر ,, - - - - ۱۷۴
تعلیقات : مولانا عبداللہ عمادی - - - ۱۷۴

۴۷- یکم اکتوبر ,, - - - - ۱۸۵
تعلیقات : خواجو کرمانی - - - ۱۸۷

۴۸- ۳۱- اکتوبر ,, - - - - ۱۸۸
تعلیقات : علامہ شیخ عبدالعلی ہروی - - ۱۸۹

۴۹- ۴- دسمبر ,, - - - - ۱۹۵

۵۰- ۶- دسمبر ,, - - - - ۱۹۶

۵۱- ۱۷- دسمبر ,, - - - - ۱۹۷

۵۲- ۵- جنوری ۱۹۱۷ع - - - - ۱۹۸
تعلیقات : پیر سید جماعت علی شاہ - - ۱۹۹

۵۳- ۲۳- فروری ۱۹۱۷ع - - - - - ۲۰۲

۵۴- ۷- مارچ ,, - - - - ۲۰۴

تعلیقات : آفتاب اقبال بیرسٹرایٹ لاء - - ۲۰۶

۵۵- ۱۸- مارچ ,, - - - - ۲۲۱

تعلیقات : منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور - ۲۲۳

۵۶- ۱۰- اپریل ,, - - - - ۲۲۴

۵۷- ۱۵- اپریل ,, - - - - ۲۲۵

۵۸- ۳- مئی ,, - - - - ۲۲۶

۵۹- ۱۹- مئی ,, - - - - ۲۲۸

۶۰- ۱۴- جون ,, - - - - ۲۲۹

۶۱- ۳۰- جون ,, - - - - ۲۳۰

۶۲- ۱۶- جولائی ,, - - - - ۲۳۲

۶۳- ۲۷- جولائی ,, - - - - ۲۳۲

۶۴- ۱۴- اگست ,, - - - - ۲۳۳

۶۵- ۷- ستمبر ,, - - - - ۲۳۵

۶۶- ۶- اکتوبر ,, - - - - ۲۳۶

۶۷- ۷- اکتوبر ,, - - - - ۲۳۶

۶۸- ۲۲- نومبر ۱۹۱۷ء - - - - ۲۳۸

۶۹- ۲۹- دسمبر ,, - - - - ۲۳۹

۷۰- ۲۰- جنوری ۱۹۱۸ء - - - - ۲۳۹

۷۱- یکم فروری ,, - - - - ۲۴۱

۷۲- ۱۰- اپریل ,, - - - - ۲۴۳

۷۳- ۱۱- جون ,, - - - - ۲۴۵

۷۴- ۱۱- جولائی ,, - - - - ۲۴۶

۷۵- ۲۱- فروری ۱۹۱۹ء - - - - ۲۴۶

۷۶- ۲۶- فروری ,, - - - - ۲۴۷

تعلیقات : امیر حبیب اللہ خاں والیِ کابل - - ۲۴۸

۷۷- ۲۹- مارچ ,, - - - - ۲۵۰

۷۸- ۲۵- اپریل ,, - - - - ۲۵۱

۷۹- ۱۷- دسمبر ,, - - - - ۲۵۲

۸۰- ۷- اکتوبر ,, - - - - ۲۵۳

۸۱- ۱۵- دسمبر ,, - - - - ۲۵۵

۸۲- ۱۱- اکتوبر ۱۹۲۱ء - - - - ۲۵۶

تعلیقات : گایتری ، بابا تاج الدین ناگپوری - ۲۵۸

۸۳- ۲۷- اکتوبر ۱۹۲۱ء - - - - ۲۶۳
تعلیقات - - - - ۲۶۴

۸۴- ۳- فروری ۱۹۲۲ء - - - - ۲۶۴

۸۵- ۲۲- فروری " - - - - ۲۶۵
تعلیقات : عہد نامۂ میورے - - - ۲۶۶

۸۶- ۱۱- اکتوبر " - - - - ۲۶۸

۸۷- ۲۶- اکتوبر " - - - - ۲۶۹

۸۸- یکم نومبر " - - - - ۲۷۰

۸۹- دسمبر " - - - - ۲۷۱

۹۰- ۲۹- دسمبر " - - - - ۲۷۲

۹۱- ۲۴- جنوری ۱۹۲۳ء - - - - ۲۷۳

۹۲- ۱۹- مارچ " - - - - ۲۷۴

۹۳- ۱۸- مئی " - - - - ۲۷۵

۹۴- ۲۹- دسمبر " - - - - ۲۷۶

۹۵- ۲۴- اکتوبر " - - - - ۲۷۷

۹۶- ۱۴- جنوری ۱۹۲۴ء - - - - ۲۷۸

۹۷- ۲۲- دسمبر " - - - - ۲۷۹

۹۸- ۴- جنوری ۱۹۲۵ع - - - - - ۲۸۱

۹۹- ۲۸- دسمبر ۱۹۲۶ع - - - - ۲۸۲

خطوطِ شاد

۱- ۱۰- اکتوبر ۱۹۱۶ع - - - ۲۸۷

۲- ۱۱- نومبر ,, - - - - ۲۸۹

۳- ۴- دسمبر ,, - - - - ۲۹۱

۴- .. - دسمبر ,, - - - - ۲۹۲

۵- ۲۱- دسمبر ,, - - - - ۲۹۶

۶- ۲۴- جنوری ۱۹۱۷ع - - - - ۲۹۹

۷- ۷- فروری ,, - - - - ۳۰۳

۸- ۲- مارچ ,, - - - - ۳۰۴

۹- ۱۰- مارچ ,, - - - - ۳۰۶

۱۰- ۲۵- مارچ ,, - - - - ۳۰۹

۱۱- ۷- اپریل ,, - - - - ۳۱۰

۱۲- ۱۴- اپریل ,, - - - - ۳۱۲

۱۳- ۸- مئی ,, - - - - ۳۱۳

۱۴- ۴- جون ,, - - - - ۳۱۴

۱۵- ۲۶- جون ۱۹۱۷ع - - - - - ۳۱۷

۱۶- ۲۳- جولائی ,, - - - - ۳۲۱

۱۷- ۲- اگست ,, - - - - ۳۲۳

۱۸- ۲۳- اگست ,, - - - - ۳۲۳

۱۹- ۳- اکتوبر ,, - - - - ۳۲۵

۲۰- .. - اکتوبر ,, - - - - ۳۲۶

۲۱- ۲- جنوری ۱۹۱۸ع - - - - ۳۲۷

۲۲- ۲۳- مارچ ,, - - - - ۳۳۱

۲۳- ۱۸- مئی ,, - - - - ۳۳۲

۲۴- ۲۸- جون ,, - - - - ۳۳۴

۲۵- ۱۷- جولائی ,, - - - - ۳۳۵

۲۶- ۱۹- دسمبر ,, - - - - ۳۳۶

۲۷- ۸- فروری ۱۹۱۹ع - - - - ۳۳۷

۲۸- ۸- مارچ ,, - - - - ۳۳۹

۲۹- ۱۳- اپریل ,, - - - - ۳۴۰

۳۰- ۳- مئی ,, - - - - ۳۴۳

۳۱- ۲۳- ستمبر ,, - - - - ۳۴۵

۳۲- ۱۴- اکتوبر ۱۹۱۹ء - - - - - ۳۴۶

۳۳- ۸- دسمبر ,, - - - - ۳۴۸

۳۴- ۱۹- دسمبر ,, - - - - ۳۴۹

۳۵- ۱۸- اکتوبر ۱۹۲۲ء - - - - ۳۵۱

۳۶- یکم نومبر ,, - - - - ۳۵۳

۳۷- ۱۹- نومبر ,, - - - - ۳۵۴

۳۸- ۱۳- دسمبر ,, - - - - ۳۵۶

۳۹- ۴- جنوری ۱۹۲۳ء - - - - ۳۵۷

۴۰- ۱۱- فروری ,, - - - - ۳۶۱

۴۱- ۱۳- مارچ ,, - - - - ۳۶۲

۴۲- ۲۴- مارچ ,, - - - - ۳۶۴

۴۳- ۲۳- اپریل ,, - - - - ۳۶۶

۴۴- ۱۴- مئی ,, - - - - ۳۶۹

۴۵- ۱۹- ستمبر ,, - - - - ۳۷۱

۴۶- ۸- اکتوبر ,, - - - - ۳۷۲

۴۷- ۳- نومبر ,, - - - - ۳۷۵

۴۸- ۱۵- دسمبر ۱۹۲۴ء - - - - ۳۷۷

۴۹- ۹- جنوری ۱۹۲۵ع - - - - ۳۷۹

۵۰- ۱۱- جنوری ,, - - - - ۳۸۳

۵۱- ۱۸- شوال المکرم ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۵ع) - - ۳۸۶

تعلیقات : کلیاتِ اقبال - - - - ۳۸۷

۵۲- ۱۰- جنوری ۱۹۲۶ع - - - - ۴۰۱

۵۳- ۲۴- جنوری ,, - - - - ۴۰۴

۵۴- ۴- جنوری ۱۹۲۷ع - - - - ۴۰۶

• • •

مقدمہ

مہاراجہ کشن پرشاد کے سوانح حیات
علامہ اقبال سے ملاقاتیں
اور تعلقات

علامہ اقبال کا یہ مجموعۂ خطوط پیش کرنے سے پہلے مکتوب الیہ کے بارے میں یہ بتانا ضروری ہے کہ یمین السلطنت مہاراجہ سر کشن پرشاد کو دکن تو جانتا ہی تھا ، برطانوی ہند میں بھی ان کی شہرت کچھ کم نہ تھی ۔ والیانِ ریاست ان کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ ادیب ان کو جانتے ، شعرا ان کو پہچانتے ، صوفیا ان کی موحدانہ زندگی پر رشک کرتے ، فلسفی ان کے خیالات پر سر دھنتے اور مؤرخ ان کے حالات قلم بند کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے ۔

مولانا حالی نے ان کو اپنا 'مسدس' سنایا ۔ مولانا شبلی نے 'شعر العجم' کا تحفہ پیش کیا ۔ علامہ اقبال نے ان کو 'اسرارِ خودی' اور 'رموزِ بے خودی' سمجھائے ۔ اکبر الہ آبادی نے ان کو حکیمانہ شعر سنائے ۔ پیارے صاحب رشید اور دولھا صاحب عروج نے ان سے اپنی مرثیہ گوئی کی داد پائی ۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار ان کی ڈیوڑھی پر برسوں براجمان رہے ۔ علامہ نظم طباطبائی ان کے ممنون تھے تو حضرت جلیل مانکپوری ان کے شکر گزار ۔ اختر مینائی انھی کے فیض سے چمکے ۔ ترک علی شاہ ترکی اور مولانا گرامی نے یہیں نام پایا ۔ غبار انھی کے خوانِ کرم کے زلہ ربا تھے ۔ ثاقب نے یہیں اپنی خوش کلامی اور شاعری کے داؤ پیچ کے جوہر دکھائے ۔ دلو رام کوثری نے انھی کے سامنے یہ مصرع پڑھا تھا :

گنگا سے جو پھسلا لبِ کوثر پہنچا

جوش کی رندانہ شاعری کی انھوں نے قیمت ادا کی ۔ فانی کو ان کی قدر دانیوں سے بقا نصیب ہوئی ۔ غرض دکن کے شاعر ہوں یا باہر کے، وہ اپنے کلام کی داد حضرتِ شاد ہی سے پاتے تھے ۔ بقول اقبال ''خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو خرقہ پوش امیروں کی ہم بزمی میسر ہے ۔ امارت ، عزت ، آبرو ، جاہ و حشمت عام ہے مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں نہیں ہوتا۔''

مہاراجہ ایک ایسے کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے ، جس نے عہدِ مغلیہ میں راجہ ٹوڈر مل اور عہدِ آصفیہ میں مہاراجہ چندو لال جیسی عظیم شخصیتیں پیدا کیں ۔ چندو لال کی ادب پروری ، انسان دوستی ، داد و دہش اور شخصیت کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ ایک زمانے میں حیدر آباد چندو لال کا حیدر آباد کہلاتا تھا ۔ یہی چندو لال مہاراجہ کشن پرشاد کے جدِّ اعلیٰ تھے۔

مہاراجہ کشن پرشاد ، راجہ ہری کشن سر رشتہ دار محکمۂ نظم جمعیت کے فرزند تھے اور مہاراجہ نریندر پرشاد پیش کار و مدار المہام کے حقیقی نواسے تھے - ۲۸ فروری ۱۸۶۴ء (۱۸ شعبان ۱۲۸۰ھ) کو پیدا ہوئے ۔ نام پرشوتم داس رکھا گیا لیکن نانا نے کشن پرشاد کہہ کر پکارا اور یہی نام چل نکلا ۔ کسی نے ''فرزندِ فرخندہ'' (۱۲۸۰) سے تاریخ بھی نکالی تھی۔ تعلیم و تربیت ان کے نانا کی نگرانی میں ہوئی اور انھوں نے بہت جلد فارسی ، سنسکرت ، عربی ، اردو ، خطاطی اور فنونِ سپہ گری میں دستگاہ حاصل کر لی ۔ رمل ، نجوم ، مصوری اور موسیقی انھوں نے خود اپنے شوق سے سیکھی ۔ چند دن مدرسۂ عالیہ میں بھی تعلیم پائی لیکن انگریزی سے کوئی

زیادہ مناسبت پیدا نہ ہوئی - مہاراجہ نریندر پرشاد کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ''تین کروڑ کے پتلے'' تھے ، کیونکہ مہاراجہ چندو لال نے ایک کروڑ ان کی زنار بندی پر ، ایک کروڑ تعلیم پر اور ایک کروڑ ان کی شادی پر صرف کیے تھے - مہاراجہ نریندر پرشاد نے بھی اپنے نواسے مہاراجہ کشن پرشاد پر کچھ اسی طرح صرف کیا کیونکہ ان کی اپنی نرینہ اولاد کوئی نہ تھی -

تیرہ سال کے تھے کہ والدہ کا ساتھ چھوٹا - ۲۹ رجب ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ع کو آپ کے والد ہری کشن نے وفات پائی - آپ کے نانا مہاراجہ نریندر پرشاد کا انتقال ۱۲ رمضان ۱۳۰۶/۱۸۸۹ع کو ہوا - باوجودیکہ نانا نے کشن پرشاد کو اپنا جائز وارث اور جانشین قرار دے دیا تھا ، جس کی بنا پر ایک بہت بڑی جاگیر ، جس کی آمدنی تقریباً سولہ لاکھ روپے سالانہ تھی ، ان کو ورثے میں ملی تھی ، لیکن بعض دشمنوں کی در اندازیوں نے اس مسئلے کو اس قدر الجھا دیا کہ چند سال آپ کو سخت پریشانیوں میں مبتلا رہنا پڑا - آخر ۲ رجب ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۳ع کو آپ کے آقا محبوب جہاں غفران مکاں نے آپ کو موروثی خدمتِ پیشکاری سے سرفراز فرمایا اور خلعت عطا کی - پھر آپ کو صدر المہام فوج اور وزیر افواج کے جلیل القدر عہدے پر مامور کیا - ۱۰ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ع کو اس سے بھی زیادہ ذمہ دارانہ اور اہم خدمت مدار المہامی آپ کے سپرد کی ، جو ۱۵ رجب ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ع تک رہی - اس کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور کچھ ایسی صورت پیدا ہو گئی کہ آپ خود ہی اس منصبِ جلیلہ سے مستعفی ہو گئے - اس دوران میں آپ کو جن جن خطابات سے نوازا گیا ، ان کی تفصیل یہ ہے :

راجہ بہادر : ۶ ربیع الثانی ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ع

راجۂ راجایاں : ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء
یمین السلطنت : بر موقع جشن جوبلی حضرت غفران مکان
میر محبوب علی خاں
کے - سی - آئی - ای : ۲ شوال ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء
جی - سی - آئی - ای : ۱۰ شعبان ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء
بھارت بھوشن : از بھارت دھرم مہامنڈل بنارس
ایل - ایل - ڈی : از عثمانیہ یونیورسٹی ۱۹۳۸ء

آپ پہلے مدارالمہام تھے جن کی ڈیوڑھی پر ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے بمعیت غفران مکان میر محبوب علی خاں محرم کی پانچویں تاریخ کا لنگر ملاحظہ فرمایا ۔

مدار المہامی سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے ۱۹۱۳ء میں پنجاب ، دہلی ، بمبئی اور اجمیر شریف وغیرہ کا طویل سفر کیا ۔ اس سفر کے حالات آپ نے ''سیرِ پنجاب'' کے نام سے قلم بند کیے ہیں جو بہت دلچسپ ہیں ۔ یہ کتاب ۱۹۲۳ء میں مطبع مسلم یونی ورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں چھپی تھی ۔

۱۷ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء کو ایک دفعہ پھر مہاراجہ کو دکن کی صدارت عظمی کے لیے منتخب کیا گیا ۔ اس کی افواہ تین چار سال پہلے ہی اڑ گئی تھی اور علامہ اقبال نے اس پر یقین کرکے یہ قطعۂ تاریخ بھی لکھ دیا تھا :

صدرِ اعظم گشت شادِ نکتہ سنج
ناوکِ او دشمنان را سینہ سفت
سالِ ایں معنی سروشِ غیب داں
''جانِ سلطاں سر کشن پرشاد گفت''

۱۳۴۱ھ

مگر اس پر عمل ۱۳۴۵ھ میں ہوا اور ملک کے گوشے گوشے میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی ۔

۱۹۳۷ع تک مہاراجہ حیدر آباد کے سیاہ و سفید کے مالک رہے اور غرۂ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ (۹ مئی ۱۹۴۰ع) کو آپ نے انتقال کیا ۔ میت کے جلوس میں ہزاروں آدمی شریک ہوئے ۔ ساری ریاست میں سوگ منایا گیا اور پرانے پل کے دروازے کی داہنی جانب ندی کنارے مہاراجہ چندو لال اور مہاراجہ نریندر پرشاد کے درمیانی حصے میں سادھ بنائی گئی ۔

مہاراجہ کا ماحول امیرانہ اور عادات فقیرانہ تھیں ۔ گھر سے باہر نکلتے تو سکے بکھیرتے جاتے ۔ ''بچوں والے راجہ'' پکارے جاتے تھے ۔ ہولی میں کرشن کنھیا بنے رہتے تھے ۔ شباب کی ترنگ میں غوثیہ بیگم کو جان پر کھیل کر اور عزت و آبرو کو بالائے طاق رکھ کر آغوشِ محبت میں اڑا لائے تھے اور ختنہ بھی کرا لیا تھا ۔ ''با مسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام'' کا صوفیانہ مشرب رکھتے تھے ۔ مندروں میں قشقہ لگاتے ، مسجدوں میں نماز پڑھتے ، مجالسِ عزا میں اشک بہاتے اور حال و قال کی محفلوں میں سر دھنتے تھے ۔ نعتیں ، منقبتیں ، سلام اور مرثیے لکھ کر انھوں نے اپنی عقیدت و ارادت اور دل گدازی کا ثبوت دیا ۔ ''جلوۂ کرشن'' میں بانسری کے نغمے سنائے ، جب ہی تو انھوں نے اپنا موحدانہ مسلک یہ بیان کیا ہے :

میں ہوں ہندو میں ہوں مسلماں
ہر مذہب ہے میرا ایماں
شاد کا مذہب شاد ہی جانے
آزادی آزاد ہی جانے

مہاراجہ اپنے عقیدے کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے ۲۴ فروری ۱۹۱۸ع/۱۲/ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ/۲۳ فروری ۱۳۲۷ ف کے خط میں وارڈن روڈ متصل دیول مہالکشمی بمبئی سے حضرت اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں :

"کیا آپ نے بھی اب تک اس فقیر "کشن پرشاد" کے نام ہی کو اپنے دائرۂ خیال کا مرکز قائم کر رکھا ہے ؟ غالباً ایسا نہ ہوگا ! میرے مفہوم میں غلطی ہوئی ہوگی ۔ مگر مولانا ! دلیا کے یہ سب ڈھکوسلے برائے نام ہیں ۔ بشر وہی ہے جس نے اس ظاہری نام و نشان کے مٹانے کی کوشش کی ۔ ما و تو کے گرد و غبار سے ہمیشہ دامن دل کو پاک رکھا ۔ افتراق و تفریق کے بدنما داغوں سے بچاتا رہا ۔ ہر مذہب کو اپنا مذہب ، ہر ملت کو اپنی ملت سمجھا اور اس امر کو باور کر لیا کہ جس قدر راہ رو ہیں سب کی منزل ایک ہی ہے ۔ شارع عام سے جائیں یا پگڈنڈی سے :

ہوئے ایک دیر و حرم کے مسافر
کچھ اس راہ چل کر کچھ اس راہ چل کر

اور اگر اس منظر خاص و عام پر ذرا بھی تحقیق کی گہری نظر ڈالی جائے تو شارع عام ہے نہ پگڈنڈی ۔ نہ یہ کٹے ہوئے پتھر کی ہموار سڑک ہے نہ وہ کانٹوں بھرا ناہموار راستہ ۔ وہی ایک جادۂ توحید ہے جس پر سالکانِ راہِ حقیقت ازل سے چلتے چلے آ رہے ہیں اور خضرِ طریقت بن کر ہر قافلے کو منزلِ مقصود کا نشان بتا رہے ہیں ۔ خواہ وہ کسی قوم ، کسی ملک ، کسی بعثت کے کیوں نہ

ہوں۔ ''لکل قوم ھاد'' ان کا مرکز اصلی ہے۔ راہ ہفت خواں بلکہ ہفتاد خواں ہی کیوں نہ ہو، ان کا قدم کبھی ڈگمگا نہیں سکتا۔ نہ کوئی سر بفلک کشیدہ پہاڑ — عام اس سے کہ ہمالیہ کی چوٹی ہو یا فاران کی — ان کے لیے سدِ راہ ہو سکتا ہے، نہ کسی دریائے نا پیدا کنار کا طوفان خیز سیلاب — بحر ہند کا ہو یا بحیرۂ عرب — کا ان کے لیے سدِ سکندری۔

بے شک وہ خدا کے سچے رسول حقیقی نائب ہیں جو شمعِ وحدت ہاتھ میں لیے ہوئے گم کردگانِ راہِ حقیقت کو شرک و جہل کی تیرہ و تاریک غار سے نکال کر سلوک و عرفان الٰہی کے روشن اور وسیع میدان میں لا رہے ہیں اور ''یؤمنون بالغیب'' کا مژدۂ دلکش سنا رہے ہیں۔ مجاز سے حقیقت کی طرف لانا ان کا نصب العین ہے۔ علمائے ظاہر کسی مذہب کے کیوں نہ ہوں، بمصداق ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' انھیں قدم بقدم چل کر جادۂ اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی ہدایت میں مصروف ہیں۔

علمائے باطن کا اصل مقصود محض عشق حقیقی ہے جو بادی النظر میں شرائطِ ظاہری سے آزاد اور ترکِ سوا و ما سوا اس کی بنیاد:

عاشقاں را ملت و مشرب خداست
مذہبِ عشق از مذاہبہا جداست
ہیچ ناید در نظر جز ذاتِ او
ما و تو جملہ بود آیاتِ او

او رخ است و خلق دیگر آئینہ
پرتوش می بینم اندر آئینہ
چیست آئینہ صفائے قلب ما
چشم حیراں از ضیائے قلب ما
دیدۂ دل رخنۂ دیوار او
زیں ہمہ آید نظر آثار او
رخنہ و دیوار و آثار از کجاست
طاقت و ہم تاب دیدار از کجاست
ہرچہ ہست از اوست نے اوست خود
دوست را می بینم اندر دوست خود
اوست خواجہ اوست بندہ اوست شاد
اوست پیر و او مرید و او مراد
کائنات ہر دو عالم یک ہوس
ایں سوس تا چند ، بس اللہ بس !

لیکن فی الحقیقۃ شریعت و طریقت میں چولی دامن کا ساتھ ہے -

مہربان ! آپ کا خیال درست ہے کہ ہر شخص اپنی قوم کو سراہتا ہے اور اپنے مذہب کی تعریف کرتا ہے - مگر افسوس ہے ایسے مذہب والے پر کہ ''خذما صفا و دع ما کدر'' کو چھوڑ دے - وحدت الوجود کے مسئلے کو مجھ جیسے نادان نے بہت آسان سمجھ لیا - دو چار مرید ہو گئے اور گیروا لباس پہنا اور بھنگ کا پیالہ اڑایا ، پس نعوذ باللہ ہمہ اوست کا نعرہ لگایا - اور ادھر کفر و شرک ،

تو تو میں میں ، میرا تیرا کے پھیر میں ایسے مبتلا کہ دنیادار بھی نہ ہوں گے - جب توحید حق ہے اور وحدت الوجود حق ہے اور ضرور حق ہے ، تو اب آپ ہی فرمائیں کہ عارف کے لیے کس قدر مقام نازک ہے کہ بجز سکوت کے نہ وہ کسی کو برا کہہ سکتا ہے نہ کسی کو اپنا دشمن سمجھ سکتا ہے - اگر ایک قطرے کے وجود کو بھی وہ غیر سمجھے اور ایک خار سے بھی خار کھائے تو اس کی موحدی رفو چکر - پس بجز سکوت اور حیرت کے کیا کہہ سکتا ہے - انبیاء علیہم السلام چونکہ ہدایت کے لیے پیدا ہوئے اور مامور من اللہ تھے ، انھوں نے تعلیماً اور تفہیماً شب کے مقابل دن ، دن کے مقابل شب بتائی اور برے کے مقابل نیک ، نیک کے مقابل بد بتلایا - مگر ہدایت پر ان کی غور کیجیے تو کسی میں انھوں نے اسلام کو یہ تعلیم نہیں دی جس کو آج لوگ تعلیم سمجھ کر اس پر چل رہے ہیں - بتلائیے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی کیسی کیسی رعایتیں ہوتی تھیں - چوٹ آئی ہے اور خون بہہ رہا ہے - سخت تکلیف ہے - لوگ کہتے ہیں کہ اس کے حق میں آپ بد دعا کریں - تصدق اس برزخ کبریٰ کے اور حقیقت الوجود کے کہ رحیم کا مظہر ہے ، فرمایا کہ نہیں - درستی پر آ جائیں گے - اگر یہ زندہ رہیں گے تو ان سے جو اولاد ہوگی وہ خدا کو پوجے گی اور مانے گی - الغرض مخالفین نے کیا کیا بے ادبیاں نہیں کیں اور آپ نے کیا کیا رحم نہیں کیا - اس تعلیم اور روشنی کو اور آج کی روشنی اور تعلیم کو دیکھیے - ”چہ نسبت خاک را

با عالم پاک" یار کے دو زلف کس کو برا کہیں اور کس کو بھلا :

کفر و اسلام در رہش پویاں
وحدہ لا شریک لہ گویاں

شاد ان ہی جھگڑوں سے گھبرا کر اپنے آبائی مذہب کو خیرباد کہہ کر آزاد ہو گیا ۔ اگر دیکھا تو صرف صوفیانِ باصفا کے ایک گروہ کو پیارا اور بے لوث پایا ۔ اس لیے اسی کو اختیار کیا اور دعا کرتا ہوں کہ خدا اپنی وحدت پر رکھے اور اپنی محبت اور توحید پر چلائے اور آخری سانس بھی اقرارِ توحید پر یار کے درشن کرتے ہوئے نکلے ۔ بندے کا اصلی ایمان بالفاظِ عربی یہ ہے :

"امنت باللہ وملائکتہ وکتبہ و رسلہ لانفرق بین احد من رسلہ ھو الاول ھوالآخر ، ھو الظاھر ھو الباطن ۔"

ترجمہ جس زبان میں کیا جائے اس کے اصل مقصود اور معنوں سے غرض ہے اور یہی ایمان ہے ۔ باقی فضولیات سے شاد کو نفرت ہے ۔ چاہے مشائخین مجھے کفر کا فتویٰ دے دیں یا پنڈت مجھے ادھرمی کہیں ۔ مگر بندہ سب بزرگوں اور ادیان اور سب مذاہب کو برحق سمجھتا ہے ۔ مجھے کسی سے نہ انکار ہے نہ دشمنی ۔ ہاں ایک اجمیری میاں کا دلدادہ ہوں اور کیوں نہ ہوں ۔ اس کی بھی مجھے خبر تھی :

ہمہ شہر پُر زخوباں منم و خیال ماہے
چہ کنم نگاہ بدبیں نہ کند بہ کس نگاہے

قیدِ ما و من اور کفر و اسلام سے بری ہوں اور خدا بری رکھے ۔ بغض سے بچائے ۔ خدا آپ کو خوش رکھے ۔"

خواجہ اجمیریؒ سے بے پناہ عقیدت کی بنا پر مہاراجہ نے اپنے صاحبزادے ارجن کمار کا نام ''خواجہ پرشاد'' رکھا، جو ایک ہندو رانی کے بطن سے تھا۔ ایک فرزند کا تاریخی نام ''عالم پناہ مہاراجہ عالمگیر پرشاد'' (۱۳۳۲ھ - ۱۹۱۴ع) اقبال نے تجویز کیا تھا۔ خواجہ کے آستانے پر کئی مرتبہ حاضری دی اور دیگیں پکوا کر لٹائیں۔ فیاضی ان کی سرشت میں داخل تھی۔ جیبیں خالی کرنے کے لیے بھرتے تھے۔ ان کے ہاتھوں سے سچ مچ چاندی سونے کے فوارے ابلتے تھے۔ ان کی ڈیوڑھی کے احاطے سے غریب غربا کی باراتیں محض اس لیے گزرتی تھیں کہ دولھا دلہن کو شال دو شالے اوڑھائے جاتے اور ان کے ہاتھوں میں اشرفیاں دی جاتی تھیں۔ چونکہ تعلیم و تربیت اسلامی طریقے پر ہوئی تھی، اس لیے کلامِ مجید کی اکثر آیتیں اور حدیثیں ان کو ازبر تھیں۔ عربی سے واقف تھے، فارسی بولتے ہی نہ تھے بلکہ اس میں شعر بھی کہتے تھے۔ نثر قلم برداشتہ لکھتے تھے۔ زبان اتنی شستہ تھی کہ معلوم ہوتا تھا رتن ناتھ سرشار کا قلم چل رہا ہے۔

مہاراجہ کی تین رانیاں اور چار بیگمیں تھیں۔ ہندو رانیوں کی اولاد ہندو اور مسلمان بیگمات کی اولاد مسلمان تھی۔ اسی مناسبت سے ان کی شادیاں کی گئیں اور رشتے جوڑے گئے۔ بعض رشتوں کے بارے میں اپنے دوست علامہ اقبال سے بھی مشورے کیے اور ان کو اعتماد میں لیا۔ دیکھیے ۴ جنوری ۱۹۲۳ع کے خط میں کس بے تکلفی اور اپنائیت سے لکھتے ہیں:

''آپ کا یہ خط (۲۹ دسمبر ۱۹۲۲ع) میرے خط مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۲۲ع کا جواب ہے، جس میں میں نے لکھا

تھا ''یہاں لڑکے اچھے نہیں ملتے ۔ تعلیم یافتہ ہے تو مالی حیثیت اچھی نہیں ۔ اگر مالی حیثیت اچھی ہے تو تعلیم ٹھیک نہیں ۔'' آپ نے میرا منشا پا لیا اور میرے خیالات کا اندازہ کر لیا ۔ موجودہ حالت اور تغیر کی رفتار کا نتیجہ میرے پیش نظر ہے ۔ یہاں کی آئے دن کی تبدیلیاں صیغۂ امارت و ثروت کے مستقبل کو تاریک کرنے کا وعدہ کر رہی ہیں ۔ بڑے بڑے گھر تباہ حالت میں ہیں ۔ ایسی حالت میں مآل اندیشی سے کام لینا ضروری ہے ۔ اولاد کے متعلق اپنے فرائض کا تیز احساس میرا فرض ہے ۔

حیدر آباد کی امارت و ثروت کا وجود صرف احتیاط اور استقلال و عاقبت اندیشی کے تابع ہو گیا ہے ۔ لڑکیوں کی شادی دور و نزدیک پر منحصر نہیں بلکہ ان کی آئندہ زندگی اطمینان و خوش حالی کے ساتھ گزرنے پر منحصر ہے ۔''

اسی خط میں آگے چل کر مہاراجہ نے پانچ شادی شدہ لڑکیوں کی کیفیت بیان کی ، جن میں دو رانی زادیاں اور تین بیگم زادیاں تھیں ۔ ایک داماد کے بارے میں بتایا کہ ''لڑکا پہلے درجے کا . . . ہے ۔ اس عیب نے سب خوبیوں کو خاک میں ملا دیا ۔'' دوسرے کے بارے میں لکھا کہ ''اس کے والد کی حالت فارغ البالی کی پہلے سنی جاتی تھی مگر بیاہ کے بعد معلوم ہوا کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ۔ سارا بار پرورش کا میرے ذمے پڑا ۔ مگر نوشت و خواند میں کارگزاری کے قابل تھا . . . اور امید یہ تھی کہ تعلیم یافتہ ہونے کے باعث مرضی کے موافق ہوگا اور باپ کی ملنسار شریفانہ

طبیعت سے بھی زیادہ توقع تھی مگر . . . راضی برضا کیا کیا جائے۔ سنگ آمد و سخت آمد ۔ لب اپنے ، دانت اپنے ، بہرحال گزر رہی ہے ۔ ان اوصافِ حمیدہ کے ساتھ احسان فراموش سنگ در آتش ۔''

تیسرے ، چوتھے اور پانچویں داماد کے بارے میں ، جو مسلمان تھے ، البتہ اطمینان کا اظہار کیا ہے ۔ آخر میں علامہ اقبال سے مشورہ طلب کیا ہے :

''اب آپ ان سب کی ہسٹری پڑھ کر جو رائے دیں گے اور پتا دیں گے کہ کون سے لڑکے ہیں اور کس حالت کے ہیں ۔ اب دس لڑکیاں ہیں جن میں دو رانی زادیاں ہیں ۔ ایک بالغ و ہشیار ، دوسری دو سال کی ۔ آٹھ بیگم زادیاں ہیں جن میں ایک پانچ سال کی ہے ، دوسری آٹھ سال کی ۔ باقی دس اور بارہ کے درمیان میں تین ہیں اور چودہ اور انیس کے درمیان پانچ ہیں ۔ مرحومہ بیگم کی بھی پانچ ہیں ، جن میں چار چودہ اور اٹھارہ کے درمیان اور ایک پانچ سات کے درمیان میں ۔ دو کے متعلق حضور کا خیال ہے کہ اپنے صاحب زادوں سے منسوب کریں ، واللہ علم ، ابھی نقش برآب ہے ۔ اگر دو ہیں تو پھر تین کے لیے ضرورت ہے ۔ غرض یہاں کے حالات کے لحاظ سے شاد ہر طرح مجبور اور بارگراں ہے ۔ ہر طرح سبک دوش کس طرح ہو ، اس فکر میں ہوں ۔ مگر بھروسہ مالکِ حقیقی پر ہے ۔''

راجہ ارجن کمار عرف راجہ خواجہ پرشاد کو اپنا جانشین مقرر کیا اور اس کو جو وصیت کی ، اس سے مہاراجہ کی نیک خواہشات

کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس وصیت نامے کی ابتدا یوں ہوتی ہے:

۱- میں سرکشن پرشاد یمین السلطنت کھتری مہرا یعنی سپاہی نژاد صاحبِ سیف اپنی وصیت کو خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جو ایک ہے اور ایک ہی ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ میرا اعتقاد ہے کہ کوئی خدا سوائے ایک خدا کے سزاوارِ حمد نہیں ہے۔

اپنا مسلک یوں بیان کیا ہے:

۲- میں تعصب اور نفرت کو بری نظر سے دیکھتا ہوں۔ ہر مذہب اور قوم کی عزت کرتا ہوں۔ انصاف، راستی اور عدل کو انسان کے بہترین جوہر سمجھتا ہوں کیونکہ انصاف ہر متنفس اور حکومت کے لیے بہترین خصلت ہے۔ میں اپنے اہلِ خاندان اور اولاد اور وارث کو ہدایت کرتا ہوں کہ خدا پر کامل بھروسہ رکھو۔ ہر تکلیف کا جواں مردی سے مقابلہ کرنا اور ہر مصیبت کو صبر سے برداشت کرنا، صرف خدا ہی سے مدد طلب کرنا اور ہمیشہ اسی کی مشیت پر راضی برضا رہنا، یہی وہ تعلیم ہے جو ہمارے بزرگوں سے ملتی چلی آئی ہے اور جس کی پیروی کرنا ایک کھتری اور ایک جواں مرد سپاہی کے لیے ضروری ہے۔ میں بھی تم سب کو نیکوکارانہ زندگی گزارنے اور بوقتِ مایوسی خدا سے امداد طلب کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ خصوصاً مجھے اپنے جانشین اور وارث راجہ خواجہ پرشاد سے توقع ہے کہ وہ ان سب امور کو، جو میں نے مذہبی اعتقاد کے متعلق اوپر بیان کیے ہیں، اپنا نصب العین بنائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد سخاوت و کرم ، ہر مذہب و ملت کی عبادت گاہوں کے احترام ، بیوی بچوں ، چھوٹے بڑوں ، دور نزدیک کے رشتے داروں ، دوست اور دشمنوں ، اپنے آقائے ولیِ نعمت سے وفاداری ، ادنٰی ملازموں سے حسنِ سلوک اور نیک برتاؤ ، رفیقوں اور ہم جلیسوں کے انتخاب میں احتیاط اور اپنی جاگیر کے انتظام سے متعلق ضروری ہدایات درج کی ہیں اور نہایت اصرار سے ان کی تعمیل پر زور دیا ہے ۔

مہاراج کی وفات کے بعد راجہ خواجہ پرشاد ان کے جانشین ہوئے مگر بمبئی کے مشہور تاج محل ہوٹل کے ایک بالا خانے سے گرنے کے سبب ان کا انتقال ہو گیا ۔ اس لیے انقلابِ حیدر آباد کے بعد مہاراجہ کی جاگیر کا انتظام حکومتِ ہند نے موگا ضلع فیروز پور پنجاب کے رہنے والے مہاراجہ کے داماد ڈاکٹر مدن گوپال اور ان کے بیٹے راجہ رتن پرشاد کے سپرد کیا ۔

عام طور پر علم و امارت ایک جگہ جمع نہیں ہوتے ، مگر مہاراجہ کی ذات اس سے مستثنٰی تھی ۔ اقبال نے درست فرمایا تھا کہ ''واللہ ! قبائے وزارت کے نیچے شاعری ، درویشی ، سپہگری اور خدا جانے کیا کیا کمالات آپ نے چھپا رکھے ہیں ۔'' وہ شاعر ، مصوّر ، خوش نویس ، جلد ساز اور موسیقی دان سبھی کچھ تھے ۔ مشرقی تہذیب اور مشرقی آداب کے اس قدر دلدادہ تھے کہ ہندوستانی لباس اس سوسائٹی میں بھی پہن کر جاتے جہاں سب کوٹ پتلون میں نظر آتے تھے ۔ حقہ پیتے اور پان شوق سے کھاتے تھے بلکہ اپنے ہاتھ سے بنا کر دوسروں کو بھی کھلاتے تھے ۔ ملنے والوں میں سے کسی کو اٹھ کر ، کسی کو نیم قد اور کسی کو سرو قد کھڑے ہو کر تعظیم دیا کرتے تھے ۔ کسی کے لیے بڑھتے اور اہم

ہم عصروں کا موٹر تک جا کر خیر مقدم کرتے تھے - بیٹھے بیٹھے بھی جن لوگوں کا سلام لیتے تھے ، اس میں بھی مشرقی تواضع کا ایک خاص انداز پایا جاتا تھا ۔ کوئی کسی وقت بھی کیوں نہ آ جائے ، چائے پانی سے اس کی تواضع ضرور کرتے اور خود بھی مہمان کی خاطر ایک آدھ گھونٹ لے لیتے تھے ۔

تصنیف و تالیف سے ان کو خاص لگاؤ تھا ۔ چھوٹی بڑی ستر اسّی سے زیادہ کتابیں مختلف موضوعات پر لکھیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

(۱) اقوالِ حضرت علیؓ : مسلم یونیورسٹی پریس ،		
علی گڑھ		۱۹۲۲ع
(۲) دینِ حسینؓ :	ذخیرہ پریس حیدر آباد	—
(۳) ماتمِ حسینؓ (منظوم) :	،، ،، ،،	—
(۴) خم کدۂ رحمت :	—	۱۳۲۷ھ
(۵) سوریا کاشی (وحدتِ ادیان) :	—	۱۳۵۲ھ
(۶) مجموعۂ مناجات :	—	۱۳۳۰ھ
(۷) مثنوی آئینۂ وحدتِ وجود :	—	۱۳۳۷ھ
(۸) مثنوی سرِّ وجود :	—	۱۳۳۸ھ
(۹) دینِ مبین :	—	۱۳۵۲ھ
(۱۰) مخزن القوافی :	شمسی پریس	۱۳۲۲ھ
(۱۱) دسہرہ (سری رام چندر جی کی بہادری) :		—
(۱۲) روزنامچۂ سفرِ یورپ (خواجہ پرشاد) :		۱۹۳۴ع
(۱۳) ایک سفر نامہ :	—	۱۳۲۹ھ
(۱۴) سفرِ دو ہفتہ :	—	۱۳۲۰ھ

(۱۵) سیرِ ناگپور (آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش میں) :		۱۳۳۱ھ
(۱۶) سیر و سفر (ہندوستان) :	—	۱۳۳۴ھ
(۱۷) جامِ جہاں نما (ہندوستان) :	—	۱۳۳۵ھ
(۱۸) سفرِ شاد نگر :	—	۱۳۴۱ھ
(۱۹) روزنامچۂ گلبرگہ :	—	۱۳۱۴ھ
(۲۰) روضہ شریف :	محبوب پریس	۱۳۳۳ھ
(۲۱) سیرِ پنجاب :	—	۱۳۴۳ھ
(۲۲) تفریحِ شاد :	—	—
(۲۳) شکارِ شیرشاہی :	—	—
(۲۴) اسپیچ :	اسٹیٹ مہاراجہ کشن پرشاد	۱۳۲۲ھ
(۲۵) ارمغانِ وزارت یعنی مجموعۂ مضامینِ کشن پرشاد :		۱۳۲۴ھ
(۲۶) قومی لیڈر :	اختر دکن پریس	۱۹۰۶ء
(۲۷) معراجِ ترقی :	—	—
(۲۸) آزادی :	—	۱۳۲۳ھ
(۲۹) اسپیچ افتتاح محبوب گنج نظام آباد :	اسٹیٹ مہاراجہ کشن پرشاد :	۱۳۲۲ھ
(۳۰) ہندو بھائیوں سے خطاب :	دارالطبع سرکار عالی	۱۹۳۹ء
(۳۱) شعر فارسی اور سلاطین و امراء 'جامعۂ معارف' :	اعظم اسٹیم پریس	۱۳۴۶ھ
(۳۲) رن بیر (راجپوتوں کی بہادری) :	اسٹیٹ مہاراجہ کشن پرشاد	۱۳۴۰ھ

(۳۳) قدومِ سلطانی :		۱۳۱۶ھ
(۳۴) آشوبِ عظیم (پہلی جنگ عظیم) :	اسٹیٹ مہاراجہ کشن پرشاد	۱۳۳۸ھ
(۳۵) جذباتِ شاد :	,,	۱۳۲۸ھ
(۳۶) ارض الرمل :	,,	۱۳۰۷ھ
(۳۷) مثنوی جلوۂ کرشن (کرشن جی کے ابتدائی حالات) :	مطبع احمدیہ	۱۳۴۷ھ
(۳۸) مثنوی حسن و عشق :	—	—
(۳۹) رقعاتِ شاد :	محبوب پریس	۱۳۱۷ف
(۴۰) لطائفِ بے نظیر :	مذاقِ سخن پریس	۲۰۲ ف
(۴۱) نور چشم :	محبوب پریس	۱۳۳۸ھ
(۴۲) لطائفِ شاد :	—	۱۳۰۲ھ
(۴۳) چنچل نار :	اسٹیٹ مہاراجہ کشن پرشاد	—
(۴۴) بزم خیال : حصہ اول	,,	۱۳۲۷ھ
(۴۵) بزمِ خیال : حصہ دوم	,,	,,
(۴۶) بزمِ خیال : حصہ سوم	,,	,,
(۴۷) مطلع خورشید :	,,	—
(۴۸) ترانۂ شاد :	—	۱۳۲۵ھ
(۴۹) رباعیاتِ شاد (قطعاتِ تاریخی) :		۱۳۳۳ھ
(۵۰) شگوفۂ بہار :	—	۱۳۲۷ھ
(۵۱) خم کدۂ شاد :	—	۱۳۲۵ھ
(۵۲) جذبۂ قومی :	—	۱۳۲۱ھ
(۵۳) نسیمِ سحر (در صنعتِ توشیح) : —		۱۳۱۶ھ
(۵۴) نذر سلطان :	اختر پریس دکن	۱۳۱۶ھ

(۵۵) نذر شاد :	—	۱۳۱۶ھ
(۵۶) صبحِ امید :	—	۱۳۱۷ھ
(۵۷) جمالِ یار :	—	۱۳۴۱ھ
(۵۸) ارمغانِ زیبائے نذر سلطان :	—	۱۳۱۲ھ
(۵۹) بزمِ عشق :	—	۱۳۰۹ھ
(۶۰) سرمایۂ سعادت :	—	—
(۶۱) نظم دوشینہ :	—	۱۳۳۸ھ
(۶۲) رباعیاتِ شاد : (حصہ اول)		—
(۶۳) رباعیاتِ شاد : (حصہ دوم)		۱۳۴۲ھ
(۶۴) رباعیاتِ شاد : (حصہ سوم)		—
(۶۵) باغِ شاد :	محبوب القلوب پریس	۱۳۰۹ھ
(۶۶) کلامِ شاد :	—	—
(۶۷) مثنوی مناجات :	—	—
(۶۸) گیان درپن :	—	—
(۶۹) مثنوی خمار شاد :	—	۱۳۴۱ھ
(۷۰) عرضِ حال :	—	۱۳۴۰ھ
(۷۱) وظائف الشاد :	—	۱۳۴۱ھ
(۷۲) رباعیاتِ شاد :	نامی پریس کانپور	۱۹۱۵ع
(۷۳) محبوب الکلام : جلد ششم		۱۳۲۲ھ
(۷۴) محبوب الکلام : جلد ہفتم		۱۳۲۳ھ

کتابوں کی یہ فہرست ''مملکتِ حیدر آباد'' سے لی گئی ہے جو ایک علمی ، ادبی اور ثقافتی تذکرہ ہے ۔ یہ بہادر یار جنگ اکادمی کراچی نے ۱۹۶۷ع میں شائع کیا تھا ۔

ان کتابوں کے علاوہ رسالہ 'تزکِ عثمانیہ' بھی مہاراجہ کی سرپرستی میں جاری تھا جو علامہ اقبال کے کلام سے زینت پاتا تھا ۔

مہاراجہ کشن پرشاد کی سرپرستی میں دو ادبی رسالے اور بھی شائع ہوتے تھے ۔ ایک ''دبدبۂ آصفی'' تھا اور دوسرا ''محبوب الکلام'' دبدبۂ آصفی ۱۸۹۵ع میں نظام الملک آصف جاہ میر محبوب علی خاں کی تقریبِ سالگرہ کی یادگار کے طور پر اور ''محبوب الکلام'' ۱۸۹۸ع میں جاری ہوا ۔ ابتدائی زمانے میں ہیرا لال دونوں رسالوں سے منسلک رہے ۔ ''محبوب الکلام'' میں چندا پرشاد کی معاونت شامل تھی ۔ فصاحت جنگ جلیل مانک پوری جب حضرت امیر مینائی کے ہمراہ حیدر آباد آئے اور مہاراجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ''دبدبۂ آصفی'' اور ''محبوب الکلام'' کی ترتیب کا کام انھیں سونپ دیا گیا ۔ جب ان کی باریابی حضرت میر محبوب علی خاں کے دربار میں ہوگئی اور استادِ شاہ کا مقام انھیں حاصل ہوگیا ، تو انھوں نے ان فرائض سے سبک دوشی اختیار کر لی ۔

''فسانۂ آزاد'' کے مصنف پنڈت رتن ناتھ سرشار جب تلاشِ روزگار کے سلسلے میں اپنے ہم عصروں کی طرح حیدر آباد دکن پہنچے تو ہاتھوں ہاتھ لیے گئے ۔ قدردانوں نے ہمت افزائی کی اور مہاراجہ کشن پرشاد کی امداد و اعانت سے وہ صحیفہ نگار بن گئے ۔ ٦ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ سے یہ ناول نگار ''دبدبۂ آصفی'' کے مدیر کی حیثیت سے حیدر آباد کے علمی ادبی حلقوں کی جان بن گئے اور سرشار کی وابستگی سے اس رسالے کی اہمیت بھی بڑھ گئی ۔

دبدبۂ آصفی کی جلد اول شمارہ ۲ (۱) کے سرورق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے میں نظم و نثر کے اخلاق ، علمی ، سماجی

مضامین شائع ہوا کریں گے اور اس کے بانی عالی جناب راجۂ راجایان مہاراجہ کشن پرشاد شاد ہوں گے ۔ چنانچہ دبدبۂ آصفی کو اسی نہج پر چلانے کی کوشش کی جاتی تھی ۔ سیاست سے بحث نہیں ہوتی تھی، مذہبی جھگڑوں سے دامن بچایا جاتا تھا، تمام مضامین میں متانت اور سنجیدگی سے کام لیا جاتا تھا ۔ ہاں ظریفانہ خیالات پر مشتمل مضامین شائع کیے جاتے تھے، کیونکہ بقولِ سرشار ''ہم کوئی محرم کی پیدائش نہیں'' ۔ لیکن ظرافت و مزاح میں کوئی مضمون نگار دائرۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں نکالتا تھا ۔

جہاں تک سرشار کی پرورش کا معاملہ تھا، مہاراجہ کشن پرشاد نے ''بطیبِ خاطر'' دبدبۂ آصفی کا منافع سرشار کے نام محفوظ کر دیا تھا ۔

اس رسالے کا ادبی معیار بہت بلند تھا ۔ مختلف موضوعات پر قدیم انداز ہی میں بحث ہوا کرتی تھی ۔ شعر و شاعری کے زیرِ عنوان تصحیح شعر اور زبان و بیان کی غلطیوں کا جائزہ بھی لیا جاتا تھا ۔ طویل مضامین سے حتی الوسع اجتناب کیا جاتا تھا ۔ مختلف موضوعات پر شائع ہونے والے بہترین مضمون پر ایک اشرفی انعام میں دی جاتی تھی ۔ چنانچہ حکیم برہم کے مضمون ''اردو ہندوستان کی عام زبان ہے'' پر ایک اشرفی انعام میں دی گئی ۔

مہاراجہ کشن پرشاد کے تصنیف کردہ ناول ''چنچل نار'' اور ''بحرِ مواج'' پہلی بار اسی ماہ نامے کے صفحات پر شائع ہوئے ۔ اس کے علاوہ خود سرشار کے بیشتر مضامین اور ناول ''شیطان کی آنت'' اس ماہ نامے کی زینت بڑھاتے رہے ۔ علامہ اقبال بھی کبھی کبھی اس میں لکھتے تھے ۔

۱۹۰۲ع میں پنڈت رتن ناتھ سرشار کثرتِ شراب نوشی کی وجہ سے تقریباً دو ماہ علیل رہنے کے بعد انتقال کر گئے ۔ اس کے ساتھ ہی ''دبدبۂ آصفی'' کی اشاعت میں بھی تعطل رونما ہوگیا اور پھر ۱۹۱۶ع میں اس کا دوسرا دور شروع ہوا ۔

''محبوب الکلام'' میں ، جو ۱۳۱۶ھ میں فصاحت جنگ جلیل کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا تھا ، حضور نظام، مہاراجہ کشن پرشاد اور دیگر شعرا کا کلام شائع ہوتا تھا ۔

۱۹۲۳ع میں جب خواجہ حسن نظامی دہلوی حیدر آباد گئے تو مہاراجہ نے ''پیامِ مشرق'' کے چند قطعات کے تتبع میں چند قطعات خود لکھ کر مسودے کی صورت میں خواجہ صاحب کی خدمت میں پیش کیے ۔ پیشکش کی عبارت میں کمال انکسار سے لکھا کہ :

''میرے مہربان ڈاکٹر سر محمد اقبال لاہوری نے اپنا سرمایۂ منظوم ، جو ''پیامِ مشرق'' کے نام سے موسوم کیا ہے ، درحقیقت مشرقیوں کا دوستِ رفیق اور مغربیوں کا ہمدمِ شفیق ہے ۔ یہ پیامِ مشرق چند اقسام کے پھولوں کا زیبا گلدستہ ہے جس میں ایک حصہ قطعات کا ہے ۔ یہ قطعات درحقیقت روحانی اور مادی اثرات کا جامع نسخہ ہے جو مریضانِ روحی اور مادی کے لیے زیادہ مفید اور مفرحِ قلوب ہے ۔ اس فقیر نے صرف استفادے کی غرض سے طبع آزمائی کی ہے ۔ اس سے جواب دینا یا نعوذ باللہ مقابلہ کرنا مقصود نہیں تھا اور نہ ہے ۔ یہ فقیر اپنے علمی مواد و سواد کو خوب جانتا ہے اور سر اقبال کے علم و فضل اور قابلیتِ خداداد سے بخوبی واقف ہے ۔ اربابِ نظر کو

فقیر کے کلام سے سر اقبال کے کلام کا موازنہ کرنے کی تکلیف نہ اٹھانی چاہیے ۔

ان دنوں مولائی حضرت خواجہ حسن نظامی چشتی ، دکن میں تشریف فرما ہوئے تھے ۔ یہ فقیر حسبِ عادتِ قدیم نظم یا نثر کبھی کبھی پیش کیا کرتا تھا ۔ اس کے چند قطعات بھی حضرت کے ملاحظے میں پیش کیے ۔ بعدِ معائنہ حضرتِ ممدوح نے فرمایا کہ یہ فقیر ان قطعات کو ختم کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کرے ۔ ارشاد کی تعمیل مجھ پر واجب تھی ، لہذا یہ فقیر ان چند قطعات کو خدمت میں پیش کرتا ہے ۔ فقیر کا کلام فقیر ہی کے نام سے معنون ہونا دنیا سازی کی نمائش سے بری کر سکتا ہے ۔

مجھے امید ہے کہ اس فقیر کے محب سر اقبال کے دلِ صفا منزل میں فقیر کی اس طبع آزمائی سے کوئی شبہ سوائے تتبع کے نہ گزرے گا کہ سلف سے اربابِ مذاق کا یہی مشرب چلا آتا ہے ۔ بمصداق ''الانسان مرکب من الخطاء و النسیان'' اگر کوئی غلطی دیکھیں تو اصلاح کی نظر سے دریغ نہ فرمائیں ۔

فقیر حقیر شاد

ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ ، جولائی ۱۹۲۳ء"

خواجہ صاحب نے یہ کتابچہ ، جس میں دونوں شہرۂ آفاق اہلِ علم کا ملا جلا فارسی کلام درج ہے ، 'پریم سنگم' یعنی 'محبت کا ملاپ' کے نام سے نومبر ۱۹۵۱ء میں شائع کیا ۔ نمونے کے طور پر

دو چار قطعات ملاحظہ فرمائیے:

اقبال

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم
جہان او آفرید ایں خوبتر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم

شاد

نفہمیدی کہ چہ راز است آدم
ز سرِ نغمہ اش ساز است آدم
نیازِ او قبول افتد اگر شاد
بدرگاھش سرافراز است آدم

اقبال

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے
تنے محکم تر از سنگیں حصارے
درونِ او دلِ درد آشنائے
چو جوئے در کنارِ کوھسارے

شاد

مخور رنجِ جہانِ نابکارے
مدہ دل با چنیں بے درد یارے
بجو تسکینِ دل از عارفاں شاد
بجانِ بے قرار آید قرارے

اقبال

بہ یزداں روزِ محشر برہمن گفت
فروغِ زندگی تابِ شرر بود
و لیکن گر نہ رنجی با تو گویم
صنم از آدمی پاینده تر بود

شاد

بتے با برہمن ایں گفتگو کرد
کہ از سنگے کہ ہستم بے اثر بود
پرستش چوں بسوزِ دل نمودی
فروزاں از تو شد پنہاں شرر بود

اقبال

ترا یک نکتۂ سربستہ گویم
اگر درسِ حیات از من بگیری
بمیری گر بہ تن جانے نہ داری
و گر جانے بہ تن داری نمیری

شاد

ز من بشنو اگر تو عارفی شاد
بگویم نیک پندے یاد گیری
دگر شغلے بجز عشقش مفرما
شوی باقی چو پیش از مرگ میری

اقبال

میارا بزم بر ساحل کہ آں جا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز
حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

شاد

بیا ساقی نثارم بر قدومت
بدہ جامِ مئے کز پرتگیز است
حباب و موجِ آب و ورطۂ بحر
نمی بینی ز کثرت در ستیز است

یوں تو اقبال اور مہاراجہ ایک دوسرے کے نام سے اس صدی کے پہلے عشرے ہی میں واقف ہو چکے تھے، چنانچہ ''دکن ریویو'' بابت ستمبر ۱۹۰۵ع میں جب اقبال کی وہ غزل شائع ہوئی جو اقبال نے ولایت جاتے ہوئے بحیرۂ روم کے دلچسپ نظارے سے متاثر ہو کر کہی تھی :

مثالِ پرتوِ مے طوفِ جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

تو اس میں یہ شعر بھی ہمیں ملتا ہے :

نہ قدر ہو مرے اشعار کی گراں کیونکر
پسند ان کو وزیرِ نظام کرتے ہیں

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کو اس وقت اپنے کلام کی نسبت

مہاراجہ کی رائے کا علم ہو چکا تھا ۔ شاید مراسلت بھی جاری ہو ، جو بدقسمتی سے ہم تک نہیں پہنچ سکی ۔ ''بانگِ درا'' کے صفحہ ۱۴۸ - ۱۴۹ پر اس غزل کے دس منتخب شعر موجود ہیں ۔ چھ شعر اور بھی تھے جو کسی وجہ سے انتخاب میں شامل نہ ہو سکے اور وہ حسبِ ذیل ہیں :

عجب تماشا ہے مجھ کافرِ محبت کا
صنم بھی سن کے جسے رام رام کرتے ہیں
ہوا جہاں میں ہے پیکار آفریں کیسی
کہاں عدم کے مسافر مقام کرتے ہیں
رہینِ لذتِ ہستی نہ ہو کہ مثلِ شرر
یہ راہ ایک نفس میں تمام کرتے ہیں
نظارہ لالے کا تڑپا گیا مرے جی کو
بہار میں اسے آتش بجام کرتے ہیں
جہاں کو ہوتی ہے عبرت ہماری ہستی سے
نظام دہر میں ہم کچھ تو کام کرتے ہیں
نہ قدر ہو مرے اشعار کی گراں کیونکر
پسند ان کو وزیرِ نظام کرتے ہیں

وزیرِ نظام سے مراد مہاراجہ سرکشن پرشاد ہیں لیکن اس وقت تک تعارف غائبانہ ہی تھا ۔ مارچ ۱۹۱۰ء میں جب اقبال پہلی مرتبہ حیدر آباد گئے اور مہاراجہ سے ملے تو ان کی مہمان نوازی اور اخلاقِ حمیدہ نے اقبال کا دل ہمیشہ کے لیے موہ لیا اور دونوں ایک دوسرے کے نام کی مالا جپنے لگے ۔

اس ملاقات سے بہت پہلے ہی اقبال کی شہرت حیدر آباد میں

پہنچ چکی تھی اور شہر کے ادبی حلقوں اور انجمنوں میں ان کا اس قدر چرچا تھا کہ ''اقبال کلب'' کے نام سے ایک ادارہ بھی قائم ہو چکا تھا ، جس کے مختلف پروگراموں میں سر مہاراجہ کشن پرشاد بھی شریک ہوا کرتے تھے ۔ یہ بات دکن میں اقبال کی مقبولیت ہی کو ظاہر نہیں کرتی بلکہ سرکاری اور علمی حلقوں میں ان کی قدر دانی کی بھی مظہر ہے ۔ اس کلب کے سیکریٹری جناب افضل علی تھے اور اس کے بانیوں میں مولوی محمد عزیز مرزا صاحب اور مولوی فیاض علی جیسی مقتدر شخصیتیں بھی شامل تھیں ۔ مثل نمبر ۲۳ صیغہ پرائیویٹ سیکریٹری ۱۳۲۵ھ متعلقہ دفتر راجہ سرکشن پرشاد بہادر پیشکار مدارالمہام سرکارِ عالی سے اس کلب کے سلسلے میں کچھ معلومات ملتی ہیں ۔ نیز ۱۹۰۷ع کے سالانہ جلسے میں شرکت کی دعوت ملنے پر مہاراجہ بہادر کا نظام دکن سے اجازت طلب کرنا اور نظام کا حسب ذیل فرمان جاری کرنا بھی پایا جاتا ہے :

''آپ کی عرض داشت معروضہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ ملاحظہ کی گئی ۔ میری سالگرہ کی تقریب میں اقبال کلب کا سالانہ جلسہ ، جو فیاض علی صاحب کے مکان میں ہونے والا ہے ، اس میں آپ شریک ہو سکتے ہیں ۔''

(میر محبوب علی خاں بہادر پرانی حویلی ۱۵ شعبان المعظم ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۸ع) ۔[1]

اس وقت مہاراجہ کا آفتابِ اقبال انتہائی عروج پر تھا ۔ یہ میر محبوب علی خاں کا آخری زمانہ تھا اور مہاراجہ نہ صرف ان کے مدارالمہام تھے بلکہ ان کی شاہانہ نوازشوں اور قدر افزائیوں سے بھی

---

۱ ۔ اقبال ریویو ، حیدر آباد (دکن) ، اپریل ، جون ۱۹۸۴ع ، ص ۶ ۔

پوری طرح بہرہ یاب تھے - ۱۹۱۰ع میں مہاراجہ نے اقبال کے اعزاز میں نہایت شان‌دار دعوت کا اہتمام کیا اور مجلسِ شعر و سخن بھی منعقد کی ، جہاں اقبال کی ملاقات اس دور کے مشہور باکمال شعرا سے ہوئی - ان میں ظہیر دہلوی ، جلیل مانکپوری ، گرامی اور نظم طباطبائی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں -

اس سفر کی یادگار دو طویل نظمیں ہیں - یہ جون ۱۹۱۰ع کے 'مخزن' میں شیخ عبدالقادر کے تعارف اور اقبال کے تمہیدی کلمات کے ساتھ شائع ہوئیں - پہلی نظم ۳۹ اشعار کی ہے اور اس کا عنوان 'شکریہ' ہے - یہ دراصل علامہ نظم طباطبائی کی ایک نظم :

پردۂ ظلمت سے نکلا روئے سلمائے سحر
ناقۂ گردوں کی کھینچی لیلئ شب نے مہار

انھی کی زبانی سن کر انھی کی زمین میں کہی گئی تھی - اس کے صرف ابتدائی نو شعر ''نمودِ صبح'' کے زیرِ عنوان 'بانگِ درا' میں دیے گئے ہیں ، باقی چھوڑ دیے گئے ہیں - یہ پوری نظم اقبال کی نثری تمہید کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے تاکہ حیدر آباد کے ماحول اور مہاراجہ اور نظام کے بارے میں اقبال کے جذبات و تاثرات کی کیفیت معلوم ہو سکے - اقبال کے الفاظ میں اس نظم کی شانِ نزول یہ ہے :

''گزشتہ مارچ میں مجھے حیدر آباد دکن جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں آستانۂ وزارت پر حاضر ہونے اور عالی جناب ہزاکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد بہادر جی - سی - آئی - ای یمین السلطنت پیشکار وزیر اعظم دولت آصفیہ المتخلص بہ شاد کی خدمتِ بابرکت میں باریاب ہونے کا فخر بھی

حاصل ہوا۔ ہزاکسلنسی کی نوازشِ کریمانہ اور وسعتِ اخلاق نے جو نقش میرے دل پر چھوڑا، وہ میرے لوحِ دل سے کبھی نہیں مٹے گا۔ مزید الطاف یہ کہ جنابِ ممدوح نے میری روانگی حیدر آباد سے پہلے ایک نہایت تلطف آمیز خط لکھا اور اپنے کلامِ شیریں سے بھی شیریں کام فرمایا۔ ذیل کے اشعار اسی عنایت بے غایت کے شکریے میں دل سے زبان پر بے اختیار آ گئے۔ انھیں زبانِ قلم کی وساطت سے جناب مہاراجہ صاحب بہادر کی خدمت میں پہنچانے کی جرأت کرتا ہوں:

ہو رہی ہے زیرِ دامانِ افق سے آشکار
صبح، یعنی دخترِ دوشیزۂ لیل و نہار
پا چکا فرصت ورودِ فصلِ انجم سے سپہر
کشتِ خاور میں ہوا ہے آفتاب آئینہ کار
آسماں نے آمدِ خورشید کی پا کر خبر
محملِ پروازِ شب باندھا سرِ دوشِ غبار
شعلۂ خورشید گویا حاصل اس کھیتی کا ہے
بوئے تھے دہقانِ گردوں نے جو تاروں کے شرار
ہے رواں نجمِ سحر جیسے عبادت خانے سے
سب سے پیچھے جائے کوئی عابدِ شب زندہ دار
کیا سماں ہے، جس طرح آہستہ آہستہ کوئی
کھینچتا ہو میان کی ظلمت سے تیغِ آبدار
مطلعِ خورشید میں مضمر ہے یوں مضمونِ صبح
جیسے خلوت گاہِ مینا میں شرابِ خوشگوار

ہے تہِ دامانِ بادِ اختلاط انگیز صبح
شورشِ ناقوس آوازِ اذاں سے ہم کنار
جاگے کوئل کی اذاں سے طائرانِ نغمہ سنج
ہے ترنم ریز قانونِ سحر کا تار تار
گرچہ قدرت نے مجھے افسردہ دل پیدا کیا
آنکھ وہ بخشی کہ ہے نظارہ آشامِ بہار
کھینچ کر سوئے گلستاں لے گیا ذوقِ نظر
عاشقِ فطرت کو ہے صحنِ گلستاں کوئے یار
گل نے بلبل سے کہا لے ہم صفیر آیا ترا
کہتی تھی بلبل کہ اے مقصودِ چشمِ انتظار
اتنے دن غائب رہا تو گلشنِ پنجاب سے
کر لیا تھا کیا کسی صیاد نے تجھ کو شکار ؟
کس سے کہتے راز اپنا لالہ ہائے شعلہ پوش
کس پہ کرتے دردِ دل اپنا عنادل آشکار
پوچھتی تھی روز مجھ سے نرگسِ شبنم فریب
ہو گیا غائب کہاں اپنے چمن کا رازدار
پھول فرقت میں تری سوزن بہ پیراہن رہے
دیدۂ قمری میں تھا صحنِ گلستان خار زار
غنچۂ نوخیز کو یہ کہہ کے بہلاتی تھی میں
ہے یہیں پوشیدہ وہ وارفتۂ فصلِ بہار
کچھ تو کہہ ہم سے بھی اس وارفتگی کا ماجرا
لے گیا تجھ کو کہاں تیرا دلِ بے اختیار
کس تجلی گاہ نے کھینچا ترا دامانِ دل
تیری مشتِ خاک نے کس دیس میں پایا قرار

کیا کہوں اس بوستانِ غیرتِ فردوس کی
جس کے پھولوں میں ہوا اے ہمنوا میرا گزار
جس کے ذرے مہرِ عالم تاب کو سامانِ نور
جس کی طور افروزیوں پر دیدۂ موسیٰ نثار
جس کے بلبل عندلیبِ عقلِ کل کے ہم صفیر
جس کے غنچوں کے لیے رخسارِ حور آئینہ دار
خطۂ جنت فضا جس کی ہے دامنگیرِ دل
عظمتِ دیرینۂ ہندوستاں کی یادگار
جس نے اسمِ اعظمِ محبوب کی تاثیر سے
وسعتِ عالم میں پایا صورتِ گردوں وقار
نور کے ذروں سے قدرت نے بنائی یہ زمیں
آئنہ ٹپکے دکن کی خاک اگر پائے فشار
آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گزر
بڑھ گیا جس سے مرا ملکِ سخن میں اعتبار
اس قدر حق نے بنایا اس کو عالی مرتبت
آسماں اس آستانے کی ہے اک موجِ غبار
کی وزیرِ شاہ نے وہ عزت افزائی مری
چرخ کے انجم مری رفعت پہ ہوتے تھے نثار
مسند آرائے وزارت ، راجۂ کیواں حشم
روشن اس کی رائے روشن سے نگاہِ روزگار
اس کی تقریروں سے رنگیں گلستانِ شاعری
اس کی تحریروں پہ نظمِ مملکت کا انحصار
لیلیٰ معنی کا محمل اس کی نثرِ دل پذیر
نظم اس کی شاہدِ رازِ ازل کی پردہ دار

اس کے فیضِ پا کی منت خواہ کانِ لعل خیز
بحرِ گوہر آفریں دستِ کرم سے شرمسار
سلسلہ اس کی مروت کا یونہی لا انتہا
جس طرح ساحل سے عاری بحرِ ناپیدا کنار
دلربا اس کا تکلم ، خلق اس کا عطر گل
غنچۂ دل کے لیے موجِ نفس بادِ بہار
ہو خطا کاری کا ڈر ایسے مدبّر کو کہاں
جس کی ہر تدبیر کی تقدیر ہو آئینہ دار
ہے یہاں شانِ امارت پردہ دارِ شانِ فقر
خرقہ درویشی کا ہے زیرِ قبائے زرنگار
خاکساری جوہرِ آئینۂ عظمت بنی
دست وقفِ کارفرمائی و دل مصروفِ یار
نقش وہ اس کی عنایت نے مرے دل پر کیا
محو کر سکتا نہیں جس کو مرورِ روزگار
شکریہ احساں کا اے اقبال لازم تھا مجھے
مدح پیرائی امیروں کی نہیں میرا شعار

دوسری نظم ''گورستانِ شاہی'' ہے جو معمولی سی کتربیونت کے بعد بانگِ درا میں آئی ہے۔ بقول شیخ عبدالقادر :

''یہ ایسی لاجواب نظم ہے جو فی الحقیقت اقبال کے دیرینہ سکوت کی تلافی کرتی ہے۔ اس کا ایک ایک مصرع ایسا درد بھرا اور معنی خیز ہے کہ دل سے واہ نکلتی ہے۔ اس نظم کے میسر آنے کے لیے ہم اپنے قدیم عنایت فرما مسٹر حیدری کے ممنون ہیں ، جن کے صحیح مذاقِ علمی نے

شیخ محمد اقبال صاحب کو حیدر آباد میں وہ چیزیں دکھائیں جو ایک خلقی شاعر کے دل پر قدرتی طور پر اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھیں ۔ سلاطینِ قطب شاہیہ کے مزار، ان کے قریب گولکنڈہ کا تاریخی حصار، شبِ ماہ مگر ایسی شب جس میں بادلوں کے چاند کے سامنے آنے جانے سے نور و ظلمت میں لڑائی ٹھن رہی تھی ۔ سچے شاعرانہ جذبات کے نشو و نما کے لیے اس سے بہتر زمین اور اس سے بہتر آسمان کیا ہو گا ۔ ان جذبات کا عکس جس خوبی اور صفائی سے جنابِ اقبال نے اتارا ہے، انھی کا حصہ ہے ۔''

خود اقبال نے اس نظم کا تعارف یوں کرایا تھا :

''حیدر آباد دکن میں مختصر قیام کے دنوں میں میرے عنایت فرما جناب مسٹر نذر علی حیدری صاحب بی ۔ اے ۔ معتمد محکمۂ فینانس، جن کی قابلِ قدر خدمات اور وسیع تجربے سے دولتِ آصفیہ مستفید ہو رہی ہے، مجھے ایک شب ان شاندار مگر حسرت ناک گنبدوں کی زیارت کے لیے لے گئے جن میں سلاطینِ قطب شاہیہ سو رہے ہیں ۔ رات کی خاموشی، ابر آلود آسمان اور بادلوں میں سے چھن کے آتی ہوئی چاندنی نے اس پرحسرت منظر کے ساتھ مل کر میرے دل پر ایسا اثر کیا جو کبھی فراموش نہ ہو گا ۔ ذیل کی نظم انھی بے شمار تاثرات کا ایک اظہار ہے ۔ اس کو میں اپنے سفرِ حیدر آباد کی یادگار میں مسٹر حیدری اور ان کی لئیق بیگم صاحبہ مسز حیدری کے نامِ نامی سے منسوب کرتا ہوں جنھوں نے میری مہمان نوازی اور

میرے قیامِ حیدر آباد کو دلچسپ ترین بنانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ۔"

مہاراجہ کشن پرشاد اور اقبال کی دوستی کو مزید تقویت ۱۹۱۳ء میں پہنچی جب مہاراجہ نے اجمیر اور پنجاب کا سفر کیا اور ۱۷ جولائی کو گیارہ دن کی سیر و سیاحت کے بعد رات کے ساڑھے نو بجے لاہور پہنچے ۔ اس ملاقات نے رشتۂ مودت کو اتنا مضبوط کر دیا کہ پھر زمانے کی کوئی گردش اسے گزند نہ پہنچا سکی ۔ مہاراجہ نے اپنی آمد کی اطلاع اقبال کو پہلے دے رکھی تھی اور وہ استقبال کے لیے رات کے وقت اسٹیشن پر موجود تھے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت مہاراجہ کے یہی ایک جاننے والے لاہور میں تھے ۔ اور ہوتے تو مہاراجہ اپنی عادت کے مطابق اپنے سفر نامے میں ان کا بھی تذکرہ کرتے ۔ مگر مہاراجہ نے استقبال کرنے والوں میں صرف اقبال کا ذکر کیا ہے ۔ اور جہاں جہاں بھی اقبال کا نام آیا ہے ، ساتھ "دوست" کا لفظ لکھا ہے ۔ دوسرے کسی نام کے ساتھ دوست کا لفظ نہیں لکھا ۔ پہلے دن کے روزنامچے کی عبارت یہ ہے :

"اسٹیشن پر میرے 'بے ریا دوست' ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا موجود تھے ۔ ان سے ملا اور اپنے ڈبوں کو علیحدہ کرا کر ایک طرف قیام کیا ۔"

(سیرِ پنجاب ، ص ۸۸)

دوسرے روز کے روزنامچے میں جہاں مولوی عبدالعزیز منیجر 'پیسہ اخبار' اور سید جالب دہلوی جائنٹ ایڈیٹر 'پیسہ اخبار' کی ملاقات کا ذکر ہے ، وہاں 'دوست' کا لفظ استعمال نہیں کیا ، حالانکہ آگے چل کر پھر لکھتے ہیں :

''پانچ بجے شام کے میرے ''دوست'' ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا آئے۔ بہت دیر تک لطفِ صحبت رہا۔ بڑے مزے کے آدمی ہیں، خدا زندہ رکھے۔ برخوردار عثمان پرشاد طال اللہ عمرہ کا مزاج اچھا نہیں ہے، اس لیے حسبِ مشورہ ڈاکٹر محمد اقبال، ڈاکٹر محمد حسین کو جو لاہور کے نامی ڈاکٹر ہیں، طلب کرکے دکھایا۔ . . نو بجے پھر ڈاکٹر محمد اقبال آئے اور ان کے اصرار پر مع دو مصاحبوں کے آغا حشر کاشمیری کے تھیٹر میں گیا۔''

(سیرِ پنجاب، ص ۹۱)

اسی طرح غالباً ہر روز ایک دو مرتبہ علامہ اور مہاراجہ کی ملاقات ہوتی رہی۔ لیکن ۲۲ جولائی کے روزنامچے میں لاہور کے معززین کا ذکر اس طرح آیا ہے:

''بعض اکابر و معززینِ برادری نے میرے لاہور میں (جو میرا جدی وطن ہے) آنے کی خوشی میں ایک جلسہ تھیئٹر ہال میں منعقد کیا اور میں سات بجے شام کے رائے بہادر رام سرنداس و لالہ کرم چند مجسٹریٹ و ڈاکٹر محمد اقبال اور نیز دیگر معزز حضرات کی معیت میں اس جلسے میں گیا۔''

۲۳ جولائی کو ساڑھے تین بجے انجمن حمایت اسلام کا ایک وفد مہاراجہ سے ملا جس میں غالباً اقبال بھی تھے۔ اس وفد کو انجمن کے یتیم خانے کے لیے مہاراجہ نے ایک ہزار روپیہ عطا کیا۔

۲۴ جولائی کی شام کو ہری کشن تھیئٹر ہال میں مہاراجہ کے استقبال کے لیے دوسرا عظیم الشان جلسہ آنریبل رائے بہادر رام سرنداس

کی طرف سے منعقد کیا گیا ۔ اس کی صدارت سر پرتول چندر چیٹرجی نے کی اور بحیثیت صدر اپنی افتتاحی تقریر میں باشندگانِ لاہور کی طرف سے مہاراجہ کا خیر مقدم کیا ۔ سفرنامے میں لکھا ہے :

''ان کے بعد آنریبل رائے بہادر رام سرنداس اور ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا و مسٹر اکبر عمر بیرسٹر ایٹ لا اور آغا حشر کاشمیری و جالب صاحب جائنٹ ایڈیٹر 'پیسہ اخبار' نے نہایت جوش اور سنجیدگی کے ساتھ معنی خیز تقریریں کیں اور ہر ایک نے اپنے حسنِ ظن سے میرے خاندانی اعزاز و خدمات و خطابات پر روشنی ڈالی ۔'' (سیرِ پنجاب ، ص ۱۰۶)

اس زمانے کے اخباروں میں اس جلسے کی تفصیلات تلاش کرنے کی بہت کوشش کی گئی مگر کامیابی نہیں ہوئی ۔ اول تو اس زمانے کے اخبارات کے فائل ہی موجود نہیں ، پھر پریس رپورٹنگ اور نامہ نگاری کا انتظام اتنا ترقی یافتہ نہ تھا جتنا آج کل ہے ۔ ایسے میں تفصیلی حالات کہاں میسر آ سکتے ہیں ؟ اس کی توقع ہی عبث ہے ۔ یہ بھی غنیمت سمجھیے کہ لاہور کے ایک ہفتہ وار اخبار 'کشمیری' کے کچھ فائل موجود ہیں ، جو راقم الحروف کی تحریک پر اب اقبال اکادمی کراچی (حال لاہور) نے اپنے کتب خانے میں محفوظ کر لیے ہیں ۔ اس اخبار کے مدیر منشی محمد الدین فوق مرحوم اقبال کے نہایت ہی عزیز دوست اور مدّاح تھے ۔ وہ اقبال کے متعلق بالالتزام ہر چھوٹی سے چھوٹی خبر بھی اپنے اخبار میں درج کر کے محفوظ کر دیتے تھے ۔ چنانچہ ۲۸ جولائی ۱۹۱۳ء کے پرچے میں وہ ''ڈاکٹر اقبال اور ہندو مسلمانوں کا اتحاد'' کے عنوان سے لکھتے ہیں :

مہاراجہ سر کشن پرشاد یمین السلطنت حیدر آباد دکن ، جن کی غیر متعصبانہ اور صوفیانہ پالیسی (آریا سماجی حضرات کے سوا) مسلمانوں اور ہندوؤں میں یکساں طور پر ہردلعزیز ہے ، پنجاب کی سیر کے بعد اب دہلی گئے ہیں ۔ ۲۳ جولائی کی شام لاہور میں آپ کے آنر (اعزاز) میں ہندو مسلمانوں کا ایک مشترکہ جلسہ ہوا جس میں تین ہزار حاضرین موجود تھے ۔ مقررین میں پنڈت دین دیال شرما ، آغا حشر کاشمیری ، میر جالب آف 'پیسہ اخبار' اور ڈاکٹر اقبال کا نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے ۔

ڈاکٹر صاحب (اقبال) نے مہاراجہ بہادر (جو راجہ ٹوڈر مل کی اولاد سے ہیں) کے خاندانی اور ذاتی قابلِ تقلید حالات بیان کرنے کے بعد ہندو مسلمانوں کے اتحاد پر اپنے مندرجہ ذیل خیالات ظاہر فرمائے :

'صاحبان ! پنجاب کے ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے سلسلے میں آج کا جلسہ یادگار رہے گا ۔ اختلافات کا ناگوار مسئلہ اہلِ پنجاب کے اطمینان اور سکون کا دشمن ہو رہا ہے ۔ اور اگر غور کر کے دیکھا جائے تو اختلافات کی چنداں وجہ بھی کوئی نظر نہیں آتی ۔ ہندوؤں کے مذہب ، تاریخ ، لٹریچر اور فلسفے سے بخوبی روشن اور ظاہر ہے کہ وہ غیر مذہب کے پیشواؤں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے کی زبردست تائید فرماتے ہیں ۔ اور اسی طرح مسلمانوں کے سرمایۂ حیات قرآن مجید میں بھی یہی ہدایت پائی جاتی ہے ، تو اختلاف کے کیا معنی ہیں ؟ اگر دونوں قومیں ایک

دوسرے کی روایات سے آگاہ ہیں تو کسی کو ایک دوسرے سے وجہِ شکایت نہیں ہو سکتی ۔ اور اگر مغربی تعلیم ، جس کو مادی تعلیم کہا جاتا ہے ، کی وجہ سے بے دینی شروع ہو گئی ہے اور اس کے باعث نہ کافر کفر میں پورا ہے نہ مسلمان مسلمانی میں ، تو اس حالت میں بھی کوئی وجہِ شکایت نہیں ہونی چاہیے ۔ یہ تو وہی بات ہوئی :

"بوٹ ڈاسن نے بنایا ، میں نے اک مضمون لکھا
میرا مضمون تو نہ پھیلا لیک جوتا چل گیا

اگر سیاسی اختلاف ہے تو میں کہوں گا کہ دونوں کی حالت قابلِ رحم ہے ۔ اب آہستہ آہستہ دونوں کو معلوم ہونے لگا ہے کہ اختلاف کی تہہ میں پولیٹیکل وجوہ بھی کوئی ہستی نہیں رکھتے ۔ جیسا جیسا ہندو مسلمان ملک کی حیثیت کو سمجھیں گے ، زیادہ سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب آتے جائیں گے ۔

اب کچھ عرصے سے پنجاب میں اتحاد کی خوشگوار تحریک کام کر رہی ہے اور یقیناً یہ تحریک بارآور ہوگی ۔ مہاراجہ صاحب کی تشریف آوری ایسے موقع پر واقع ہوئی ہے کہ جس سے ہم لوگوں کو اتحاد کے متعلق نیک نتائج مرتب کرنے چاہییں ۔

خدا کرے آریہ اخبارات پر مہاراجہ سر کشن پرشاد ، ڈاکٹر اقبال اور پنڈت دین دیال کی تقریریں کچھ اثر کر سکیں اور وہ باہمی اتحاد ہی میں اپنا اور ہندوستان کا

فائدہ سمجھ سکیں ۔''[1]

غرض اس جلسے میں علامہ اقبال کو اپنے اس علم پرور ، بے تعصب اور جلیل القدر مہمان دوست کی نسبت اپنے تاثرات کے اظہار کا دوسری بار موقع ملا ۔ ان تقریروں کے جواب میں مہاراجہ نے بھی ایک اہم اور طویل تقریر کی جس میں انھوں نے اپنے ہندو مذہب کا اعتراف کیا اور نعت لکھنے اور دیگر اسلامی امور میں دلچسپی لینے کی توجیہ بیان کی ۔ اس تقریر میں دو جگہ مہاراجہ نے اتفاق و اتحاد کا ذکر کیا اور اپنے بیان کو موثر اور زور دار بنانے کے لیے اقبال کے حسبِ ذیل اشعار بھی پڑھے :

نظارۂ کہکشاں نے مجھ کو عجیب نکتہ یہ کل سجھایا
ہزار گردش رہی فلک کو مگر یہ تارے بہم رہے ہیں
چمن میں اے ہم صفیر اگلی شکایتوں کی حکایتیں کیا
خزاں کا دورہ ہے گلستاں میں، نہ تو رہا ہے نہ ہم رہے ہیں

اس سے جہاں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مہاراجہ علامہ اقبال کے کلام سے بے حد متاثر تھے ، وہاں یہ بھی پتا چلتا ہے کہ انھیں علامہ اقبال کے اشعار زبانی یاد تھے اور وہ ان سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے ۔

لاہور سے واپس ہوتے وقت ڈاکٹر اقبال نے اپنے دوست ڈاکٹر محمد حسین شاہ کے اسسٹنٹ سید برہان صاحب کو مہاراجہ کے عملے میں منسلک کر دیا تاکہ راستے میں انھیں کوئی تکلیف نہ ہو ۔ چنانچہ پانی پت میں ٹھہرتے ہوئے (اور مولانا حالی کی زیارت سے

۱- اخبار کشمیری ، لاہور ، ۲۸ جولائی ۱۹۱۳ع ، جلد ۸ ، نمبر ۲۸ ، ص ۱۱ ۔

مشرف ہوتے ہوئے) مہاراجہ جب کانپور پہنچے تو دردِ شکم میں مبتلا ہو گئے۔ اس وقت انھی سید برہان صاحب کے علاج سے افاقہ ہوا۔[1]

اس دوسری ملاقات نے مہاراجہ کو اقبال کا اس قدر گرویدہ کر دیا کہ وہ اقبال کو اپنے قریب لانے اور فکرِ معاش سے بے نیاز کرنے کی سوچنے لگے۔ لاہور سے واپس حیدرآباد پہنچتے ہی انھوں نے نہایت اخلاص سے اس خواہش کا اظہار کیا اور اقبال کے شایانِ شان وظیفے کی پیش کش کی، جس کے جواب میں اقبال نے اپنی ذمہ داریوں اور احتیاجات کا تو بلا کم و کاست اعتراف کیا، لیکن نہایت خوبصورتی سے مہاراجہ کی پیش کش ٹال دی۔ اس سلسلے میں ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۳ع کو اقبال نے جو خط مہاراجہ کو لکھا وہ آن لوگوں کا منہ بند کر دینے کے لیے کافی ہے جو کہتے ہیں کہ 'خودی' کو بلند کرنے کی تلقین کرنے کے باوجود وہ ایک ہندو امیر کو خط میں لکھتے ہیں ''میری تقدیر آپ کے ہاتھ میں ہے'' اور اس سے کچھ فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ قصرِ امرا گرا دینے کی تبلیغ کرتے ہیں لیکن امرا کی مدح و ستائش ان کا خاص مشغلہ ہے۔ غرض اپنے خطوط میں اقبال وہ نہیں جو اشعار میں ہے''[2] حالاں کہ اقبال اپنے خطوں کے آئینے میں بھی اسی خیال کے نظر آتے ہیں کہ:

کون باندھے اپنی قسمت غیر کی تقدیر سے؟
میں تو کوسوں بھاگتا ہوں قیدِ بے زنجیر سے

۱۔ سیر پنجاب، ص ۱۴۳۔
۲۔ مکتوب محمد امین زبیری بنام سید انیس شاہ جیلانی۔ دیکھیے کتاب ''نوازش نامے'' مطبوعہ حیرت شملوی اکادمی، محمد آباد، ۱۹۶۵ع، ص ۶۰۔

چنانچہ وہ مہاراجہ کی پیش کش کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''جو عنایت آپ اقبال کے حال پر فرماتے ہیں، اس کا شکریہ کس زبان سے ادا ہو۔ دوست پروری اور غریب نوازی آپ کے گھرانے کا خاصہ ہے۔ کیوں نہ ہو جس درخت کی شاخ ہو، اس کے سائے سے ہندوستان بھر مستفیض ہو چکا ہے۔ الور کی ملازمت نہ کرنے کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ تنخواہ قلیل تھی۔ سات آٹھ سو روپیہ ماہوار تو لاہور میں بھی مل جاتے ہیں۔ اگرچہ میری ذاتی ضروریات کے لیے تو اس قدر رقم کافی بلکہ اس سے زیادہ ہے، تاہم چوں کہ میرے ذمے اوروں کی ضروریات کا پورا کرنا بھی ہے، اس واسطے ادھر اُدھر دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ گھر بھر کا خرچ میرے ذمے ہے۔ بڑے بھائی جان، جنھوں نے اپنی ملازمت کا اندوختہ میری تعلیم پر خرچ کر دیا، اب پنشن پا گئے۔ اُن کے اور اُن کی اولاد کے اخراجات بھی میرے ذمے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ خود تین بیویاں رکھتا ہوں اور دو اولادیں۔ تیسری بیوی آپ کے تشریف لے جانے کے کچھ عرصے بعد کی۔ ضرورت نہ تھی مگر یہ عشق و محبت کی ایک عجیب و غریب داستان ہے۔ اقبال نے گوارا نہ کیا کہ جس عورت نے حیرت ناک ثابت قدمی کے ساتھ تین سال تک اس کے لیے طرح طرح کے مصائب اٹھائے ہوں، اسے اپنی بیوی نہ بنائے۔ کاش! دوسری بیوی کرنے سے پیشتر یہ حال معلوم ہوتا۔ غرض کہ مختصر طور پر یہ حالات ہیں جو مجھے بسا اوقات مزید

دوڑ دھوپ کرنے پر مائل کر دیتے ہیں ۔ آپ کی خدمت میں رہنا میرے لیے باعثِ افتخار ہے ۔ آہ ! اس وقت ہندوستان میں ہنر کا قدردان سوائے آپ کے کون ہے ؟ میں تو بسا اوقات قحطِ خریدار سے تنگ آ جاتا ہوں :

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

میں تو اپنا سامان یعنی قاش ہائے دلِ صد پارہ ایسے وقت بازار میں لے کر آیا جب سوداگروں کا قافلہ رخصت ہو چکا تھا ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کہ آپ کی جانب سے "بوئے کسے" آتی ہے ۔ متاعِ گراں مایہ اپنے دامن میں چھپائے رکھتا ہوں ۔ حالات مساعد پاؤں تو دنیا کو دکھاؤں ، اور اگر حالات مساعد نہ ملے تو اقبال کو خیالاتِ ناگفتہ کا ایک متحرّک مزار سمجھ لیجیے گا ۔

آپ کی فیاضی ، کہ زمان و مکان کی قیود سے آشنا نہیں ہے ، مجھ کو ہر شے سے مستغنی کر سکتی ہے ، مگر یہ بات مروت اور دیانت سے دور ہے کہ اقبال آپ سے ایک بیش قرار تنخواہ پائے اور اس کے عوض میں کوئی ایسی خدمت نہ کرے جس کی اہمیت بقدر اُس مشاہرے کے ہو ۔ خدا کو منظور ہوا تو کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے گی کہ اقبال ، جو ہمیشہ سے معنوی طور پر آپ کے ساتھ رہا ہے ، صوری طور پر بھی آپ کے ہمراہ ہوگا ۔ آپ نے جس وسعتِ قلب سے اقبال کو یاد فرمایا ، مروت

کی تاریخ میں یاد گار رہنے کے قابل ہے ۔ اور بندۂ اقبال جس کو آپ از راہِ کرم گستری لفظ ''دوست،، سے مفتخر فرماتے ہیں ، نہایت سپاس گزار ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاراجہ بہادر کے دلی مقاصد بر لائے اور ان کے اعدا کو ذلیل و خوار کرے ۔ آمین !''

اس کے بعد کے بے غرض خوشگوار مراسم کا ثبوت دونوں کی مراسلت سے ملتا ہے ۔ مہاراجہ بہادر کے تعلقات اور اُس وقت کی ملکی ضروریات کے پیشِ نظر ۱۹۱۷ع میں یہ خیال یقین کی حد تک پہنچ گیا تھا کہ علامہ اقبال کو حیدرآباد ہائی کورٹ یا جامعۂ عثمانیہ میں کوئی اعلیٰ عہدہ تفویض کیا جا رہا ہے ۔ بعض اخباروں نے اس افواہ کو شائع بھی کر دیا تھا اور اقبال کو مبارک باد کے خطوط اور تار بھی آنے شروع ہو گئے تھے ۔ چنانچہ ادھر مہاراجہ نے لکھا کہ :

''خدا کی ذات سے امید ہے کہ اقبال سے حیدرآباد کا اقبال چمک اٹھے گا ۔''

اُدھر اقبال نے کہا :

''خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اس خرقہ پوش امیر کی ہم بزمی میسر ہو ۔ کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ اقبال کے لیے بھی ایسے سامان پیدا کر دے ۔''

مگر اُس وقت مہاراجہ مدارالمہام نہیں تھے اس لیے اپنی خواہش اور کوشش کے باوجود وہ کچھ نہ کر سکے اور اقبال راضی برضا رہے ۔ چنانچہ ۷ مارچ ۱۹۱۷ع کے خط میں مہاراجہ کو لکھتے ہیں :

"مجھے جو خلوص سرکار سے ہے ، اس راز کو معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ۔ یہ راز مضمر ہے اس دل میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے ۔ سرکار کی قبائے امارت سے میرے دل کو مسرت ہے مگر میری نگاہ اس سے پرے جاتی ہے اور اس چیز پر جا کر ٹھہرتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے ۔ الحمد للہ کہ یہ خلوص کسی غرض کا پردہ دار نہیں اور نہ انشاء اللہ ہوگا ۔ انسانی قلب کے لیے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پروردۂ اغراض و مقاصد ہو جائے ۔ انشاء اللہ العزیز اقبال کو آپ حاضر و غائب اپنا مخلص پائیں گے ۔ اللہ نے اس کو نگاہِ بلند اور دلِ غیور عطا کیا ہے ، جو خدمت کا طالب نہیں اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے ۔"

مہاراجہ سرکشن پرشاد اپنی پُر خلوص محبت ، عقیدت اور ہمدردی کی بنا پر دل سے چاہتے تھے کہ اقبال ان کے قریب آ جائیں اور ریاست میں انہیں کسی معزز عہدے پر فائز کر دیا جائے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی کونسل کی مخالفت اور ملکی و غیر ملکی عصبیت کی موجودگی میں اقبال کو اس میں کبھی کامیابی حاصل نہ ہو سکی ۔ اس کی کئی وجوہ تھیں ۔ اول تو حکومتی سطح پر اقبال کی قدردانی کے لیے حالات پوری طرح سازگار نہیں تھے ۔ دوسری سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اقبال آزاد خیال اور حریت پسند تھے اور انگریزی ملوکیت اور انگریزی تہذیب کی خرابیوں پر نہایت کڑی نکتہ چینی کیا کرتے تھے ۔ دکن کے حکمران ، جو برطانیہ کی دوستی اور وفاداری کا دم بھرتے تھے، اسے انگریز کی نہیں اپنی مخالفت

سمجھتے تھے اور ڈرتے تھے کہ اقبال کی سرپرستی کرنے سے کہیں ان پر کوئی آفت ہی نہ آ جائے - چنانچہ ۱۹۳۲ء میں نواب حمید اللہ خاں والیِ بھوپال نے اقبال کی مالی امداد کی تحریک چلا کر میر عثمان علی خاں کو بھی اس کارِ خیر میں حصہ لینے کی سفارش کی، تو نواب مہدی یار جنگ صدر المہام سیاسیاتِ حیدر آباد دکن کی یہ رائے اس موقع پر قطعی اور حتمی صورت اختیار کر گئی کہ اقبال کی مالی امداد کے تعلق سے معذوری کا اظہار کر دیا جائے - چنانچہ نظام نے اسی پر عمل کیا - سید محمد مہدی (نواب سر مہدی یار جنگ) نے لکھا تھا :

> "یہ امر کہ سر محمد اقبال اچھے شاعر ہیں، اس کے بارے میں فنِ شاعری کے ماہروں میں اختلاف ہے - اگر فرض کیا جائے کہ وہ اچھے شاعر ہیں، تب بھی یہ وجہ ان کو ایک ہزار روپیہ دینے کے لیے کافی نہیں - نواب صاحب بھوپال، جو ان کی سفارش کرتے ہیں، وہ خود ان کو کیوں نہیں کچھ دیتے ؟"

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے سوقیانہ اور گھٹیا پن کے واقعات سید شکیل احمد اسسٹنٹ آرکیوسٹ حیدر آباد دکن نے مختلف سرکاری فائلوں سے نکال کر اقبال اکیڈمی حیدر آباد کے سہ ماہی رسالہ 'اقبال ریویو' بابت اپریل جون ۱۹۸۴ء میں شائع کرائے ہیں - ان سے بہت سی نئی معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں اور اقبال سے متعلق دفتری مراسلات کے چہرے کی نقاب کشائی بھی ہوتی ہے - ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۲۹ء میں جب اقبال نے جامعۂ عثمانیہ کی دعوت پر حیدرآباد کا دورہ کیا اور تین لکچر دیے تو مہاراجہ سر کشن پرشاد نے مخالفتوں کے باوجود اپنے اختیارات سے انھیں

سرکاری مہمان کی حیثیت سے سب سے اعلیٰ گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرایا اور ٹاؤن ہال لیکچروں کے لیے استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ اس پر محکمۂ عدالت و کوتوالی و امور عامہ اور محکمۂ سیاست کے درمیان جو کارروائی چلی اس سے بعض دلچسپ اور عبرت انگیز واقعات کا علم ہوتا ہے۔ حکومت سرکار عالی کے بعض وزیر اور عہدیدار مختلف وجوہ کی بنا پر ڈاکٹر اقبال کو سرکاری مہمان بنانے یا سرکاری سطح پر ان کا استقبال کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ خود نظام حیدر آباد نے بھی دبے لفظوں میں ''بلاوسٹہ'' گیسٹ ہاؤس میں ڈاکٹر اقبال کے ٹھہرائے جانے پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ گویا اقبال ان کے نزدیک معمولی حیثیت کے آدمی تھے۔ یہ مہاراجہ کشن پرشاد کی ذاتی دلچسپی تھی جس کی وجہ سے کوئی مداخلت نہ کر سکا۔ انھوں نے حکم دیا تھا کہ ''یہ سرکاری مہمان رکھے جائیں۔ سرکاری مہمان بنانا اقتداری صدر اعظم ہے۔ اس خصوص میں عمل درآمد پیش کر دیا گیا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے زحمت دینے کی کسی حالت میں ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ آئندہ سے اس کی پابندی کی جائے کہ کوئی مہمان بغیر منظوری صدر اعظم نہ ٹھہرایا جائے۔ البتہ ایسے مہمان جو پوزیشن رکھتے ہوں، اس کے متعلق پیش گاہِ خسروی میں اطلاع دینا صرف اس لیے مناسب ہے کہ سرکار کو اپنے مہمان کی اطلاع رہے۔'' (دستخط مہاراجہ کشن پرشاد۔ مثل نشان پولیٹکل سیکریٹری آفس مقدمہ مورخہ ۳۰۔ رجب ۱۳۴۷ھ)

صدر اعظم کے اس حکم کے باوجود سیاسیات کے بعض عہدیداروں کا اصرار رہا کہ ''اس مکان (بلاوسٹہ) کے متعلق فرمان مبارک مترشحہ ۱۰۔ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ شرف اصدار پایا ہے کہ بلا اجازت اقدس و اعلیٰ اس مکان میں کسی کو ٹھہرایا نہ جائے۔ اس صورت

میں بلا منظوری اعلیٰ حضرت اس مکان میں ٹھہرانا ممکن نہیں ہے۔" (معتمدِ سیاسیات یکم، فروری ۱۳۳۸ ف)۔

چونکہ نظام ان دنوں کلکتہ میں مقیم تھے، اس لیے بامیدِ منظوری بادلِ ناخواستہ ڈاکٹر اقبال کے قیام کا انتظام کر دیا گیا۔ البتہ جب نظام دکن کی خدمت میں عرضداشت مورخہ یکم محرم الحرام ۱۳۳۸ھ پیش کی گئی تو انھوں نے جو فرمان جاری کیا، اس کا لب و لہجہ بھی پسندیدہ نہ تھا۔ ملاحظہ ہو:

"بجز معزز اشخاص کے بلاوسٹہ میں کسی کو نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کی اجازت صدرِ اعظم کو دی جاتی ہے جو ان کے صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ رہے معمولی حیثیت کے اشخاص وہ دوسرے گیسٹ ہاؤس میں ٹھہرائے جا سکتے ہیں۔ (دستخط نواب عثمان علی خاں صاحب، مورخہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۸ھ)۔

جنوری ۱۹۲۹ء میں علامہ اقبال مدراس سے واپس آتے ہوئے جامعۂ عثمانیہ کی دعوت پر توسیعی لیکچروں کے لیے دوسری بار حیدر آباد گئے۔ وہاں ان کا جس شاندار طریقے سے استقبال ہوا، اس کا حال نظر حیدرآبادی کی کتاب "اقبال اور حیدر آباد" میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اقبال نے وہاں دو لیکچر دیے۔ ان کے پہلے لیکچر کی صدارت نواب اعظم جاہ ولی عہدِ سلطنت نے کی اور دوسرے کی مہاراجہ سر کشن پرشاد نے۔ ۱۵ جنوری ۱۹۲۹ء کو اس اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مہاراجہ نے فرمایا:

"جامعۂ عثمانیہ کی دعوت پر سر اقبال کی عالمانہ تقاریر کے سلسلے میں اس لیکچر کی صدارت میرے لیے ایک خوشگوار

فریضہ ہے ۔ اس موقع پر صدارت کا فریضہ میرے لیے آسان یوں ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے تعارف کی اس لیے ضرورت نہیں کہ اس ملک کا ہر کہ و مہ آپ سے واقف اور آپ کے کلام سے اس مجمع کا ہر فرد اپنی استعداد اور ذوق کی مناسبت سے قدردان ہے ۔ آپ کی ذات تعارف سے مستغنی اور آپ کا کلام ستائش سے بالاتر ہے ۔ ڈاکٹر اقبال کے ذکر کے ساتھ ہی ان کی تصنیفات کے انمول اور وسیع گنجینوں کا ایک لامتناہی تصور پیش نظر ہو جاتا ہے کہ عرضِ کلام سے گزر کر جوہرِ بیان میں فکرِ سخنور غلطاں و پیچاں ہو جاتی ہے ۔ ڈاکٹر اقبال جس مقصدِ حیات کو اپنے علم و عمل سے پورا کر رہے ہیں وہ انسانی ترقی کو دنیا کے لیے سود مند بنانے اور روحانیت کے اعلیٰ مدارج کو حاصل کرنے کا راستہ بتاتے ہیں ۔ ڈاکٹر اقبال تصوف اور عرفان کے آغوش میں پل کر حکیم ہوئے ہیں اور ان کے حکیمانہ خطبات سے ہم سب کو یکساں مستفید ہونے کا اب بالمشافہ موقع ملا ہے ، جس کی ہم عزت اوز قدر کرتے ہیں ۔ اور یقین رکھتے ہیں کہ اس مجمع کا ہر برنا و پیر اپنے معلومات میں قابلِ قدر اضافہ حاصل کرے گا ۔"

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مہاراجہ نے اپنی ڈیوڑھی میں ایک پُر تکلّف دعوت اور شان دار مشاعرے کا بھی اہتمام کیا ، جس کی روئداد مولوی مسعود علی محوی نے "مجلّہ عثمانیہ" کے "یمین السلطنت نمبر" میں تفصیل سے لکھی ہے ۔ حیدر یار جنگ طباطبائی ، نواب ضیا یار جنگ بہادر ، نواب عزیز یار جنگ بہادر ،

مولوی مسعود علی محوی ، جوش ملیح آبادی ، باغ اور لبیب جیسے مستعد اور مستند شعرا کا کلام سننے کے بعد اقبال نے بڑے اصرار کے بعد چار پانچ شعر سنائے ۔ اقبال چونکہ مشاعروں کے شاعر ہی نہ تھے ، اس لیے وہ رسمی آداب سے بھی بے نیاز تھے ۔ مہاراجہ کے مشاعروں میں شاعر عام طور دل کھول کر دادِ کلام حاصل کرنے اور تحسین و آفرین کے غلغلے سننے کے عادی تھے ۔ اس دلنوازی کا آغاز ہمیشہ مہاراجا کی جانب سے ہوا کرتا تھا مگر اس دفعہ مشاعرے کی اس مجلس پر سناٹا تھا اور تحسین و آفرین کا ایک لفظ بھی سنائی نہیں دیتا تھا ۔ اقبال عجیب عالمِ استغراق میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ گویا : ع

میانِ انجمن خلوت گزین است

مہاراجہ تہذیب و شائستگی کے دیوتا تھے ۔ اقبال کی موجودگی میں داد و تحسین کی ابتدا کرنا خلافِ ادب سمجھ رہے تھے ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اقبال کی خاموشی نے مہاراجہ کو بھی چپ رہنے پر مجبور کر دیا ، اور جب مہاراجہ کسی کلام کی داد نہ دیں تو پھر اور کس کو جرأت ہو سکتی تھی ؟ تاریخِ مشاعرہ میں پہلی مرتبہ ایک سناٹے اور خاموشی کے عالم میں شمع یکے بعد دیگرے شعرا کے آگے منتقل ہوتی رہی اور کسی ایک مصرع کے اعادے کی خواہش کے بغیر انتہائی بدحواسی کے عالم میں شاعر اپنا کلام سناتے رہے ، یہاں تک کہ شمع مولوی مسعود علی محوی کے آگے رکھی گئی ۔ محوی نے غزل شروع کی اور جب وہ اس شعر پر پہنچے :

نگاہ کردنِ دزدیدہ ام بہ بزم بدید
میانِ چیدنِ گل باغبان گرفت مرا

تو یکبار اقبال چونکے اور فرمایا : ''پھر فرمائیے ۔''

خدا جانے کسی نقص کی بنا پر تھا یا بطور قدردانی ، بہرحال خاموشی کا بند ٹوٹ گیا ۔ مہاراجہ نے بھی پہلی دفعہ زبان کھولی اور اتنی کھولی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ اب تک کی خاموشی کا بار اتار دینا چاہتے ہیں ۔

علامہ اقبال کی زندگی کے آخری دنوں میں لاہور کی طرح پہلا یوم اقبال ۹ جنوری ۱۹۳۸ع کو حیدر آباد کے ٹاؤن ہال میں بھی منایا گیا ۔ پہلے اجلاس کی صدارت نواب اعظم جاہ شہزادۂ برار نے اور دوسرے کی مہاراجہ کشن پرشاد نے کی اور شاعر کی زندگی میں اس کا یوم منانے کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے خطبے کا آغاز ان جملوں سے کیا :

''اردو شاعری کے جنم بھوم میں آج کا دن ایک یادگار دن ہے کیونکہ آج ہم سر اقبال جیسے مشہور اور مقبول شاعر کی خصوصیات کی داد و تحسین کے لیے جمع ہوئے ہیں ۔ مجھے اس امر کی مسرت ہے کہ آپ نے اس جلسے کے دوسرے اجلاس کی صدارت کا اعزاز مجھے عطا کیا ۔ میرے سر اقبال سے ذاتی تعلقات بھی ہیں ۔ یہی تعلقات مجھے اپنی کم نظری کے باوجود اس کا مستحق ٹھہراتے ہیں ۔''

اس کے بعد مہاراجہ نے اقبال کی خصوصی حیثیت پر روشنی ڈالی اور فرمایا :

''خودی اقبال کے کلام کا سرنامۂ امتیاز ہے اور یہی ایک لفظ اس تمام دعوتِ سعی و عمل کا آئینہ دار ہے ۔ خودی

احساسِ نفس بلکہ عظمتِ نفس کا درس ہے جسے اقبال کی باریک بیں نظروں نے پہچانا اور مشرق کی موجودہ پستی نے اس کے حسّاس دل کو سمجھایا کہ جب تک اس کو نصب العین نہ بنایا جائے گا، یہ حضیضِ تنزّل میں آئی ہوئی اقوامِ مشرق کائنات میں اپنی بقائے حیات کے لیے جگہ حاصل نہ کر سکیں گی۔

حقیقت میں اقبال جس بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے وہ اس کا جائز حق ہے اور اس کا پیام فرزندانِ مشرق کبھی فراموش نہ کر سکیں گے۔ آئندہ نسلیں اس کا فیصلہ کریں گی کہ ہندوستان کی ادبی ناہمواری کی اصلاح اور قومی ترقی میں اس زندۂ جاوید شاعر کا کس قدر حصہ ہے۔"

آخر میں مہاراجہ نے فرمایا:

"ظلم ہوتا اگر مشرق اس باکمال شاعر کو اس کی زندگی میں کم سے کم خراجِ تحسین بھی ادا نہ کرتا۔ اور مجھے مسرت ہے کہ ہمارے اہلِ ملک دوسرے اقطاعِ ہندوستان سے پیچھے نہیں رہے۔ اور کیونکر پیچھے رہتے جب کہ اہلِ علم و فن کی قدر ان کا روایاتی شیوہ رہا ہے۔ اور انھوں نے اقبال کا وہ قرض، جو علمی و ادبی حیثیت میں ان پر تھا، کسی حد تک ادا کر ہی دیا۔ میری دعا ہے کہ خدا سر اقبال کو بہت دن زندہ رکھے تاکہ ہندوستان ان کے نغمۂ بیداری سے زندگی اور کامیابی کا درس حاصل کرتا رہے۔"

اس اجلاس کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی تھی کہ اس میں

اقبال کے مردِ مومن بہادر یار جنگ نے کلامِ اقبال کی تشریح و توضیح کچھ ایسے درد و سوز سے بیان کی کہ سننے والے مسحور ہو گئے۔ پھر ڈاکٹر یوسف حسین خاں کا مقالہ غالباً اس اہم کتاب کا ایک ابتدائی خاکہ تھا جو بعد میں "روحِ اقبال" کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہوئی۔

اس "یومِ اقبال" کے صرف تین ماہ بعد ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال انتقال فرما گئے۔ اس موقع پر تعزیت کا جو جلسہ حیدر آباد میں مسز سروجنی نائیڈو کی صدارت میں ہوا، اس میں نواب بہادر یار جنگ، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، مہدی یار جنگ، راجہ پرتاپ گیرجی اور کیقباد جنگ نے تقریریں کیں۔ مگر مہاراجہ صدمے کی شدت کے باعث شریک نہ ہوئے۔ البتہ جب ماہنامہ "سب رس" نے اقبال کی وفات کے ٹھیک پانچ ہفتے بعد "اقبال نمبر" شائع کیا تو دردمند مہاراجہ نے اس کے لیے پیغام دیتے ہوئے اپنے جذباتِ غم کا اظہار یوں کیا:

"ڈاکٹر سر اقبال فقیر کے مخلص دوست تھے۔ ان کی بے وقت مفارقت سے شعر و سخن کا ایک درخشاں ستارہ غروب ہو گیا۔ مرحوم نے فلسفے کی گتھیوں کو نظم کے ذریعے آسان اور عام فہم بنا دیا ہے۔ دنیا کی فضائیں ان کے منظوم نغموں سے گونجتی اور آنے والی نسلوں کے دلوں میں مرحوم کی یاد ہمیشہ تازہ کرتی رہیں گی۔"

یہی اس فقیر منش امیر کا اپنے "دوست" کی خدمت میں آخری ہدیہٴ عقیدت تھا۔ اس کے کچھ عرصے بعد مہاراجہ خود بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے: ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

علامہ اقبال اور مہاراجہ سر کشن پرشاد کی مراسلت ۱۹۴۲ء میں پہلی مرتبہ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور مرحوم نے ''شاد اقبال'' کے نام سے شائع کی تھی ۔ اس مجموعے میں اقبال کے ۴۹ اور شاد کے ۵۲ خط تھے ۔ اقبال کا پہلا خط یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء کا اور آخری ۴ جنوری ۱۹۲۷ء کا تھا ۔ ۱۹۱۶ء سے پہلے اور ۱۹۲۷ء کے بعد بھی دونوں کی خط و کتابت جاری تھی مگر وہ اس وقت دستیاب نہ ہو سکی ۔ اور تو اور اس مجموعے میں بعض ایسے خط بھی شامل نہ تھے جو ان دونوں برسوں کے درمیانی عرصے میں لکھے گئے ۔ مہاراجہ کے انتقال (۱۹۴۰ء) کے بعد بھی ڈاکٹر زور نے ان کے کتب خانے سے بقیہ خطوط تلاش کرانے کی سعی کی ، کیونکہ مہاراجہ ، اقبال کے خطوط اور اپنے جوابات کی نقول محفوظ رکھتے تھے ، لیکن اس میں ان کو کامیابی نہ ہوئی ۔

میں نے ماہنامہ ''ادبی دنیا'' کی ادارت سنبھالنے کے بعد جب ہندوستان اور حیدر آباد کے ادیبوں اور شاعروں سے خط و کتابت شروع کی تو ان گمشدہ خطوط میں سے پچاس کا سراغ مجھے ملا ۔ میرے عزیز دوست بشیر احمد ڈار صاحب ان دنوں اقبال اکیڈمی کراچی کے ڈائرکٹر تھے ۔ وہ اقبال کے خطوط اور فوٹو جمع کرنے میں خاصی دلچسپی لے رہے تھے ۔ میں نے ان کو ''مومن کی اس گمشدہ پونجی'' کے ملنے کی اطلاع دی اور انھوں نے ہزاروں روپے صرف کرکے یہ متاعِ بے بہا اکیڈمی کے لیے حاصل کر لی ۔ اب اقبال اکیڈمی کے شکریے کے ساتھ یہ دولت آپ کے ہاتھوں میں ہے ۔ بقول اقبال :

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ، ٹھکانے لگا دے اسے

ان پچاس خطوط کا آغاز یکم اکتوبر ۱۹۱۳ع سے ہوتا ہے۔ حالانکہ اقبال کی پہلی ملاقات مہاراجہ سے مارچ ۱۹۱۰ع میں ہوئی تھی ، اور خطوط کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ مراسلت کا سلسلہ اس سے بھی پہلے جاری تھا ۔ افسوس کہ وہ خطوط ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکے ۔ اگر ضائع نہیں ہو چکے تو شاید پھر کبھی مل جائیں ۔ زیرِ نظر خطوط کی تفصیل یہ ہے :

۱۹۱۳ع کے تین
۱۹۱۴ع کے تیرہ
۱۹۱۵ع کے اٹھارہ
۱۹۱۶ع کے بارہ
۱۹۲۱ع کے دو
۱۹۲۲ع کے دو = کل پچاس

ان خطوط کے ساتھ ''شاد اقبال'' کے انچاس خط اور مہاراجہ کے جوابات بھی اس مجموعے میں شامل کر لیے گئے ہیں ۔ اب علامہ اقبال کے خطوط کی تعداد ننانوے ہوگئی ہے ۔ کئی خط ضائع بھی ہو گئے ہیں ۔ کسی ایک شخص کے نام خطوں کا اس کثرت سے محفوظ رہ جانا کوئی معمولی بات نہیں ہے ۔ یہ مہاراجہ کی اقبال سے بے انتہا محبت و عقیدت کی دلیل ہے کہ انھوں نے زندگی بھر اقبال کے خطوں کو سینے سے لگائے رکھا اور اب ہم آنکھوں سے لگا رہے ہیں ۔

علامہ اقبال کے خطوط کے کئی اور بھی قابلِ ذکر مجموعے موجود ہیں ۔ خود میں نے اقبال کے ننانوے خط ''مکاتیبِ اقبال بنام

گرامی'' کے نام سے اور ساڑھے بارہ سو متفرق خط ایک سلک میں تاریخ وار منسلک کرکے ان کا خلاصہ ''روح مکاتیبِ اقبال'' کے نام سے پیش کیا ہے۔ یہ حضرتِ علامہ کے روز نامچے کا بھی کام دیتا ہے اور آئے دن کے نت نئے حالات اور رات دن کی گردش میں بدلتے ہوئے افکار و خیالات کو سمجھنے میں بھی مدد دیتا ہے۔

بعض لوگوں کو اقبال کے خطوں میں ادبی چاشنی بہت کم نظر آتی ہے۔ بقول پروفیسر آلِ احمد سرور :

''ممکن ہے بعض لوگ یہ کہیں کہ اقبال کے یہاں وہ سپردگی، وہ والہانہ کیفیت ، وہ جنون ، وہ جوش نہیں ، جو سچے شاعروں میں ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں ان کی شاعری کافی ہے۔ یہ خط مجنوں کی ڈائری نہیں ہیں جو کسی لیلیٰ کے خطوط کے جواب میں لکھے گئے ہوں۔ یہ ایک شریف انسان کے آڑے ترچھے نقوش ہیں جو اس نے اپنے خیالات کی وضاحت کے لیے دوسرے شرفا کو لکھے ہیں۔ اقبال کے کلام کی سب سے اچھی شرح ان کے خطوط ہیں . . . . ان خطوط کی دلچسپی ، ان کی شوخی ، رنگینی ، ظرافت ، ادبیت میں نہیں ، ان کے خیالات کی اہمیت اور عظمت میں مضمر ہے۔ ان میں سچے اور پوری طرح محسوس کیے ہوئے خیالوں کا حسن ہے ، جسے کسی اور حسن کی ضرورت نہیں۔''[1]

۱۔ آلِ احمد سرور : مضمون ''اقبال کے خطوط'' مشمولہ کتاب ''اقبال اور ان کا فلسفہ'' مکتبۂ عالیہ لاہور ، ۱۹۷۷ع ، ص ۱۱۹۔

پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ :

''شاد کے نام جو خط ہیں ، ان سے اقبال کی مشرقیت ، وضع داری ، محبت ، اہل اللہ سے عقیدت اور روحانیت ظاہر ہوتی ہے اور اگر کوئی صرف ان خطوط ہی کو دیکھے تو وہ اقبال کی شخصیت کے صرف ایک پہلو سے واقف ہو سکے گا ۔ اقبال بزرگوں کا ادب کرتے تھے ۔ وہ خود درویشی ، فقر ، قلندری اور سادگی کے دلدادہ تھے ۔ شاد صوفی تھے ، بزرگوں کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے ۔ ان کا احترام کرنا اس وجہ سے مناسب تھا کہ وہ احترام کے آداب سے واقف تھے ۔ مگر اقبال نے شاد کو اس سے زیادہ کچھ اور نہ دیا اور غالباً اس سے زیادہ کے شاد مستحق بھی نہ تھے ۔ اس لیے یہ خط اقبال کی پوری شخصیت کو سمجھنے کے لیے زیادہ مفید نہیں ۔''[1]

جہاں تک اقبال کی شخصیت کو سمجھنے کا تعلق ہے ، پروفیسر مجیب نے کسی حد تک صحیح لکھا ہے :

''اقبال نے اپنی شخصت پر خود بھی بہت سے پردے ڈال رکھے تھے ۔ وہ ہر ایک کو اپنی اصلی جھلک دکھاتے بھی نہ تھے ۔ غالباً ہر ایک اس کی تاب بھی نہ لا سکتا تھا ۔''

مگر میرا خیال ہے کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے نام اقبال کے یہ خطوط کئی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں ۔ ان کے مطالعے سے اقبال

۱- ایضاً ، ص ۱۰۵ ۔

کے یہ خطوط کئی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں ۔ ان کے مطالعے سے اقبال اور مہاراجہ کی زندگی کے بے شمار نئے پہلو سامنے آتے اور کئی ایسے گوشے بے نقاب ہوتے ہیں ، جن کا پہلے کسی کو علم نہ تھا ۔ اقبال اپنا کوئی راز مہاراجہ سے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے عشق و محبت کی وارداتوں کا حال تک بیان کر دیتے تھے ۔ یہی حال مہاراجہ کا بھی تھا ۔ وہ بھی اپنے نجی معاملات بلکہ اپنی بچیوں کے رشتے ناطے تک کے سلسلے میں بھی اقبال سے مشورہ کرتے نظر آتے ہیں ۔ دونوں نہایت اخلاص سے ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے اور ایک دوسرے پر بھر پور اعتماد کرتے تھے ۔ ہنسی مذاق اور باہمی چھیڑ چھاڑ بھی ہوتی تھی ۔ لیکن نہایت باوقار طریقے سے ، ادب و لحاظ کے دائرے کے اندر رہ کر ۔ بعض خط ادب و انشاء کے نہایت نادر نمونے ہیں ۔ ایسے شگفتہ اور لطیف ادب پارے بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں ۔ اقبال نے اپنی بصیرت سے چند پیش گوئیاں بھی کی ہیں ، جو حرف بہ حرف درست ثابت ہوئی ہیں ۔ بعض مراقبات کا ذکر بھی ہے ، جن کے نتائج حیرت انگیز ہیں ۔

خطوط کے بعض دھندلے نقوش کو میں نے ''تعلیقات'' سے روشن کرنے کی جسارت کی ہے ۔ جن جن رجال کا ذکر آیا ہے ، ان پر میں نے نوٹ لکھے ہیں ۔ یہ نوٹ کئی جگہ طویل ہو گئے ہیں مگر میرے خیال میں یہ طوالت نہایت ضروری تھی ۔ میں نے کوشش کی ہے کہ بات اقبال کے حوالے ہی سے کی جائے اور اقبال نے جو کچھ ان کے متعلق کسی دوسری جگہ کہا ہے وہ سب سمٹ کر یکجا ہو جائے تاکہ زندۂ جاوید اقبال کے ذریعے ان شخصیتوں کو بھی نئی زندگی نصیب ہو جائے ۔

● ● ●

خطوطِ اقبال

(۱)

لاہور
یکم اکتوبر ۱۳ء
سرکارِ والا ! تسلیم

میں ستمبر کا قریباً کل مہینہ لاہور سے باہر رہا - پہلے کانپور مسجد (۱) کے مقدمے کے لیے گیا ، وہاں سے دہلی آیا اور حاذق الملک صاحب (۲) کے ہاں بغرضِ علاج مقیم رہا - الہ آباد بھی گیا ، وہاں دو روز مولانا اکبر کی خدمت میں رہا - آپ کا ذکرِ خیر آتا رہا - لاہور آ کر ابھی دم ہی لیا تھا کہ ایک مقدمے کے لیے فیروز پور جانا پڑا - غرض کہ یہ تمام دن سفر میں گزرے اور اسی وجہ سے آپ کی خدمت میں عریضہٴ نیاز نہ لکھ سکا - اب خدا کے فضل و کرم سے لاہور میں ہوں اور شکر ہے کہ ہر طرح سے خیریت ہے -

مہاراجہ بہادر الور کی طرزِ گفتار سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھے ملازمت میں لینے کے خواہش مند ہیں مگر پرائیویٹ سیکرٹری کی جگہ کی تنخواہ اتنی تھی کہ میں اسے قبول نہ کر سکتا تھا - اس کے علاوہ غالباً ان پر زور ڈالا گیا ہے کہ اس جگہ کے لیے کسی ہندو کی تقرری مناسب ہے ، اور شاید یہ درست بھی ہو - یہ وجہ تھی میرے الور نہ جانے کی -

راقم الدولہ ظہیر (۳) مرحوم کو آپ خوب جانتے ہیں - دہلی میں ان کا نواسہ مجھ سے ملا تھا اور کہتا تھا کہ مہاراجہ بہادر

نے از راہِ مرحمتِ کریمانہ ظہیر مرحوم کے سوانح اور قصائد کے طبع و اشاعت کے لیے دو سو روپے کی رقم عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شرفا پروری کا اجرِ عظیم ارزانی فرمائے۔ ظہیر مرحوم کے سوانح دلچسپ ہیں۔ خصوصاً غدر کے ایام کے واقعات جو انھوں نے لکھے ہیں، تاریخی اہمیت رکھنے کے علاوہ عبرت ناک ہیں۔ علیٰ ھذا القیاس ان کے قصائد کا دیوان بھی عمدہ ہے۔ میں نے ان کے نواسے کو ہدایت کی ہے کہ وہ سوانح عمری ظہیر، خواجہ حسن نظامی کے سپرد کرے تاکہ خواجہ صاحب موصوف اسے کاٹ چھانٹ کر اشاعت کے لیے تیار کریں۔ ان کے نواسے کی یہ خواہش ہے کہ رقمِ معہودہ مبلغ دو صد روپیہ آپ براہِ راست خواجہ صاحب کی خدمت میں ارسال کریں۔ کیونکہ اب اس کتاب کی اشاعت کے وہی ذمہ دار ہیں۔ مجھ سے اس نے کہا کہ میں بھی جناب کی خدمت میں سفارش کروں کہ وہ رقم خواجہ صاحب کی خدمت میں ارسال کریں۔ سو از راہِ کرم خواجہ نظامی کی خدمت میں وہ رقم ارسال فرمائیے۔ غالباً ظہیر مرحوم کے نواسے اشتیاق حسین نے بھی آپ کی خدمت میں عریضۂ نیاز اس مطلب کا تحریر کیا ہوگا۔

سنا ہے حیدرآباد میں پھر تغیّرات ہونے والے ہیں۔ سالار جنگ بغرضِ تعلیم ولایت جاتے ہیں اور ان کی جگہ مسٹر علی امام (۴) وزارت پر مامور ہوں گے۔ کیا اس خبر میں صداقت ہے؟

میں نے پہلے عریضے میں ایک شعر آپ کی خدمت میں لکھا تھا۔ اس زمین میں دو شعر اور ہو گئے ہیں۔ عرض کرتا ہوں:

گم گشتۂ کنعاں ہے اے خوگرِ زنداں تو
ہستی کے خیاباں میں ہر پھول زلیخا ہے

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
تو ہستیٔ بینا ہے، دانا ہے، توانا ہے(۵)

مرزا جلال الدین صاحب (۶) آداب عرض کرتے ہیں - بچوں کو میری طرف سے پیار -

سرکار کی عزت افزائی کی خبر سے دل شاد ہوا - اللہم زد فزد -

خادمِ دیرینہ محمد اقبال لاہور

تعلیقات

(۱) انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں سڑک سیدھی کرتے ہوئے کانپور کی ایک مسجد کا کچھ حصہ مسمار کر دیا تھا - اس پر بڑا ہنگامہ ہوا - بہت سے مسلمان شہید ہوئے جن میں چند بچے بھی تھے - ان کے متعلق حکومت کے کارندے عجیب عجیب توجیہیں پیش کرتے تھے - مولانا شبلی اور دوسرے حساس شاعروں نے اس موقع پر نہایت پُرجوش نظمیں لکھیں - مولانا کا یہ شعر تو آج تک لوگوں کے حافظے میں محفوظ ہے :

عجب کیا ہے جو نوخیزوں نے سب سے پہلے جانیں دیں
یہ بچے ہیں انھیں تو جلد سو جانے کی عادت ہے

حکومت نے اس آگ کو دبانے کے لیے بعض علما سے اپنے حق میں فتوے حاصل کیے کہ جو حصہ گرایا گیا ہے وہ وضو خانہ ہے - اسے مسجد کہنا غلط ہے - علما کے اس اختلاف پر بھی مولانا شبلی نے لطیف چوٹ کی :

ہمیں جس چیز نے کھویا وہ تفریق و تجزّی تھی
یہی وہ شے ہے جو بربادیٔ مسلم کے درپے ہے

مگر اب تو در و دیوار تک اس کا اثر پہنچا
وضو خانہ الگ اک چیز ہے مسجد الگ شے ہے

جب یہ فساد یوں بھی فرو نہ ہوا تو حکومت نے احتجاج کرنے والوں کو گرفتار کرکے ان پر ہر طرح کے مقدمات قائم کر دیے۔ اقبال اسی سلسلے میں کانپور گئے تھے۔

(۲) مسیح الملک حکیم اجمل خاں کو حاذوق الملک بھی کہتے تھے۔

(۳) راقم الدولہ سید ظہیر الدین حسین ظہیر دہلوی، شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد اور ابوالمظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ ثانی ظفر آخری تاجدارِ دہلی کے داروغۂ ماہی مراتب تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے حالات میں کتاب ''داستانِ غدر'' لکھی جو چھپ چکی ہے۔ اور جیسا کہ علامہ اقبال نے اپنے خط میں کہا ہے، ''دلچسپ بھی ہے اور تاریخی اہمیت رکھنے کے علاوہ عبرت ناک بھی'' مگر ایک بات کی کمی ہے کہ مولانا ظہیر نے اس میں کہیں بھی تاریخ یا سنہ یا مہینہ نہیں دیا، حتیٰ کہ اپنی تاریخِ پیدائش تک نہیں لکھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ غدر کے وقت میری عمر بائیس سال تھی۔ اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ ۱۸۳۵ع میں پیدا ہوئے۔ قلعۂ معلیٰ کی ملازمت حاصل کرتے وقت ان کی عمر بارہ برس تھی۔ اس حساب سے وہ ۱۸۴۸ع میں بادشاہ کے ملازم ہوئے اور انھیں قوربیگی (داروغۂ ماہی مراتب) کا عہدہ ملا۔ ان کے فرائض یہ تھے کہ جب بادشاہ کہیں باہر جاتا تو وہ علم اور چتر لے کر اپنے نائبین کے ہمراہ بادشاہ کی رکاب میں چلتے ورنہ دربار میں حاضر رہتے۔

ظہیر کے والد سید جلال الدین حیدر المخاطب بہ صلاح الدولہ

مرصع رقم فنِ خوش نویسی میں بادشاہ کے استاد تھے - ظہیر اور ان کے چھوٹے بھائی انور بھی خوش نویس تھے - ظہیر چودہ برس کے سن میں ذوق کے شاگرد ہوئے اور شعر و سخن کی محفلوں میں شریک ہونے لگے - ان کے چھوٹے بھائی انور بھی ذوق کے شاگرد تھے مگر ذوق کی وفات کے بعد مرزا غالب کو کلام دکھانے لگے تھے -

۱۸۵۷ع کے ہنگامے میں ان دونوں بھائیوں نے بہت سی تکلیفیں اٹھائیں - یہ دلی سے نکل کر جھجر ، سونی پت اور نجیب آباد ہوتے ہوئے بریلی پہنچے - چار برس رام پور میں رہنے کے بعد عام معافی کا اعلان ہونے پر ۱۸۶۴ع میں لارڈ لارنس کے زمانے میں دہلی واپس آئے ، جہاں سے اخبار ''جلوۂ طور'' کی ادارت کرنے بلند شہر چلے گئے - کچھ عرصے بعد مہاراجہ الور کے بلانے پر الور پہنچے - پھر ریاست جے پور میں پہلے تھانے دار ، پھر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوگئے - وہاں کم و بیش انیس سال رہے - والیِ ریاست مہاراجہ رام سنگھ کے انتقال پر وہاں سے نکلے اور پندرہ سولہ سال ریاست ٹونک میں بسر کیے - آخری عمر میں حیدر آباد دکن گئے - وہیں پیغامِ اجل آ پہنچا اور ظہیر نے ۱۷ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ/۱۹ مارچ ۱۹۱۱ع کو حیدر آباد دکن میں وفات پائی اور ان کے ساتھ ہی دہلی کی قدیم شاعری کی شمع گل ہوگئی -

ظہیر کے انتقال کی خبر لاہور میں ۲۹ مارچ کو پہنچی - فصیح الملک نواب مرزا داغ کے استاد بھائی ہونے کی بنا پر داغ کے شاگرد انہیں اپنے استاد کی طرح واجب التعظیم سمجھتے تھے ، اس لیے جناب وجاہت حسین صاحب وجاہت جھنجھانوی مدیر رسالہ 'اصلاح سخن' مولوی ظفر علی خاں مدیر 'زمیندار' اور 'پنجاب ریویو' میر جالب دہلوی جائنٹ ایڈیٹر 'پیسہ اخبار' منشی محمد الدین فوق مدیر

'کشمیری میگزین'، اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبال بیرسٹر ایٹ لا (شاگردانِ داغ) نے باہم مشورہ کرکے فیصلہ کیا کہ لاہور میں ایک ماتمی جلسے کا اہتمام کیا جائے۔ چنانچہ ۲۳ اپریل تاریخ مقرر ہوئی اور بزمِ اردو[1] کی طرف سے ایک عام پبلک جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت ڈاکٹر محمد اقبال نے فرمائی۔

سب سے اول صدر جلسہ نے مولانا ظہیر کی شاعرانہ خوبیوں کا اظہار فرما کر جلسے کے اغراض و مقاصد سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد مولوی ظفر علی خاں نے فلسفۂ موت و حیات پر ایک بلیغ اور عالمانہ تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"موت کا صدمہ عارضی ہوتا ہے۔ موت ہوا کی طرح آئی اور چلی گئی۔ ہر قوم کے بڑے آدمی تمدن کے ہر شعبے میں اسلاف کی روایات کے خازن اور اپنی گزشتہ قومی تہذیب کا نچوڑ ہوا کرتے ہیں، اس لیے ان کی موت قومی صدمہ سمجھی جاتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں میں مولانا ظہیر بھی تھے۔ میر سے لے کر غالب و ذوق کی شاعری کے اوصاف ان میں ودیعت تھے۔ وہ اسلامی تمدن اور اسلامی معاشرت کی تاریخ تھے۔ اب نئی نسلیں ہیں جو گزشتہ روایات کو بھول گئی ہیں اور جو ہر معاملے میں ملٹن، میکالے اور شیکسپئر کی نظیریں دیتی ہیں اور اپنے مشاہیر کو فراموش کر چکی ہیں۔ ہم آج اُس شخص کی وفات پر آنسو بہانے کے لیے جمع ہوئے ہیں جو فرد فرید اور ذوق و

۱- یہ اُس زمانے کی ایک ادبی انجمن تھی جس کے سیکریٹری غالباً خان بشیر خاں تھے۔

غالب کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھا ۔ اردو شاعری میں ظہیر مرحوم ایک خاص پایہ رکھتے تھے ۔ ۔ پرانی شاعری کی سب رونق ان کے کلام میں موجود ہے ۔ قصیدے اور غزل کے وہ استاد تھے ۔''

مولانا ظفر علی خاں کے بعد میر جالب دہلوی نے تقریر کی ۔ یہ گویا ایک بحرِ ذخّار تھا کہ موجیں مارتا چلا جاتا تھا ۔ آپ کی تقریر مولانا ظہیر کی تاریخِ زندگی کا خلاصہ تھا ۔ آپ نے فرمایا کہ ''ہماری زبان ، ہماری قوم اور ہمارے ملک پر مولانا ظہیر کا بہت احسان ہے ۔ وہ محاورہ بندی ، پُر گوئی اور سادگی میں ذوق تھے ۔ نازک خیالی میں مومن تھے اور مشکل گوئی میں غالب ۔''

میر جالب نے مولانا ظہیر کی نئی اور پرانی شاعری کے نمونے پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ ''مرحوم کی بہترین یادگار یہ ہو سکتی ہے کہ ان کا آخری دیوان ، جو مسودے کی شکل میں موجود ہے ، چھپوا دیا جائے ۔ آپ نے یہ تحریک بھی کی کہ مرحوم کے پس ماندوں سے التجا کی جائے کہ وہ اس دیوان کو شائع کر دیں ۔ اور چونکہ یمین السلطنت ہز اکسلنسی مہاراجہ کشن پرشاد ظہیر مرحوم کے سرپرستِ خاص تھے اور اردو زبان کے ایک بڑے محسن ، لہذا استدعائے اشاعتِ دیوان ان کی خدمت میں بھی ہونی چاہیے ۔''

اسی تحریک پر مہاراجہ نے دو سو روپے اس مد میں عنایت فرمانے کا وعدہ کیا تھا مگر دیوان پھر بھی شائع نہ ہو سکا ، البتہ ''داستانِ غدر'' چھپ گئی ۔

میر جالب کے بعد منشی ہدایت اللہ شیدا امرتسری ، منشی محمد الدین فوق ، منشی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی اور خواجہ

دل محمد پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور نے مرثیے اور نظمیں پڑھیں اور آخر میں علامہ اقبال نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا :

"میں گزشتہ سال حیدر آباد دکن گیا تو یہ ضروری بات تھی کہ میں وہاں کے اہلِ کمال سے ملوں ۔ چنانچہ حافظ جلیل حسن صاحب جلیل (مانک پوری) کے ہاں میری دعوت ہوئی ۔ وہیں مولانا ظہیر بھی تشریف رکھتے تھے ۔ مولانا نے مجھ سے شعر پڑھنے کی فرمائش کی ، مگر سنانے سے زیادہ مجھے خود یہ شوق تھا کہ مولانا کی زبان سے کوئی شعر سنوں ۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ حضرت ! جب تک میں پہلے آپ کی زبان سے شعر نہ سن لوں گا ، اپنا شعر ہرگز نہ سناؤں گا ۔ مولانا نے اس درخواست کو منظور فرمایا اور یہ شعر سنایا :

وہ جھوٹا عشق ہے جس میں فغاں ہو
وہ کچّی آگ ہے جس میں دھواں ہو

ایک آدھ شعر اور بھی سنایا تھا مگر وہ یاد نہیں رہا ۔ مولانا ظہیر اس وقت بہت ضعیف و ناتواں تھے اور اونچا سنتے تھے ، ان کی ہستی تبرّک تھی ۔"

حضرتِ علامہ نے جلسے میں بیٹھے بیٹھے "زبدۂ عالم ظہیر دہلوی" سے مولانا کی تاریخ وفات (۱۳۲۹ھ) بھی نکالی مگر وہ اس مادے کو نظم نہ کر سکے[۱] ۔

۱۔ رسالہ 'اصلاحِ سخن' ، لاہور ، جون ۱۹۱۱ع ، جلد ۶ ، ص ۱۴-۱۵ ۔

مولانا ظہیر اپنے اُستاد ذوق کی طرح پُر گو شاعر تھے - ان کی نرینہ اولاد کوئی نہ تھی - غزلوں کے چار دیوان ان کی یادگار ہیں - پہلا دیوان ''گلستان سخن'' مطبعِ مفید عام آگرہ سے شائع ہوا - بعد میں دو دیوان قاضی عبدالکریم کے مطبع کریمی بمبئی نے شائع کیے - چوتھا دیوان ظہیر کے نواسے میر اشتیاق حسین یا بشیر علی بشیر کے پاس تھا جو باوجود کوشش کے طبع نہ ہو سکا - آپ کے مندرجہ ذیل اشعار زبان زدِ عام ہیں :

چاہت کا جب مزہ ہے کہ وہ بھی ہوں بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

خوں بہائے عاشقِ ناشاد کیا
دلبروں کی داد کیا فریاد کیا

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں ہم ان کو چھوڑ بیٹھے ہیں
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں محبت آ ہی جاتی ہے

اگر منظور ہے ناصح جنوں کی چارہ فرمائی
ہمارے پیرہن میں ٹانک دے دامن بیاباں کا

جاتی ہے سوئے در جو نظر بار بار آج
کیوں کر کہوں عدو کا نہیں انتظار آج

(۴) سر سید علی امام بیرسٹر ایٹ لا (ولادت ۱۱ فروری ۱۸۶۹ع) پٹنہ (بہار) کے نامور فرزند اور اقبال کے دوست تھے - وہ پہلے مسلمان تھے جو وائسرائے ہند کی مجلسِ انتظامیہ کے رکن نامزد ہوئے اور

پہلے ہندوستانی تھے جنھوں نے جنیوا جا کر لیگ آف نیشنز میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔ اگست ۱۹۱۹ء میں حیدر آباد کے صدر المہام مقرر ہوئے۔ انھوں نے ریاست کی ترقی کے لیے کئی مفید منصوبے تیار کیے جن میں عثمانیہ یونیورسٹی کا قیام بھی تھا۔ ۱۹۳۰ء میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے لندن گئے۔ وہاں سے بیمار ہو کر واپس آئے اور ۳۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو انتقال فرما گئے۔

قانون دانی اور سیاست میں تو وہ ممتاز تھے ہی، اسلامی اخلاق اور آداب کا بھی بہترین نمونہ تھے۔ یورپ سے ہو آنے کے باوجود عربی قصائد کے اشعار اور فارسی کے ٹکسالی محاورات ہر وقت ان کی نوکِ زباں رہتے تھے۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لیے جاتے ہوئے ''ملوجا'' جہاز میں اقبال کے ہم سفر تھے۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء کے ایک خط میں، جو اسی جہاز سے کسی دوست کو تحریر کیا گیا تھا، اقبال فرماتے ہیں:

''سید علی امام صاحب۔۔۔ ایک روز صبح کے وقت عرشہ جہاز پر کھڑے تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ میل و فرسنگ کا حساب کرکے کہنے لگے۔ دیکھو بھائی اقبال! اس وقت ہمارا جہاز ساحلِ مدینہ کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ یہ فقرہ ابھی پورے طور پر ان کے منہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت کی۔ ان کی آنکھیں نمناک ہو گئیں اور بے اختیار بولے:

''بلّغ سلامی روضۃ فیھا النبی المحترم''

ان کے قلب کی اس کیفیت نے مجھے بے حد متاثر کیا ۔[1]

اقبال اس سے قبل بھی سید صاحب کی خاندانی وجاہت اور ذاتی اوصاف کے قائل تھے ۔ جبھی تو ''اسرارِ خودی'' ان کے نام معنون کی تھی ۔ مثنوی کے پہلے ایڈیشن میں پیش کش کے انیس شعر تھے ۔ دوسرے میں آٹھ رہ گئے اور اس کے بعد بالکل حذف کر دیے گئے ۔ دونوں بزرگوں کے تعلقات کی یاد تازہ رکھنے کے لیے وہ شعر ذیل میں درج کیے جاتے ہیں :

اے امام ! اے سیّدِ والا نسب
دودمانت فخرِ اشرافِ عرب
سلطنت را دیده افروز آمدی
عقلِ کل را حکمت آموز آمدی
آشنائے معنیٔ بیگانہ ای
جلوۂ شمعِ مرا پروانہ ای
مرغ فکرم گلستانہا دیده است
از ریاض زندگی گل چیده است
این گل از تارِ رگِ جاں بستہ ام
تازہ تر در دستِ تو گلدستہ ام
بود نقشِ ہستیم انگارۂ
ناقبولے ، نا کسے ، ناکارۂ
عشق سوہاں زد مرا آدم شدم
عالمِ کیف و کمِ عالم شدم

۱- گفتارِ اقبال ، ص ۱۴۴ -

حرکتِ اعصابِ گردون دیده ام
در رگِ مہ دورهٔ خون دیده ام
بہرِ انساں چشمِ من شبہا گریست
تا دریدم پردهٔ اسرارِ زیست
از درونِ کارگاهِ ممکنات
بر کشیدم سرِّ تقویمِ حیات
من که ایں شب را چو مہ آراستم
گردِ پائے ملّتِ بیضاستم
ملّتے در باغ و راغ آوازه اش
آتشِ دلہا سرودِ تازه اش
ذره کشت و آفتاب انبار کرد
خرمن از صد رومی و عطّار کرد
آهِ گرمم رخت بر گردوں کشم
گر چه دودم از تبارِ آتشم
خامه ام از همّتِ فکرِ بلند
رازِ ایں نه پرده در صحرا فگند
قطره تا هم پایهٔ دریا شود
ذرّه از بالیدگی صحرا شود
ملت ار جسم است شاعر چشم اوست
جسم را از چشمِ بینا آبروست
چشم از نورِ محبت روشنم
اشکبار از دردِ اعضائے تنم
نذر اشک بے قرار از من پذیر
گریهٔ بے اختیار از من پذیر

(۵) اس خط سے پہلے اقبال نے جو خط مہاراجہ کی خدمت میں لکھا تھا ، افسوس کہ وہ ہم تک نہیں پہنچ سکا ۔ نہ یہ معلوم ہو سکا کہ اس میں کون سا شعر درج تھا ۔ البتہ ان دو شعروں میں سے آخری شعر تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ''بانگ درا'' کی نظم ''انسان'' (ص ۱۹۷) میں موجود ہے اور اب اس کی صورت یہ ہے :

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستاں کی
یہ ہستی دانا ہے ، بینا ہے ، توانا ہے

پہلا شعر ترک کر دیا گیا ہے ۔

(۶) مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لا لاہور ، اقبال کے عزیز دوست تھے ۔

(۲)

لاہور ، ۲۶ ۔ اکتوبر ۱۳ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

آپ کا نوازش نامہ کئی روز سے آیا رکھا ہے ۔ لیکن میں بوجہِ عارضۂ دردِ گُردہ ایک ہفتے تک صاحبِ فراش رہا ۔ دو تین روز سے افاقہ ہے ۔ خدا نے فضل کیا ، مرض جاتا رہا ، میں باقی رہ گیا ۔

دونوں اشعار خوب ہیں ۔ واللہ قبائے وزارت کے نیچے شاعری و درویشی ، سپہگری اور خدا جانے کیا کیا کمالات آپ نے چھپائے رکھے ، اللھم زد فزد ۔

جو عنایت آپ اقبال کے حال پر فرماتے ہیں ، اس کا شکریہ

کم زبان سے ادا ہو ۔ دوست پروری اور غریب نوازی آپ کے گھرانے کا خاصہ ہے ۔ کیوں نہ ہو ، جس درخت کی شاخ ہو ، اس کے سائے سے ہندوستان بھر مستفیض ہو چکا ہے ۔ الور کی ملازمت نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ تنخواہ قلیل تھی ۔ سات آٹھ سو روپے ماہوار تو لاہور میں بھی مل جاتے ہیں ۔ اگرچہ میری ذاتی ضروریات کے لیے تو اس قدر رقم کافی ، بلکہ اس سے زیادہ ہے ، تاہم چونکہ میرے ذمہ اوروں کی ضروریات کا پورا کرنا بھی ہے ، اس واسطے ادھر اُدھر دوڑ دھوپ کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے ۔ گھر بھر کا خرچ میرے ذمے ہے ۔ بڑے بھائی جان جنھوں نے اپنی ملازمت کا اندوختہ میری تعلیم پر خرچ کر دیا ، اب پنشن پا گئے ۔ ان کے اور ان کی اولاد کے اخراجات بھی میرے ذمے ہیں اور ہونے چاہئیں ۔ خود تین بیویاں رکھتا ہوں اور دو اولادیں ۔ تیسری بیوی آپ کے تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد کی ۔ ضرورت نہ تھی مگر یہ عشق و محبت کی ایک عجیب و غریب داستان ہے ۔ اقبال نے گوارا نہ کیا کہ جس عورت نے حیرت ناک ثابت قدمی کے ساتھ تین سال تک اس کے لیے طرح طرح کے مصائب اٹھائے ہوں ، اسے اپنی بیوی نہ بنائے ۔ کاش ! دوسری بیوی کرنے سے پیشتر یہ حال معلوم ہوتا ۔ غرض کہ مختصر طور پر یہ حالات ہیں جو مجھے بسا اوقات مزید دوڑ دھوپ کرنے پر مائل کر دیتے ہیں ۔ آپ کی خدمت میں رہنا میرے لیے باعثِ افتخار ہے ۔ آہ ! اس وقت ہندوستان میں ہنر کا قدردان سوائے آپ کے کون ہے ؟ میں تو بسا اوقات قحطِ خریدار سے تنگ آ جاتا ہوں :

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں
میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

میں تو اپنا سامان یعنی قاش ہائے دلِ صد پارہ ایسے وقت بازار میں لے کر آیا جب سوداگروں کا قافلہ رخصت ہو چکا تھا ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے کہ آپ کی جانب سے "بوئے کسے" آتی ہے ۔ متاعِ گراں مایہ اپنے دامن میں چھپائے رکھتا ہوں ۔ حالاتِ ناگفتہ کا ایک متحرّک مزار سمجھ لیجیے گا (۱) ۔

آپ کی فیاضی کہ زمان و مکان کی قیود سے آشنا نہیں ہے ، مجھ کو ہر شے سے مستغنی کر سکتی ہے ۔ مگر یہ بات مروت اور دیانت سے دور ہے کہ اقبال آپ سے ایک بیش قرار تنخواہ پائے اور اس کے عوض میں کوئی ایسی خدمت نہ کرے جس کی اہمیت بقدر اس مشاہرے کے ہو ۔ خدا کو منظور ہوا تو کوئی نہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے گی کہ اقبال جو ہمیشہ سے معنوی طور پر آپ کے ساتھ رہا ہے ، صوری طور پر بھی آپ کے ہمراہ ہوگا ۔ آپ نے جس وسعتِ قلب سے اقبال کو یاد فرمایا (۲) ، مروت کی تاریخ میں یادگار رہنے کے قابل ہے اور بندہ اقبال ، جس کو آپ از راہِ کرم گستری لفظ "دوست" سے مفتخر فرماتے ہیں ، نہایت سپاس گزار ہے اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہاراجہ بہادر کے دلی مقاصد بر لائے اور ان کے اعدا کو ذلیل و خوار کرے ۔ آمین !

بندۂ درگاہ محمد اقبال

کیا سرکار نے اپنا اردو دیوان مرتّب کر لیا ؟ اسے ضرور شائع ہونا چاہیے ۔

تعلیقات

(۱) اس قسم کے خیالات کا اظہار اقبال نے قیامِ انگلستان کے زمانے (۱۹۰۵ - ۱۹۰۹ء) کی ایک غزل میں یوں کیا تھا :

زمانہ دیکھے گا ، جب مرے دل سے محشر اٹھے گا گفتگو کا
مری خموشی نہیں ہے گویا مزار ہے حرفِ آرزو کا
(بانگِ درا ، ص ۱۴۵)

(۲) مہاراجہ نے اقبال کو فکرِ معاش سے بے نیاز کرنے کی خاطر بیش قرار وظیفے کی پیشکش کی تھی ، مگر یہ شاہیں زیرِ دام نہ آیا - یہ خط اسی پیشکش کے جواب میں ہے - اس کی تفصیل سوانح کے ذیل میں پہلے ہی بیان کی جا چکی ہے - اعادے کی ضرورت نہیں -

(۳)

لاہور - ۳ دسمبر ۱۳ ع

سرکارِ والا ! تسلیم

سرکار کا والا نامہ ، جس پر دستخطِ گرامی ثبت نہ تھے ، چند روز ہوئے موصول ہوا - ایک خط جناب کے کسی اہل کار کا تھا ، جس سے نہایت وحشت ناک خبر موصول ہوئی ، یعنی یہ کہ راجہ عثمان پرشاد سرکار کو داغِ مفارقت دے گئے - کیا کہوں کس قدر تکلیف روحانی اس خبر کو سن کر ہوئی - اللہ تعالیٰ اس بچے کو جنت نصیب کرے اور اس کے پیار کرنے والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے - آپ کی نگاہ نظامِ عالم کی حقیقت پر ہے اور آپ کا قلب ان تمام کیفیات سے لذت اندوز ہو چکا ہے ، جس کو رضا و تسلیم کہتے ہیں - پھر میں کیسے تلقینِ صبر کروں - زندگی اور موت ایک عجیب راز ہے ، خصوصاً بچوں کی موت تو ایک ایسا سربستہ راز ہے کہ اس کا انکشاف حضرتِ انسان سے ممکن نہیں - میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور مرحوم بچے کی والدہ کو صبرِ جمیل و اطمینانِ قلب

عطا کرے اور نعم البدل ارزانی فرمائے ۔ مایوس نہ ہو جائیے :

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے

جب مصیبت اپنی انتہا تک پہنچ جاتی ہے اور انسان کے کیرکٹر کو اچھی طرح پرکھ چکتی ہے تو رحمت الٰہی جوش میں آتی ہے ۔ سو وہ وقت دور نہیں ، اللہ تعالٰی کا فضل و کرم آپ کے شاملِ حال ہو ۔

میں خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں ۔ صرف دردِ گردہ کا دورہ کبھی کبھی ہو جاتا ہے ، جس سے بہت تکلیف ہوتی ہے ۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالٰی رحم فرمائے ۔ کاش میں اس وقت آپ کے قریب ہوتا اور آپ کے دکھ درد میں شریک ہو سکتا ہے ۔ والسلام

آپ کا نیازمندِ قدیم
محمد اقبال ، لاہور

(۴)

لاہور ، ۲۳ جنوری ۲۴ء

سرکارِ والا ! آداب عرض

جناب کا نوازش نامہ مل گیا ہے ۔ نوحہ (۱) پڑھ کر قلب سخت متاثر ہوا ۔ اللہ تعالٰی آپ کو سکونِ قلب نصیب کرے اور آلام و افکار سے نجات دے ۔ ماشاء اللہ آپ کی تصانیف تو بہت سی ہوں گی جو شائع ہو چکی ہیں ۔ ان کے ناموں کی ایک فہرست (۲) ارسال فرمائیے ۔ سر تھیوڈور ماریسن ممبر کونسل سیکرٹری آف اسٹیٹ کی درخواست ہے کہ میں ایک مضمون اردو لٹریچر کی تاریخ پر لکھوں ۔ یہ مضمون کیمبرج ماڈرن ہسٹری آف انڈیا کا ، جو لکھی جا رہی ہے ،

ایک باب ہوگا ۔ سر تھیوڈور نے مجھے بڑے اصرار سے لکھا ہے اور میں بہ سبب ان کی عنایات کے انکار نہیں کر سکتا ۔ بنگالی لٹریچر پر مسٹر رابندر ناتھ ٹیگور لکھیں گے ۔

میں اس مضمون میں آپ کا خصوصیت سے ذکر کرنا چاہتا ہوں ۔ یقین فرمائیے یہ ''یار فروشی'' نہیں بلکہ عین انصاف ہے کہ جو کچھ آپ نے اس میدان میں کیا ہے ، اس کا اعتراف کیا جائے۔ اور زیادہ کیا عرض کروں ، اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے اور جس چیز کے لیے نوحے میں آپ نے دعا فرمائی ہے وہ عطا کرے۔ چند روز تک نوحہ ارسالِ خدمت کروں گا ۔

ہاں ایک اور بات یاد آئی ۔ میرے بڑے بھائی شیخ عطا محمد ، ۳۲ سال ملازمت کے بعد حال میں پنشن یاب ہوئے ہیں ۔ فنِ تعمیر (انجینئرنگ) میں کمال رکھتے ہیں ۔ انھوں نے چیف انجنیئر صاحب حیدرآباد اور میر کرامت اللہ خاں صاحب سپرنٹنڈنگ انجنیئر کی خدمت میں درخواستِ ملازمت بھیجی ہے ۔ میں نے ان کی فرمائش پر ہر قسم کی سفارش کرنے کا وعدہ کیا ہے ۔ اگر اس بارے میں آپ اپنا اثر ان کے لیے استعمال کریں تو میں نہایت ممنون و مشکور ہوں گا ۔ مسٹر حیدری کو بھی میں نے ایک عریضہ اسی غرض سے لکھا ہے ۔

آپ کا خادمِ دیرینہ
محمد اقبال بیرسٹر ، لاہور

تعلیقات

(۱) یہ نوحہ مہاراجہ نے اپنے فرزند راجہ عثمان پرشاد کی دائمی مفارقت پر لکھا تھا اور اقبال کے پاس نظر ثانی کے لیے بھیجا تھا ۔

(۲) مہاراجہ کی تصانیف کی فہرست ان کے حالات میں دی جا چکی ہے -

(۵)

لاہور ، ۷ مارچ ۱۴ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

شاد کا نقش اقبال کے دل سے محو ہو ، یہ کیونکر ممکن ہے ؟ ایام میں ایک وصف دیرینہ سازی کا ہے ، یعنی زمانہ ابتدا و انتہا کی قیود سے آزاد ہے - اشیا کو اپنے ہاتھ کے لمس سے پرانا کر دیتا ہے - بحمد اللہ کہ ''دل'' اس اثر سے متاثر ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا - پھر شاد کی یاد ہمیشہ تازہ کیوں نہ رہے - اگرچہ خدا کے فضل و کرم سے ایسا بے نیاز دل رکھتا ہوں کہ خود اللہ میاں بھی اس پر رشک کریں مگر کبھی کبھی یہ دل بھی افکارِ دنیا سے عاجز آ ہی جاتا ہے اور علائق کی زنجیروں کی جھنکار بیرونی اشیا کی طرف سے اسے عارضی طور پر غافل کر دیتی ہے - کیا عرض کروں ، عرفی کا ایک مصرع میرے دل اور مجھ ایسے تمام دلوں کی کیفیت کا آئینہ ہے :

در تابم از شکنجۂ طبعِ سلیم خویش

آنکھ نادیدنی نظارے دیکھتی ہے - طبعِ سلیم ان کی بیہودگی سے گھبراتی ہے - لیکن ہاتھ پاؤں میں سکت نہیں کہ ان نظاروں سے اپنے آپ کو اور اہلِ دنیا کو نجات دے سکے - سچ فرمایا مولانا اکبر نے :

بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا ارادہ کر رہا تھا - آج آپ کا خط آیا تو مسرت کے ساتھ ندامت کا پیغام بھی لایا - ہاتھوں میں

عمل کی قوت پیدا ہوگئی ، جس کا نتیجہ یہ چند سطور ہیں ۔ سنا تھا کہ آپ لاہور تشریف لاتے ہیں ۔ اپنے دوست نواب ذوالفقار علی خاں (۱) کے محل میں آپ کو ٹھہرانے کا فیصلہ بھی ان کے مشورے سے کر چکا تھا ۔ مگر جب اراکین کھتری کانفرنس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آپ تشریف نہ لاویں گے : ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

گزشتہ ایام میں جب آپ لاہور تشریف لائے تھے تو میرے وردِ زبان غالب مرحوم کا یہ شعر رہا کرتا تھا :

تھی خبر گرم اُن کے آنے کی
آج ہی گھر میں بوریا نہ ہوا

اس دفعہ تو توقع تھی کہ کچھ نہ کچھ ارمان نکلیں گے ، مگر آسمان شعرا کا پرانا دشمن ہے ، اس کا کیا علاج ۔ خیر آپ تشریف نہ لائے تو عشاق کی پرانی رسم یعنی بخون و خاک غلطیدن تو ادا ہو جائے گی ۔ اور یہ تسلی مزید کہ پنجاب میں آپ کی یاد اقبال کے دل تک ہی محدود نہیں بلکہ سینکڑوں دل اس یاد سے سرمایہ اندوز ہیں ۔ نہیں صاحب ، ہمارے عشق میں رشک کو دخل نہیں ۔ ہم رقیبوں سے دل بہلا لیا کرتے ہیں ۔ اقبال آپ سے دور ہو یا نزدیک ، خط لکھے نہ لکھے ، مگر اس کا دل آپ کی یاد سے لبریز ہے اور رہے گا ۔ اللہ تعالٰی ہم سب کو فراغِ خاطر اور اطمینانِ قلب نصیب کرے ۔ میسر تو یہ چیزیں آسمان والوں کو بھی نہیں مگر دعا نہ کرنا سوءِ ادب میں داخل ہے :

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ترا ہے ستم سے بڑھ کر
ذرا سا اک دل دیا تھا وہ بھی فریب خوردہ ہے آرزو کا (۲)

آج کل شعر و شاعری کا شغل بھی کم ہے ۔ ''بھائی گدھا'' یعنی پیٹ دم بھر کے لیے مہلت نہیں دیتا ۔ ''لاؤ چارا لاؤ چارا''، خدا اسے غارت کرے ۔ مولانا اکبر کا خط کل آیا تھا، خیریت سے ہیں ۔ ان کا دم بھی غنیمت ہے ۔ خدا انہیں خوش رکھے ۔ میں نے ان کے رنگ میں چند اشعار لکھے تھے مگر وہ بات کہاں ۔ دو شعر عرض کرتا ہوں :

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
''پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہو گئے''(۳)

فارسی مثنوی کے اشعار ساتھ ساتھ ہو رہے ہیں ۔ اس مثنوی کو میں اپنی زندگی کا مقصد تصور کرتا ہوں ۔ میں مر جاؤں گا، یہ زندہ رہنے والی چیز ہے ۔ ہنود کو مخاطب کرکے چند اشعار لکھے ہیں، عرض کرتا ہوں :

تا شدی آوارۂ صحرا و دشت
فکرِ بے باکِ تو از گردوں گذشت

اے نگاهت طائفِ چرخِ بلند
اندکے عهد وفا با خاک بند

با زمیں در ساز اے گردوں نورد
در تلاشِ گوهرِ انجم مگرد

مرد چوں شمعِ خودی اندر وجود
از خیالِ آسماں پیما چه سود

من نگویم از بتاں بیزار شو
کافری ، شائستۂ زنّار شو
گر ز جمعیّت حیاتِ ملّت است
کفر ہم سرمایۂ جمعیّت است
تو کہ ہم در کافری کامل نہ ای
در خورِ طوفِ حریمِ دل نہ ای
ماندہ ایم از جادۂ تسلیم دور
تو ز آزر من ز ابراہیم دور
قیسِ ما سودائیِ محمل نہ شد
در جنونِ عاشقی کامل نہ شد
وائے بر قیسے کہ سودائے بجست
سر بصحرا داد و لیلائے نجست
اے امانت دارِ تہذیبِ کہن
پشتِ پا بر مسلکِ آبا مزن
از گلِ خود آدمے تعمیر کن
بہرِ آدم عالمے تعمیر کن(۴)

اس کے بعد گنگا اور ہمالہ کی آپس میں گفتگو ہے جو ہنوز ناتمام ہے ۔ پھر عرض کروں گا۔ بہت سا وقت آپ کا ضائع کیا ، معاف فرمائیے ۔

آپ کا مخلص نیازمند
محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) اقبال کے نہایت ہی گہرے ، بے تکلف ، عزیز اور مخلص دوستوں میں نواب سر ذوالفقار علی خاں کا درجہ بہت ممتاز تھا ۔

وہ دبلے پتلے ، متین و سنجیدہ ، خوش اخلاق اور ہنر پرور رئیس تھے اور ثروت و امارت کے باوجود نہایت سلجھا ہوا علمی اور ادبی ذوق رکھتے تھے ۔ اقبال کے تعلقات ان سے حقیقی بھائیوں جیسے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہی تھے ۔ اپنے قلم کے ذریعے اقبال کو شاعر اور مفکّر کی حیثیت سے سب سے پہلے جس نے انگریزی خوانوں کے سامنے پیش کیا اور ان کے ذہنی اور دماغی جوہر دنیا جہان میں آشکار کیے ، وہ نواب صاحب ہی تھے ۔ ان کی مشہور کتاب "A Voice from the East"(مشرق سے ایک آواز) اقبالیات میں کلاسیک کی حیثیت اختیار کر چکی ہے ۔ اور اب تک جتنی کتابیں اقبال کے فکر و فن پر لکھی گئی ہیں ، ان میں کئی لحاظ سے منفرد ہے ۔

نواب صاحب مالیر کوٹلہ کے حکمران خاندان کے چشم و چراغ تھے ، جس کی بنیاد سلاطینِ لودھی نے رکھی تھی ۔ ولادت ۱۸۷۳ع میں ہوئی ۔ آپ کے والد نواب غلام محمد خاں ، جنھیں اپنی جاگیر میں فوجداری کے اختیارات بھی حاصل تھے ، آپ کے بچپن ہی میں انتقال کر گئے تھے ۔ اس لیے جاگیر کا انتظام کورٹ آف وارڈس کے سپرد رہا ۔ آپ کی ابتدائی تعلیم چیفس کالج لاہور میں ہوئی ، جہاں سے سند حاصل کرکے آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے ۔ ایف ۔ اے کا امتحان پاس کرتے ہی ۱۸۹۷ع میں بغرضِ تعلیم یورپ چلے گئے ۔ کچھ عرصہ پیرس میں تعلیم پائی ، پھر انگلستان جا کر کیمبرج میں داخلہ لے لیا ۔ قریباً تین سال یورپ میں تعلیم و تربیت حاصل کی ۔ ۱۹۰۰ع میں وطن واپس آئے لیکن مالیر کوٹلہ کے بجائے لاہور کو مستقر بنایا ۔ وہیں مستقل سکونت اختیار کی ۔ آپ کی شادی نواب سر امیر الدین خاں والیِ لوہارو کی حقیقی بھانجی سے ہوئی ، جس سے اولاد بھی ہوئی ۔

نواب صاحب کو عوام کی خدمت کرنے اور ملک کے سیاسی اور اقتصادی امور میں دلچسپی لینے کے بے شمار مواقع ملے۔ ہندو مسلم اتحاد کے آپ ہمیشہ خواہش مند رہے مگر یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔ آپ نے بمبئی کے مشہور سیاست دان اور ادیب مسٹر مالاباری کے انگریزی رسالے ''ایسٹ اینڈ ویسٹ'' میں کئی مضامین لکھے۔ مسٹر مالا باری کے انتقال کے بعد ''ایسٹ اینڈ ویسٹ'' کی عنانِ ادارت عملاً سردار امراؤ سنگھ، سردار جوگندر سنگھ اور نواب ذوالفقار علی خاں ہی کے ہاتھوں میں رہی، جس کی بدولت علمی اور سیاسی حلقوں میں آپ کا خاصا رسوخ ہو گیا۔ اس سلسلے میں آپ کی ملاقات علامہ اقبال سے ہوئی جو ذوق و مشرب کی یگانگت کے باعث بعد میں گہری اور مخلصانہ دوستی کی صورت اختیار کرگئی۔ یہ دوستی مثالی سمجھی جاتی تھی۔

غرض چند ہی برسوں میں نواب صاحب کے اخلاص و مروت اور اعلیٰ خاندانی اخلاق نے لاہور کے لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ آپ کا دولت خانہ، جس کا نام اقبال نے ''زر افشاں'' رکھا تھا، لاہور کی اعلیٰ سوسائٹی کا مجلسی مرکز تھا، جہاں اکثر معززینِ شہر اور مقتدر سرکاری حکام ٹینس کھیلنے اور چائے پینے کے لیے مدعو کیے جاتے تھے۔ ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی سبھی سے آپ کے پُرخلوص روابط تھے، جن میں ڈاکٹر اقبال کے علاوہ سردار سر جگندر سنگھ، سردار امراؤ سنگھ شیر گل اور مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لا بہت نمایاں تھے۔ چودھری محمد حسین بھی پریس برانچ کی ملازمت سے پہلے نواب صاحب ہی سے وابستہ تھے۔ اور نہ صرف پنجاب چیفس ایسوسی ایشن کے کاروبار میں نواب صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے بلکہ ان کے صاحب زادوں، رشید علی خاں اور

خورشید علی خاں کے اتالیق بھی تھے - چودھری صاحب کا ربط ضبط ڈاکٹر اقبال سے یہیں بڑھا، جو اس کے بعد روز افزوں ہوتا گیا - اقبال نے اپنی وصیت میں جن لوگوں کو اپنی جائداد کا متولی مقرر کیا تھا، ان میں ایک چودھری صاحب بھی تھے جو اس اعتماد کے ہر طرح اہل ثابت ہوئے -

۱۹۰۹ع میں نواب صاحب امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر تمام عمر مجالسِ آئین ساز کے رکن رہے - آپ عرصے تک پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی کے صدر رہے - کئی سال تک انجمنِ حمایتِ اسلام لاہور کی صدارت کے فرائض انجام دیے - بیس برس تک پنجاب چیفس ایسوسی ایشن (جاگیرداروں کی انجمن) کے آنریری سیکرٹری کے عہدے پر فائز رہے -

۱۹۱۰ع میں آپ ریاست پٹیالہ کے وزیر اعظم مقرر ہوئے اور قریباً تین سال وہاں رہے - اسی زمانے میں سردار جوگندر سنگھ بھی آپ کے ساتھ پٹیالہ کے ہوم منسٹر تھے -

جدید اصلاحات نافذ ہونے پر ۱۹۲۰ع میں آپ مشرقی پنجاب کے حلقے سے کونسل آف اسٹیٹ کے رکن منتخب ہوئے اور مسلمانوں کے مسلمہ رہنما تسلیم کیے جانے لگے -

۱۹۲۶ع میں کونسل آف اسٹیٹ کی رکنیت چھوڑ کر آپ پنجاب کے مشرق وسطی مسلم حلقے کی طرف سے لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے - دوسری بار اسمبلی کے انتخاب کے وقت آپ ولایت تشریف لے جا رہے تھے، اس لیے مقابلے کے لیے کھڑے نہ ہوئے مگر حکومت نے آپ کو اس ایوانِ عالیہ کا ممبر نام زد کر دیا - اسمبلی میں آپ مدتِ دراز تک مرکزی مسلم پارٹی کے صدر رہے -

۱۹۲۸ع میں سائمن کمیشن کے ساتھ کام کرنے کے لیے جو سنٹرل کمیٹی مقرر ہوئی ، اس میں آپ بھی شریک کیے گئے ، بلکہ اسی سلسلے میں آپ ۱۹۲۹ع میں لندن بھی تشریف لے گئے ۔

۱۹۳۱ع میں آپ انڈین فرنچائز کمیٹی کے رکن نامزد ہوئے ۔ مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم کانفرنس کے آپ ہمیشہ سرگرم رکن رہے ۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں آپ مجلس استقبالیہ کے صدر تھے ۔ ۱۹۳۰ع میں آپ ہندوستان کی طرف سے مجلسِ اقوام میں ڈیلی گیٹ منتخب ہو کر تشریف لے گئے اور عرصے تک ہندوستانی وفد کی صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے ۔

ان گوناگوں سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کے باوصف نواب صاحب نے متعدد کتابیں تصنیف کیں ، جن میں ''سوانح عمری مہاراجہ رنجیت سنگھ'' اردو میں اور ''شیر شاہ سوری'' انگریزی میں اب تک بڑے شوق اور قدر سے پڑھی جاتی ہیں اور کتبِ حوالہ کا کام دیتی ہیں ۔ علامہ اقبال کے کمالاتِ شاعری پر آپ کی قابلِ قدر انگریزی کتاب ''اے وائس فرام دی ایسٹ'' (مشرق سے ایک آواز) اقبالیات میں اولین پیشکش کہی جا سکتی ہے ۔ یہ کتاب ۱۹۲۲ع میں اشاعت پذیر ہوئی ۔ اس سے پہلے اگرچہ اقبال کے متعلق مضامین کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا مگر اردو یا انگریزی کسی زبان میں کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی تھی ۔ ''سرگزشت الفاظ'' کے مصنف مولوی احمد دین کی اردو میں لکھی ہوئی کتاب کا پہلا اڈیشن یقیناً ہراول ثابت ہوتا مگر اقبال کے نزدیک اس میں کلام کا انتخاب معیاری نہ تھا کیونکہ اس وقت تک اقبال ''بانگ درا'' ترتیب نہ دے پائے تھے ، اس لیے یہ بازار میں لانے سے قبل تلف کر دیا گیا

اور اس کا دوسرا ایڈیشن حک و ترمیم کے ساتھ ''بانگ درا'' کی اشاعت کے بعد شائع ہوا ۔ پروفیسر نکلسن کے انگریزی ترجمہ ''اسرارِ خودی'' نے ، جو نواب صاحب کی کتاب کی اشاعت سے دو سال قبل ۱۹۲۰ء میں طبع ہوا تھا ، اقبال کو یورپ اور امریکہ میں روشناس تو کرا دیا تھا مگر اس ترجمے پر انگریز نقادوں کے جو تبصرے شائع ہوئے تھے ، ان سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اقبال کے پیغام کی تہہ تک نہیں پہنچ سکے ۔ چنانچہ اقبال کو خود ایک طویل خط کے ذریعے پروفیسر نکلسن اور دوسرے لوگوں کو اپنا مطلب و مفہوم واضح کرکے ان کے شکوک و شبہات رفع کرنے پڑے ۔ مگر نواب صاحب کو اقبال سے جو تعلقِ خاطر اور قربِ قریبی حاصل تھا اور افہام و تفہیم کے جو مواقع میسر تھے ، ان کے سبب وہ اقبال کے پیغام کی روح تک پہنچ گئے تھے ۔ ان کی کتاب نے انگریز مصنفوں کی غلط فہمیاں دور کرنے اور اقبال کی آواز لوگوں تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کیا ۔

یہ کتاب اول تو اقبال کی زندگی میں لکھی گئی تھی ، اور پھر ایک ایسے شخص نے لکھی تھی جس کے ہاں اقبال کی اکثر نشست و برخاست رہتی تھی ۔ ظاہر ہے کہ نواب صاحب نے اس کام کو اقبال سے پوشیدہ نہ رکھا ہوگا ۔ بلکہ اغلب یہ ہے کہ انھوں نے بعض مسائل کی پیچیدگیوں کے حل اور بعض نکات کی لطافتوں کو سمجھنے میں اقبال سے مشورہ بھی کیا ہوگا ۔ کیونکہ وہ نہایت بے تکلفی سے ایسا کر سکتے تھے ۔ وہ خود بھی دانشور تھے ، باذوق تھے اور مشرق و مغرب کے علوم سے بہرۂ وافی رکھتے تھے ۔ وہ اقبال کے عہد آفریں شعری کارناموں سے حد درجہ متاثر تھے اور خوب جانتے تھے کہ اقبال کے حیات افروز کلام نے ملک و ملت کی

نوجوان نسل کو کس طرح بیدار کیا ہے - انھوں نے کتاب کے ابتدائیہ ہی میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے :

''اگر ایران کو تختِ طاؤس پر فخر ہے اور تاجِ برطانیہ 'کوہ نور' پر ناز کرسکتا ہے ، تو اقبال یقیناً ملکِ سخن کے دربار کی زینت ہے -''

یہ کوئی جھوٹی تعلی یا خیالی بات نہیں جو یونہی جذبات کی رو میں بہہ کر کہہ دی گئی ہو - بلکہ یہ اقبال کے کلام کے گہرے مطالعے کے بعد ان تاثرات کا حقیقی عکس تھا جو شاعر نے مصنّف کے دل پر چھوڑے تھے -

اس کتاب کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں اردو فارسی کے جتنے اشعار زیر بحث آئے ہیں ، ان کا ترجمہ نواب صاحب کے ایما پر سردار امراؤ سنگھ شیر گل نے کیا ہے - وہ ایک منجھے ہوئے صحافی ، انگریزی زبان کے ایک مشہور رسالے کے ایڈیٹر اور اقبال کے نہایت مخلص دوست اور مداح تھے - ترجمہ کرنا کوئی آسان کام نہیں - ہر زبان کی اپنی خصوصیات ، اپنا مزاج ، اپنی تراکیب ، اپنے محاورے ، اپنا روزمرہ ، اپنی تشبیہات ، اپنے استعارے ، اپنی تلمیحات اور اپنے صنائع بدائع ہوتے ہیں ، جن سے پوری طرح لطف اندوز ہونا غیر زبان والوں کے بس کی بات نہیں ہوتی - یہ مشکل اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ترجمہ کرنے والی چیز اقبال جیسے عظیم شاعر اور مفکّر کی کوئی ایسی شعری تخلیق ہو جو حسین و لطیف جذبات ، جوش و سرمستی سے لبریز تخیّلات ، نازک اور عمیق افکار اور ولولہ انگیز پیغام کی حامل ہو اور مترنم بحور و قوافی میں لپٹی ہوئی ہو - سردار امراؤ سنگھ کا ان مشکلات سے کامیابی کے ساتھ

گزر جانا واقعی قابلِ تعریف کارنامہ ہے۔ ان کے ترجمے نے کتاب کی قدر و قیمت کو چارچاند لگا دیے ہیں۔ ''مشرق کی یہ آواز'' آج بھی فضا میں گونج رہی ہے اور کانوں میں رس گھول رہی ہے۔

سردار امراؤ سنگھ ہی نے برگساں سے پیرس میں علامہ کی ملاقات کا انتظام کیا تھا اور علامہ کی شاعری پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا:

''اقبال کا کلام 'بھگوت گیتا' سے کم نہیں۔ اس کا لبِ لباب یہ ہے کہ انسانی جماعت کی بقا اور ترقی کے لیے اس مذہبی فلسفے سے کام لینا چاہیے جس سے علیحدہ ہو کر اور جس کو نظر انداز کرکے سوسائٹی یکسر برباد اور تباہ ہو جاتی ہے۔ . . . اپنے دوست سر ذوالفقار کے مکان پر میں نے اقبال کو ایسی خوشگوار اور دلکش فضا میں اکثر لیٹے ہوئے دیکھا ہے جس کے محسوس کرنے کے لیے تخیّل کی ضرورت نہیں۔ ایسے لمحات میں ان کے نغمہ ہائے شیریں کے شروع ہونے سے پہلے گفتگو خود بخود بند ہو جایا کرتی ہے۔ ممکن ہے کہ بعض ایسے لوگ بھی ہوں جو ان کے ترانوں سے وجد میں نہ آتے ہوں لیکن میرے خیال میں کوئی ایسا فرد بشر نہ ہوگا۔ وہاں تو یہ کیفیت ہوتی تھی کہ عالمِ بالا کی خالص اور چمکتی ہوئی شرابِ طہور کا مزہ آتا تھا اور پیاپے جام کی طلب ہوتی تھی۔[1]

۱۔ کلیاتِ اقبال، بحوالہٗ نقشِ اقبال، ص ۷۵-۷۶۔

اقبال عام طور پر گھر سے کم ہی نکلتے تھے ۔ ضرورت کے سوا زیادہ تر خانہ نشیں رہتے تھے ۔ لیکن نواب صاحب کے ہاں اکثر جایا کرتے تھے ۔ بلکہ بعض اوقات تو نواب صاحب خود ہی موٹر بھیج کر انہیں بلا لیتے تھے ۔ پہروں نشست و برخاست رہتی تھی ۔ افسوس کہ ان صحبتوں میں شریک ہونے والے ایک ایک کرکے اس دنیا سے رخصت ہوگئے ، ورنہ ان سے دریافت کیا جاتا کہ وہاں کس قسم کی باتیں ہوتی تھیں ، حکمت کے کیسے کیسے انمول موتی رولے جاتے تھے اور کیسی کیسی گل افشانیوں میں وقت گزرتا تھا ۔ ڈیل کے واقعے کو ان خوشگوار صحبتوں کی پرچھائیں ہی کہا جا سکتا ہے ۔

نواب صاحب کی کوٹھی "زر افشاں" میں یوکلپٹس کے بہت سے درخت تھے، جن سے گوند نکلا کرتی تھی ۔ نواب زادہ خورشید علی خاں ، جن کی عمر ان دنوں کوئی نو دس سال کی ہو گی ، دن بھر ان درختوں سے گوند کھرچ کر ڈبوں میں بھرا کرتے تھے ۔ یہی ان کا دل پسند کھیل تھا ۔ نواب زادہ صاحب کا بیان ہے کہ[1] علامہ ہماری موٹر میں آتے اور اترتے ہی پیار سے مجھے بلاتے ۔ "چھوٹے میاں ! کیا کر رہے ہو ؟" میں کہتا : "گوند نکال رہا ہوں ۔" اقبال فرماتے :

"چھوٹے میاں نے گوند نکالی درخت سے"

میں کہتا "بس آپ کی شاعری ایک ہی مصرع پر ختم ہو گئی ؟" فرماتے : "ہاں بھئی ، ابھی تو ایک ہی مصرع ہوا ہے ۔" میں روز یہی شکایت کرتا کہ آپ کیسے شاعر ہیں ، دوسرا مصرع ہی نہیں

۱۔ ذکر اقبال ، ص ۲۶۵ - ۲۶۶ ۔

کہہ سکتے ۔ آخر ایک دن تشریف لائے تو فرمایا :

چھوٹے میاں نے گوند نکالی درخت سے
اور ہوگی ان کی شادی کسی نیک بخت سے

یہ چھوٹے میاں تو ۱۹۶۴ع میں انتقال کر گئے ۔ بڑے نواب زادہ رشید علی خاں مرتے دم تک اسی کوٹھی میں رہے ۔

علامہ اقبال نے ایک دفعہ فرمایا کہ میں عمر بھر کرائے کے مکانوں میں رہا ہوں ۔ جاوید منزل بھی جاوید کی ملکیت ہے ۔ میں جاوید کا کرایہ دار ہوں اور اس کو ہر ماہ کرایہ دیتا ہوں ۔ ایک دفعہ باتوں باتوں میں سر ذوالفقار علی خاں نے مجھ سے کہا کہ اپنا مکان کیوں نہیں بنواتے ؟ میں نے کہا : ''آپ جیسے سرمایہ داروں نے چار چار پانچ پانچ مکانوں پر قبضہ کر رکھا ہے ۔ ہم جیسوں کے حصے میں اپنا مکان کیسے آ سکتا ہے ؟ [۱]''

مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا بیان ہے کہ نومبر ۱۹۱۷ع میں آنریبل نواب ذوالفقار علی خاں کی نیازمندی ہمیں شام کے وقت بطریقِ تفریح و تفرّج مقبرۂ جہانگیر میں لے گئی ۔ علامہ اقبال بھی ساتھ تھے ۔ سرو و شمشاد اور سبزہ و گُل کی بہار تو وہی تھی ، جو چرخ فیروزہ گوں صدیوں پہلے دکھا چکا ہے ۔ بلکہ لارڈ کرزن کی فیاضانہ آثار پرستی کے صدقے میں گلگشت کی فضا شاید پہلے سے بھی زیادہ رونق پر ہے ۔ لیکن اس گنبد کو دیکھ کر ، جس میں جہانگیر ابن اکبر محو آرام ہے ، دل میں ہزاروں عبرت اندوز حسرتوں کا ہجوم ہو گیا ۔ علامہ اقبال نے اس وقت سوز و گداز کے لہجے میں

۱۔ ملفوظاتِ اقبال ، ۱۱۵ ۔

مولانا روم کی ایک غزل پڑھی ، جس کے یہ تین شعر ہمیں وجد میں لے آئے :

دی شیخ با چراغ همی گشت گردِ شهر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں همرهانِ سست عناصر دلم گرفت
شیرِ خدا رض و رستمِ دستانم آرزوست
گفتم که یافت می نشود جسته ایم ما
گفت آنکه یافت می نشود آنم آرزوست

(ترجمہ : کل شیخ چراغ ہاتھ میں لیے شہر کے گرد گھوم رہا تھا اور بار بار کہتا تھا کہ میں ڈھور ڈنگر اور درندوں سے تنگ آگیا ہوں ۔ میری آرزو ہے کہ مجھے کوئی انسان میسّر آئے ۔

میں اپنے سست نہاد ہمراہیوں سے برگشتہ خاطر ہو گیا ہوں ۔ اب مجھے شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دستان (زال) کے بیٹے رستم کی صحبت کی تمنا ہے ۔

میں نے جواب میں کہا ”ہم نے ہرچند تلاش کیا مگر وہ نہ ملا“ اس نے کہا ”جو تلاش کے باوجود تمھیں نہیں ملتا وہی تو ہماری آرزو ہے“) ۔

مولانا ظفر علی خاں فرماتے ہیں کہ بعدِ مغرب ہم شاہدرہ سے لوٹ کر گھر پہنچے تو یہی اشعار زبان پر جاری تھے ۔ ادبِ اُردو نے تقاضا کیا کہ ان مطالبِ عالیہ پر اس کا بھی کچھ حق ہے ۔ طبیعت کو اس مطالبے کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا ۔ چند اشعار بستر پر لیٹے ہی لیٹے موزوں ہو گئے ، جو حاضر ہیں :

میری جاں پر چھائی جاتی ہے فنا کی آرزو
اور زباں پر آئے جاتی ہے بقا کی آرزو
میں خبر جس مبتدا کی ہوں، کہاں گم ہو گیا
میری آنکھوں کو ہے میرے نقشِ پا کی آرزو
ڈھونڈتا پھرتا ہوں میں اسلام کو لے کر چراغ
کافرِ مسلم نما کو ہے خدا کی آرزو
صدق میں صدیقِ رض اکبر سے الگ میری روش
لیکن اس پر بھی صداقت کے لوا کی آرزو
عدل میں فاروق رض اعظم سے جدا میرا شعار
لیکن اس پر بھی خلافت کی قبا کی آرزو
شرم دیں میں ضد ہوں میں عثمان رض کے آئین کی
لیکن اس پر بھی اسی شانِ حیا کی آرزو
دست و پا بشکستگی پر بھی مرے دل میں رہی
زورِ بازوے علیِ رض مرتضیٰ کی آرزو
آنکھ ''ما زاغ البصر'' کی سرمہ سے بیگانہ ہو
حیف ہے پھر بھی ہو اس کو ''ماطغیٰ'' کی آرزو
''لیس للانسان الا ماسعیٰ'' کو بھول کر
آرزو میری بھی ہے کیسی بلا کی آرزو
اے مسیحا کی نوید، اے ابنِ آزر کی دعا
بلکہ خود خلاقِ اکبر کی قضا کی آرزو
اٹھ کہ ہے تیری دوا ہی تیری امت کا علاج
ملتِ بیضا کو ہے تیری دعا کی آرزو
جاگ جاگ اے نیند کے ماتے کہ تیری قوم کو
ہے اسی منزل میں اپنے رہنما کی آرزو

رات اندھیری، کارواں جنگل میں، اور چپ ہے جرس
قافلے کو ہے تری بانگِ درا کی آرزو

علامہ اقبال جب کبھی انجمنِ حمایتِ اسلام کے سالانہ اجلاس میں شریک ہونے کے لیے آتے تھے، تو نواب سر ذوالفقار علی خاں کی موٹر ہی میں ان کے ہمراہ ان کو دیکھا جاتا تھا۔ 'بانگِ درا' کے یہ اشعار شاید اسی موٹر کی یادگار ہیں:

کیسی پتے کی بات 'جگندر'[۱] نے کل کہی
موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش
ہنگامہ آفریں نہیں اس کا خرامِ ناز
مانندِ برق تیز، مثالِ ہوا خموش
میں نے کہا نہیں ہے یہ موٹر پہ منحصر
ہے جادۂ حیات میں ہر تیز پا خموش
ہے پا شکستہ شیوۂ فریاد سے جرس
نکہت کا کارواں ہے مثالِ صبا خموش
مینا مدام شورشِ قُلقُل سے پا بگل
لیکن مزاج جام خرام آشنا خموش
شاعر کے فکر کو پرِ پرواز خامشی
سرمایہ دار گرمیٔ آواز خامشی

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ نواب صاحب کی طبیعت شاید علیل تھی یا اور کوئی وجہ ہو گئی تھی کہ انھوں نے اجلاس میں آنے سے معذوری ظاہر کی۔ اقبال نے بھی کہلا بھیجا کہ میں تو نواب

۱۔ سردار سر جگندر سنگھ۔

ذوالفقار علی خاں کی صدارت ہی میں نظم پڑھوں گا۔ آخر اراکینِ انجمن کے اصرار سے مجبور ہو کر نواب صاحب اور ان کے ہمراہ علامہ اقبال جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ یہ ۱۹۱۶ع کے سالانہ اجلاس کی بات ہے۔ اقبال کے دوست منشی محمد الدین فوق مدیر ''اخبارِ کشمیری'' کے چچا منشی غلام محمد خادم بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔ انھوں نے حسبِ حال فی البدیہہ فرمایا:

اقبال و ذوالفقار کا ہو کیوں نہ احترام
تخت اور تاج دونوں انھی کے تو ہیں غلام
اقبال، ذوالفقار سے آتا ہے ہاتھ میں
وابستہ ذوالفقار ہے اقبال سے مدام

۱۹۲۱ع میں نواب صاحب نے لدھیانہ میں مسافروں کے آرام و آسائش کی خاطر ایک سرائے بنوائی اور اس کا نام ''ذوالفقار گنج'' رکھا۔ اقبال نے اس کی تاریخِ تعمیر کہی، جو سرائے کے بڑے دروازے پر کندہ کرائی گئی۔ میں نے تقسیمِ ملک سے پہلے اسے خود دیکھا تھا۔ اب پتا نہیں اس عمارت کا کیا حشر ہوا؟ خیر جو کچھ بھی ہو، عمارت رہے یا نہ رہے، البتہ اقبال کی کہی ہوئی تاریخ جریدۂ عالم پر ہمیشہ ثبت رہے گی اور اس عمارت کے ساتھ نواب صاحب کی یاد دلاتی رہے گی:

بانیِ ایں خوش بنا سر ذوالفقار
سالِ تعمیرش ز ہاتف خواستند
از فلک تاریخ چوں شبنم چکید
بر زمیں خلدِ بریں آراستند

۱۹۲۱ع

(یہاں ''آراستند'' میں الفِ ممدودہ کا ایک عدد محسوب ہوا ہے اور اقبال فارسی کی ہر تاریخ میں الفِ ممدودہ کا ایک ہی عدد لیتے تھے)۔

اقبال کے حاسد ہمیشہ حکام اعلیٰ کو اقبال سے بدظن کرتے رہتے تھے لیکن ان تمام فتنہ انگیزیوں کا سدِّ باب نواب ذوالفقار علی خاں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح اقبال عدالتِ عالیہ کے جج یا کوئی اور ایسے ہی اونچے عہدہ دار بن جائیں۔ لیکن خدا جانے آخری عمر میں کیا پیچ پڑا کہ بعض خود غرض افراد کی دراندازیوں سے ان کے درمیان بھی بعض غلط فہمیاں حائل ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ان دنوں علامہ اقبال شملہ گئے تو خلافِ معمول نواب صاحب کے بجائے ملک فیروز خاں کے ہاں ٹھہرے، حالاں کہ اس سے قبل جب کبھی شملہ جاتے تھے تو نواب صاحب ہی کی کوٹھی ''نوبہار'' میں قیام فرمایا کرتے تھے۔ میں نے بھی ۲۴-۱۹۲۳ء میں حضرتِ علامہ کے نیاز پہلی مرتبہ اسی کوٹھی میں حاصل کیے تھے۔ نواب صاحب کو علامہ کے شملہ آنے کا علم ہوا تو بہت روئے، آزردہ خاطر ہوئے اور کہا کہ میرے دوست اقبال کا کسی دوسری جگہ قیام کرنا میرے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لانے، جو دونوں کے مشترک دوست تھے، ان کے درمیان مصالحت کرانے کی سعی کی۔ دونوں کو اپنی اپنی جگہ ہموار کیا اور ایک تاریخ مقرر کرکے دونوں کو چائے پر مدعو کرنا چاہا۔ لیکن کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ اس تاریخ سے قبل ہی نواب صاحب اچانک بیمار ہو گئے اور پیشتر اس کے کہ یہ دونوں دوست آپس میں بغل گیر ہوتے، نواب صاحب ۲۶ مئی ۱۹۳۳ء کی صبح کو ڈیرہ دون میں اپنے پیدا کرنے والے سے جا

ملے - نعش مالیر کوٹلہ لائی گئی - حضرت علامہ اور مرزا جلال الدین دونوں کو اس دیرینہ مخلص دوست کے یوں ناگوار حالات میں بچھڑ جانے پر شدید صدمہ ہوا - انھوں نے فیصلہ کیا کہ کم از کم نواب صاحب کی نماز جنازہ میں تو شریک ہو جائیں اور آخری دیدار کر لیں - چنانچہ دونوں موٹر میں سوار ہو کر مارا مار مالیر کوٹلہ پہنچے لیکن میّت ان کے پہنچنے سے پہلے ہی سپردِ خاک کی جا چکی تھی - ناچار بادلِ حسرت زدہ قبر پر فاتحہ پڑھ کر واپس آ گئے -[۱]

(۲) بانگِ درا ، ص ۱۳۶ -

(۳) بانگِ درا ، ص ۳۲۶ -

(۴) یہ اشعار مثنوی 'اسرار خودی' کے سب سے پہلے اڈیشن میں صفحہ ۱۱۴ ، ۱۱۵ پر شائع ہوئے تھے - موجودہ اڈیشن میں صفحہ ۶۶-۶۷ پر ملیں گے - ترتیب بدلی ہوئی ہے - دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں ''اے نگاہت'' کی جگہ ''گفت شیخ'' کر کے یوں ترمیم کی گئی ہے :

گفت شیخ اے طائفِ چرخِ بلند
اندکے عہدِ وفا با خاک بند

دسواں شعر قلم زد کر دیا گیا ہے ، لیکن بارھواں شعر ''شرح اسرار اسمائے علی مرتضٰی رض'' میں استعمال کیا گیا ہے - (اسرارِ خودی ، طبع اول ، ص ۶۱ - موجودہ اڈیشن ص ۵۴) -

---

۱- ذکرِ اقبال ، ص ۱۸۵ ، ۱۸۶ - ملفوظاتِ اقبال ، ص ۸۳ -

(٦)

لاہور ، ۲۲ اپریل ۱۹۰۴ء

سرکار والا ! تسلیم

والا نامہ مل گیا ، جس کو پڑھ کر نہایت مسرت ہوئی۔ "سیر پنجاب" خوب لکھی ہے۔ مگر ہم تو آپ کی سیرِ پنجاب کے متعلق یہی کہتے ہیں :

دلبرے بود کہ مارا بکنار آمد و رفت

ہاں روحانی قوت اگر کچھ ہے تو آپ کے لیے حاضر ہے۔ اقبال کو دریغ نہیں۔ باقی رہے نکات ، سو میں گزشتہ نیاز نامے میں عمداً خاموش رہا۔ عمل کے طریق موجود ہیں اور ذہن میں آ چکے ہیں۔ مگر خط و کتابت سے نکات حل نہیں ہو سکتے۔ کاش آپ امسال پنجاب آتے تو اس معاملے پر زبانی گفتگو ہوتی۔ میں بغیر آپ کی تحریر کے ایک عرصے سے اس فکر میں ہوں اور ہر خدمت کے لیے حاضر۔ میں خود حاضر ہوتا مگر دوکانداری ہے اور حیدر آباد کا سفر دراز۔ چار روز کی غیر حاضری کا بھی اثر ہوتا ہے۔ کیا کروں ، ارادے بلند رکھتا ہوں مگر تکمیل کے اسباب مفقود ہیں۔ جو عمل میرے ذہن میں ہے ، وہ سفر کا مقتضی ہے اور علاوہ اس کے صبر و استقلال کا۔ ہندوستان کی آب و ہوا اس کے ناموافق ہے ، آئندہ جو ارشاد ہو۔

مرزا جلال الدین ہر وقت آپ کو یاد کرتے ہیں اور نہایت ادب سے سلام پہنچانے کو کہتے ہیں۔ وہ آپ کو خود مفصل خط لکھیں گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مخلص اقبال

(۷)

سرکارِ والا تبار !

نووارد (۱) کی عمر میں برکت !

ایک دور افتادہ مبارکباد عرض کرتا ہے ۔ تاریخی نام :

عالم پناہ مہاراجہ عالمگیر پرشاد

۱۳۳۴ھ

ماشاء اللہ خوب غزل لکھی ہے ۔

اقبال

لاہور ، ٦ جون ۱۶ع

تعلیقات

(۱) مہاراجہ نے اپنے فرزند کی ولادت کی خبر دے کر تاریخی نام کی فرمائش کی تھی ، یہ خط اسی کی تعمیل میں ہے ۔

(۸)

لاہور ، ۲۸ اگست ۱۶ع

سرکارِ والاتبار ! دام ظلکم

ایک عرصے کے بعد جناب کی خیریت اس تار سے معلوم ہوئی جو عید کے موقع پر از راہِ کمالِ مرحمت اس خاکسار کے نام بھیجا گیا تھا ۔

میں اگست کا زیادہ حصہ شملہ میں مقیم رہا ۔ وہاں سے عید کی خاطر سیالکوٹ میں آیا اور آپ کا تار لاہور سے واپس ہو کر مجھے سیالکوٹ ہی میں ملا ۔ اس سے پیشتر ایک عریضہ میں

نے ارسالِ خدمت کیا تھا ۔ معلوم نہیں سرکار تک پہنچا یا نہ پہنچا ۔ خدا کے فضل و کرم سے میں بہمہ نوع خیریت سے ہوں اور آپ کے لیے دست بدعا ہوں ۔ مفصّل خط لکھنے کی فرصت ہو تو ارقام فرمائیے تاکہ اطمینان ہو ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔

یورپ میں ایک خوفناک جنگ ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ۔ اور کیا عجب کہ یہ وہی جنگ ہو جس کا ذکر پرانی کتبِ مقدسہ میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ دنیا کو امن نصیب کرے اور اہلِ دنیا کو توفیق نصیب کرے کہ وہ مادیات سے مغلوب ہو کر روحانیت سے غافل نہ ہو جائیں ۔

آپ کا خادمِ دیرینہ
محمدؐ اقبال ، لاہور

پردہ چہرے سے اُٹھا ، انجمن آرائی کر
چشمِ مہر و مہ و انجم کو تماشائی کر
تو جو بجلی ہے تو یہ چشمک پنہاں کب تک
بے حجابانہ مرے دل سے شناسائی کر
کب تلک طور پہ دریوزہ گری مثلِ کلیم
اپنی مٹی سے عیاں شعلۂ سینائی کر
دل کو یک بین و یک اندیش تو کر لے پہلے
پھر جو ہو ذوقِ نظر ، آنکھ کو ہرجائی کر
نفسِ گرم کی تاثیر ہے اعجازِ حیات
تیرے سینے میں اگر ہے تو مسیحائی کر
ہو تری خاک کے ہر ذرے سے تعمیرِ حرم
دل کو بیگانۂ اندازِ کلیسائی کر

مل ہی جائے گی کبھی منزلِ لیلیٰ اقبال
کوئی دن اور ابھی بادیہ پیمائی کر(۱)

تعلیقات

(۱) یہ غزل 'بانگِ درا' کے صفحہ ۳۱۹ پر موجود ہے، اگرچہ بعض اشعار کی ترتیب بدلی ہوئی ہے۔ تیسرے شعر کے مصرعِ ثانی میں یوں اصلاح کی گئی ہے: ع

اپنی ہستی سے عیاں شعلہ سینائی کر

چوتھا شعر 'بانگ درا' میں موجود نہیں۔ شاید نظر ثانی کی زد میں آ گیا اور اس کی جگہ یہ شعر رکھا گیا:

پہلے خوددار تو مانندِ سکندر ہو لے
پھر جہاں میں ہوسِ شوکتِ دارائی کر

(۹)

سرکارِ والا تبار! تسلیم

والا نامہ مع رسالہ 'تزک عثمانیہ' ابھی ملا، جس کے لیے سپاس گزار ہوں۔ چند روز ہوئے ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ تک نہ پہنچا۔ بلکہ اس عریضے سے پیشتر بھی ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا، جب میں نے اخباروں میں آپ کے جدِ بزرگوار کے انتقال کی خبر پڑھی تھی۔

الحمدللہ آپ کا مزاج بخیر ہے۔ اقبال ہر حالت میں، خواہ مصروف ہو خواہ فارغ، آپ کا دعاگو ہے۔ اگست شملہ میں کٹا۔ وہاں والدۂ مکرمہ کی ناگہانی علالت کی خبر گئی تو واپس ہوا۔

الحمد للہ کہ اب ان کو افاقہ ہے ۔ مگر ان کو آرام ہؤا تو بیویاں یکے بعد دیگرے بخار میں مبتلا ہو گئیں ۔ پرسوں سے ان کو بھی آرام ہوا ۔ اب مع الخیر سیالکوٹ سے لاہور آیا ہوں ۔ کل ایک مقدمے میں پٹیالہ جاتا ہوں ۔ وہاں سے حضرت امیر خسرو کے عرس پر دہلی بھی جاؤں گا اور وہاں سے چند دنوں کے لیے گوالیار جاؤں گا ، کیونکہ مہاراجہ بہادر اقبال کی قدردانی پر مائل ہیں ۔ ان کا خیال یہی ہے کہ اس قدردانی کا عملی ثبوت دیں ۔

رسالہ ''تزک عثمانیہ'' نظر سے گزرا ۔ نہایت اچھا رسالہ ہے ۔ اور کیوں نہ ہو ، آخر کس کی سرپرستی میں نکلے گا ـــــ وہ جس کی ہنرپروری سارے ہندوستان پر روشن ہے اور جس کا مذاقِ سخن و سخن گوئی علمی دنیا میں تسلیم کی جا چکی ہے ۔ اس رسالے کی اٹھان اچھی ہے ۔ مجھے یقین واثق ہے کہ بہت ترقی کرے گا ۔ مگر حجم زیادہ ہونا چاہیے اور یہ کوشش ہو کہ حیدر آباد کے علمی حلقوں میں اس رسالے کی وساطت سے جدید مذاق پیدا ہو اور نئی پود کے ہونہار لکھنے والے وہاں کی پبلک سے ، اور علی العموم ہندوستان کی پبلک سے ، روشناس ہو جائیں ۔ پالیٹکس سے اسے مطلق سروکار نہ ہو ۔ محض ادبی رسالہ ہو ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ جی رہا ہوں ۔ دو شعر حاضر ہیں ۔ مولانا اکبر کا رنگ ہے :

دیکھیے چلتی ہے مشرق کی تجارت کب تک
شیشۂ دیں کے عوض جام و سبو لیتا ہے
ہے مداوائے جنوں نشترِ تعلیم جدید
میرا سرجن رگِ ملت سے لہو لیتا ہے[1]

مخلص محمد اقبال بیرسٹر ، لاہور

۵ ستمبر ۱۴ء

۱۔ بانگ درا ، ص ۳۳۱ ۔

(۱۰)

لاہور ۲ ، اکتوبر ۴ ۱ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

آپ کا والا نامہ مع مسودہ اردو و انگریزی ابھی موصول ہوا۔ مہاراجہ بہادر تو واقعی یورپ کی تیاریوں میں مصروف ہیں لیکن اگر سردار گورنام صاحب سے آپ کا تعارف نہیں ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ آپ کی طرف سے میرا یہ خط لے جانا غیر موزوں اور بعید از مصلحت ہے ۔ اس کی کئی وجوہ ہیں ، جن کا مفصّل ذکر اس خط میں کرنا مناسب نہیں ہے ۔ علاوہ اور باتوں کے یہ طریق آپ کی شان و عظمت کے خلاف ہے ۔ موجودہ حالات میں انسب و اولیٰ یہی ہے کہ آپ اپنا مضمون شائع کر دیں اور شائع شدہ مضمون کی چند کاپیاں سردار گورنام سنگھ صاحب و لالہ چمن لال صاحب جوڈیشل سیکریٹری ریاست اور مہاراجہ بہادر کی خدمت میں ارسال کر دیں ۔ علاوہ اس کے عام طور پر اخباروں میں بھی اس مضمون کی اشاعت ہو جائے تو بہتر ہے ۔ اس سے سکھ پبلک اور امرائے ریاست پٹیالہ کو آپ کے خیالات کا علم ہو جائے گا ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ جورِ گلچیں اٹھا رہا ہوں ، اس واسطے کہ قدرت نے مجھے رنگ و بو سے ممتاز کیا ہے :

چمن میں غنچۂ گل سے یہ کہہ کر اڑ گئی بلبل
مذاقِ جورِ گلچیں ہو تو پیدا رنگ و بو کر لے[1]

اللہ اکبر کئی دن سے نظر نہیں آئے ۔ مرزا صاحب بخیر ہیں اور آداب عرض کرتے ہیں ۔

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

۱۔ بانگِ درا ص ۲۸۲ ۔

(۱۱)

لاہور ۱۲ ، اکتوبر ۱۴ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

آپ کا نوازش نامہ ملا ۔ الحمد للہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے ۔ میری روحانی قوّت کی بھی آپ نے خوب کہی ۔ جو شخص امارت میں درویشی کر سکتا ہے وہی روحانی قوت کا حقیقی سزاوار ہے ۔ اور اس اعتبار سے روحانی قوت کا سرچشمہ آپ ہیں نہ کہ میں ۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں آپ کو لاہور کھینچوں ۔ حیدری صاحب مجھے حیدرآباد کھینچتے ہیں ۔ دل تو چاہتا ہے کہ سفر کروں مگر عدالت دو ماہ کے بعد کھلی ہے ۔ کام کا نقصان اور خرچ سفر مزید ۔ اس بار کا میں متحمّل نہیں ہو سکتا ورنہ بجائے اس کے کہ میں آپ کو لاہور کھینچوں ، میں خود حیدرآباد کھنچ آتا ۔ باقی رہے آپ ، تو آپ کے متعلق کئی صدیاں ہوئیں بابا سعدی فرما گئے ہیں : ع

ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

آپ لاہور میں تشریف لائے مگر لاہور سے آشنا نہ ہوئے ۔ کئی حالات و خیالات اس آشنائی کے مانع رہے ۔ طلائی زنجیروں کا کیا ہے ، اسیرانِ ازلی تو ان کے ساتھ بھی پابجولاں رہتے ہیں ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی آرزو بر لائے ۔ ہمیشہ دست بدعا ہوں ۔ وہاں کیا کمی ہے ۔ اس کی یاد شرط ہے ۔ مگر گھبرائیے نہیں ۔ ”وقت“ کی نسبت امام شافعی لکھتے ہیں ”تلوار“ ہے ۔ والسلام

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال بیرسٹر ، لاہور

(۱۲)

سیالکوٹ ۱۱ نومبر ۱۴ع

سرکار والا ! تسلیم

سرکار کا تار برقی پیام مبارکباد عید اور اس کے بعد منظوم عید کارڈ دونوں چیزیں مل گئی تھیں - مگر امسال میرے لیے عید محرّم کا حکم رکھتی تھی - والدۂ مکرمہ چھ سات ماہ سے بیمار تھیں ، ۹ نومبر کی صبح کو ان کا انتقال ہو گیا(۱) - ان کی علالت کی پریشانی اور بے اطمینانی کی وجہ سے اس سے پیشتر آپ کی خدمت میں خط نہ لکھ سکا - کئی دنوں سے سیالکوٹ میں مقیم ہوں - آج ان کا سوم ہے - کل یا پرسوں لاہور واپس جاؤں گا - زیادہ کیا عرض کروں ، پریشان ہوں اور بس دعا کیجیے - والسلام

آپ کا اقبال زیادہ ہو -

سائیں رب کو آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا ، ”لاتقنطوا“ فرماتے تھے -

محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) اقبال نے 'والدۂ مرحومہ کی یاد میں' جو پرسوز نظم لکھی تھی وہ 'بانگِ درا' میں (صفحہ ۲۵۲ سے ۲۶۶ تک) موجود ہے - حضرت اکبر الہ آبادی نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ کہا تھا جو مرحومہ کے لوحِ مزار پر ثبت ہے :

مادر مخدومۂ اقبال رفت

سوئے جنت زیں جہانِ بے ثبات

گفت اکبر با دلِ پر درد و غم
''رحلتِ مخدومہ'' تاریخِ وفات

۱۳۳۳ھ

حضرت اکبر نے مرحومہ کی تعزیت کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تاثرات کا اظہار بھی کیا تھا :

حضرتِ اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جو ان کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ خود آگاہی ، یہ خوش گوئی یہ ذوقِ معرفت
یہ طریقِ دوستی ، خود داریٔ با تمکنت
اس کی شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
با خدا تھے ، اہلِ دل تھے ، صاحبِ اسرار تھے
جلوہ گر ان میں انھی کا ہے یہ فیضِ تربیت
ہے ثمر اس باغ کا یہ طبع عالی منزلت
روکنا مشکل ہے آہ و زاری و فریاد کو
نعمت عظمیٰ ہے ماں کی زندگی اولاد کو
مادرِ مرحومۂ اقبال جنّت کو گئیں
چشم تر ہے آنسوؤں سے ، قلب ہے اندوہ گیں
اکبر اس غم میں شریکِ حضرتِ اقبال ہے
سال رحلت کا یہاں منظور اسے فی الحال ہے
واقعی مخدومۂ ملت تھیں وہ نیکو صفات
''رحلت مخدومہ'' سے پیدا ہے تاریخِ وفات[1]

۱۳۳۳ھ

۱۔ کلیات اکبر ، جلد دوم ۔ سوم ، مطبوعہ بزم اکبر کراچی ، ص ۴۲۱ ۔

(۱۳)

لاہور، ۲۳ نومبر ۴۷ء

سرکار والا! تسلیم

آپ کا تسلی نامہ ابھی ملا، جس کے لیے میں آپ کا نہایت سپاس گزار ہوں۔ آہ! انسان اپنی کمزوری کو چھپانے میں کس قدر طاق ہے۔ بے بسی کا نام صبر رکھتا ہے اور پھر اس صبر کو اپنی ہمت و استقلال کی طرف منسوب کرتا ہے۔ مگر اس حادثے نے میرے دل و دماغ میں ایک شدید تغیر پیدا کر دیا ہے۔ میرے لیے دنیا کے معاملات میں دلچسپی لینا اور دنیا میں بڑھنے کی خواہش کرنا صرف مرحومہ کے دم سے وابستہ تھا۔ اب یہ حالت ہے کہ ''موت کا انتظار ہے۔'' دنیا میں موت سب انسانوں تک پہنچتی ہے اور کبھی کبھی انسان بھی موت تک جا پہنچا ہے۔ میرے قلب کی موجودہ کیفیت یہ ہے کہ وہ تو مجھ تک پہنچتی نہیں، کسی طرح میں اس تک پہنچ جاؤں۔ کیا خوب کہا ہے کسی استاد نے:

ہلاک شیشۂ در خوں نشستۂ خویشم
کہ آخریں نفس عذر خواہئ سنگ است

آپ کو بھی گزشتہ ایام میں اسی قسم کے صدمات کا سامنا ہوا۔ اللہ تعالیٰ سب کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہم کو صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

گزشتہ چھ ماہ سے دل کی حالت نہایت بے اطمینانی کی ہے۔ کوئی شعر نہیں لکھ سکا ورنہ ضرور آپ کی خدمت میں ارسال کرتا۔ ہاں فارسی مثنوی ختم ہو گئی ہے۔ مطمئن ہو جاؤں تو اس کے

چھپوانے کی فکر کروں ۔ آپ کی دونوں نظمیں ماشاء اللہ نہایت اچھی ہیں ۔ ان کو ضرور شائع کیجیے ۔ پنجاب کے اخبار ''شیر پنجاب'' نے آپ کی 'پریم پچیسی' پر ایک لیڈر لکھا تھا ۔ امید کہ ملاحظے سے گزرا ہوگا ۔

خواجہ سلیم اللہ(۱) کی آمد مبارک ہو ۔ ''لاتقنطوا'' کہنے والے اپنے مواعید کے سچے ہیں ۔ یقین ہے کہ آپ کے ساتھ بھی وعدہ پورا کریں گے ۔ نظر فرمائیے کہ دنیا میں حالات و واقعات کتنی جلدی بدل رہے ہیں ۔ اس زمانے کے دس سال گزشتہ زمانے کی ایک صدی کے برابر ہیں ۔ گویا عصرِ حاضر کی رفتار عصرِ قدیم سے دس گنا بڑھ گئی ہے ۔

راکبش را می شناسد پختہ کار
تیز تر گردد سمندِ روزگار

پنجاب کی سیر کا قصد ہو تو اس کے لیے موسمِ سرما ہی مناسب و موزوں ہے ۔ پچھلے سال آپ موسمِ گرما میں تشریف لائے تھے ۔ وہ موسم موزوں نہ تھا ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، سوائے دعا کے ۔

آپ کا مخلص
محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) خواجہ سلیم اللہ سے مراد نواب سر خواجہ سلیم اللہ کے ۔ سی ۔ آئی ۔ ای نواب آف ڈھاکہ ہیں ۔ وہ ۱۸۸۴ع میں بمقام ڈھاکہ پیدا ہوئے ۔ ان کے والد بزرگوار نواب سر احسن اللہ کی

فیاضیاں نہ صرف ڈھاکہ بلکہ پورے بنگال میں مشہور تھیں ۔ ڈھاکہ کی برق روشنی ، واٹر ورکس ، شفاخانہ ، بورڈنگ ہاؤس اور یتیم خانہ وغیرہ نواب سر سلیم اللہ کی ذاتی فیاضیوں کے مظاہر ہیں ۔ آپ کا خاندان کشمیر سے ترکِ وطن کرکے ڈھاکہ میں آباد ہوا تھا ۔ اس لیے کشمیری مسلمانوں سے آپ کو خاص محبت تھی ۔ ۲۷ ، ۲۸ اور ۲۹ دسمبر ۱۹۰۸ع کو جب آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس امرتسر میں ہوا تو کشمیری مسلمانانِ پنجاب کے ایک وفد نے آپ کی خدمت میں حسب ذیل سپاس نامہ پیش کیا جسے علامہ اقبال نے پڑھ کر سنایا :

الحمد للہ ! امروز ساعتِ سعید بل روز عید کہ ما اہلِ خطہ از مختلف مقاماتِ صوبۂ پنجاب بخدمت اقدس برائے خیر مقدم جناب والا حاضر شدیم و از شرفِ ملاقات مشرف گشتیم :

اے آمدنت باعثِ آبادیٔ ما
ذکرِ تو بود زمزمۂ شادیٔ ما

پوشیدہ نیست کہ اسلاف ما بغرض سیر و سیاحت و ترقیٔ تجارت و حصولِ روزگار راہِ غربت گرفتند و از قطعۂ جنت نظیر خویش انفراق نمودہ دریں ملک ہندوستان بہ مقامات مختلفہ اقامت ورزیدند و در صورت اجنبی زندگانی می کردند ۔

ہنگامیکہ آفتابِ اقبالِ مغربیہ بہ ہندوستان طلوع نمود ، اقوامِ مختلفۂ ایں دیار از علومِ مغربیہ بہرہ اندوز گشتند ۔ دراں زماں ایں بزرگان خطہ باوجود مشکلات مہاجرت دریں راہ قدم نہادند و افتاں و خیزاں خویشتن را بجائے رسانیدند کہ امروز باعتبار علوم و فنون و حصولِ مراتب و وجاہتِ دلیویہ و ادائے فرائض

دینیہ و بہ نظر تہذیبِ اخلاق و خیر خواہیِ دولتِ انگلشیہ در صفِ اقوامِ ترقی یافتہ جاگرفتند ۔ ازاں جا کہ اہلِ خطہ را از فضلِ ایزدِ منان در ملک ہندوستان جمعیت قومی بحصول پیوستہ کشمیریانِ صوبۂ پنجاب بہ کمال آرزومندی برائے قبولیت پیٹرن بحضور والا عرض رسان اند و امیدوارند کہ جناب والا از منظوریٔ این درخواست جملہ برادرانِ خطہ را مشکور و ممنون سازند و در انصرام ضروریات قومی و حفاظت حقوقِ اہلِ خطہ بیشتر از پیشتر سعی فرمایند ۔

ما ازاں خیر خواہیِ دولتِ برطانیہ کہ از طریق عمل جناب ظاہر و ثابت شدہ است و می شود برخود می نازیم ۔

از بیمِ جان و مال ہراساں نہ گشتہ ای
این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

گورنمنٹ عالیہ کہ از راہِ الطافِ خسروانہ اعزاز بزرگ یعنی عہدۂ ممبر کونسل ہائے جناب والا صفات را عطا فرمودہ است ، ما اہلِ خطہ شکریۂ این نعمت عطا کردن نمی توانیم و بدرگاہ خداوند کریم دعا می کنیم کہ حکومتِ برطانیہ را بر جادۂ مستقیم برقرار دارد ۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمیں باد !"

نواب صاحب نے اس سپاس نامے کا جواب انگریزی میں دیا ۔ اپنے ہم وطنوں کے غربت میں آکر مل جانے پر خوشی کا اظہار کیا اور ان کی قومی انجمن کا مربی بننا منظور فرمایا ۔ پھر کانفرنس کے صدارتی خطبے میں کہا :

"ڈھاکہ امرتسر سے سینکڑوں منزل پر واقع ہے مگر میں یقین کرتا ہوں ، اور یقین کرنے کی کافی وجوہ میرے پاس

موجود ہیں ، کہ میں اپنے وطن میں ہوں ۔ میرا خیال ہے کہ امرتسر کی آبادی پنجاب میں بہ لحاظ کشمیری آبادی کے بہت زیادہ ہے اور اپنے خواص اور پیداوار اور صنائع کے اعتبار سے ثانیٔ سرینگر ہے ۔ اور شاید آپ حضرات واقف ہوں گے کہ میں کشمیری الاصل ہوں ۔ اس حیثیت سے اپنے موجودہ وطن سے جس قدر آگے بڑھوں گا ، اصلی وطن کشمیر مجھ سے قریب ہوتا جائے گا ۔''

(مجلۂ اقبال ، لاہور ، اپریل ۱۹۵۶ع)

نواب صاحب وائسریگل کونسل کے ممبر بھی تھے ۔ مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ حیدر آباد کس مقصد سے گئے تھے ۔ ان کا انتقال ۱۶ جنوری ۱۹۱۶ع کو کلکتہ میں ہوا ۔ میت ڈھاکہ لائی گئی اور پورب دروازہ لین میں ان کے خاندانی قبرستان میں دفن کی گئی ۔

(۱۴)

لاہور ، ۵ دسمبر ۱۴ع

سرکار والا ! تسلیم

چند روز ہوئے عریضہ لکھ چکا ہوں مگر جواب نہیں ملا ۔ خدا کرے مزاج بخیر ہوں ۔ اپنی خیریت اور دیگر حالات سے آگاہ فرمائیے ۔ اقبال دست بدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش و خرم رکھے اور مقاصد میں کامیاب فرمائے ۔

مخلص محمدؐ اقبال

(۱۵)

لاہور ، ۱۷ دسمبر ۱۴ء

سرکار والا ! خط لکھ چکنے کے بعد آپ کا خط مل گیا تھا ۔ اس واسطے نئی اردو کی اصطلاح میں حرفِ شکایت واپس لیتا ہوں ۔ آج آپ کا دوسرا خط ملا ۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے ۔ مولانا اکبر کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ خواجہ نظامی میرِ دکن میں مصروف ہیں ۔ اورنگ آباد سے خلد آباد کی زیارت مقصود ہوگی ۔ انقلابِ وزارت کی خبر بھی اخباروں میں پڑھی تھی :

"تغیر روز کا کچھ دید کے قابل نہ تھا نرگس
بتا پھر کس کے نظارے کو تو نے آنکھ کھولی ہے ؟"(۱)

بہر حال اگر تغیر قابلِ دید بھی ہو تو امیر مرحوم کا اصول عمل کے قابل ہے :

دیکھ جو کچھ سامنے آجائے ، منہ سے کچھ نہ بول
آنکھ آئینے کی پیدا کر ، دہن تصویر کا

خادمِ مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) یہ شعر اقبال کی اُس غزل کا ہے جس کا مطلع یہ ہے :

لڑکپن کے ہیں دن ، صورت کسی کی بھولی بھولی ہے
زباں میٹھی ہے ، لب ہنستے ہیں ، پیاری پیاری بولی ہے

مگر یہ انھوں نے اپنے کلام میں شامل نہیں کی ۔ پوری غزل "باقیاتِ اقبال" میں دیکھی جا سکتی ہے ۔ (ص ۴۰۳ - ۴۰۶) ۔

(۱۶)

لاہور، ۲۸ دسمبر ۱۴ء

سرکارِ والا! تسلیم

آپ کا نوازش نامہ عین اس وقت ملا جب کہ میں سیالکوٹ سے لاہور کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ والدۂ مرحومہ کا چہلم تھا جو بخیر و خوبی ختم ہوا۔ ابھی لاہور پہنچا ہوں۔

نظم 'ست بچن' نہایت عمدہ ہے مگر مجھے اس کی اشاعت میں صرف اس وجہ سے تامل ہے کہ اس خیال کی اشاعت آپ کی طرف سے کئی دفعہ ہو چکی ہے۔ نظم میں بھی اور نثر میں بھی۔ اعادہ بسا اوقات ٹھوکر کا باعث ہو جاتا ہے اور پڑھنے والا ممکن ہے کہ تکرار کو کسی اور وجہ پر محمول کرے۔ لیکن اگر اشاعت مطلوب ہو تو اس میں جو شخصی عنصر ہے، اسے نکال ڈالیے اور باقی اشعار پر نظرثانی فرما لیجیے، کیونکہ بعض بعض جگہ کئی الفاظ کھٹکتے ہیں۔

ہاں واقعی باوجود گردش ''آسمان'' وہیں ہے، مگر مطمئن رہیے گا، ''عثمان'' بھی وہی ہے۔ پہلے عریضے میں حضرت امیر مرحوم کا ایک شعر لکھ چکا ہوں۔ نظرباز اس پر عمل پیرا ہوا کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ 'تزک عثمانیہ' کے لیے کچھ نہیں لکھ سکا۔ مگر قانونی مشاغل میں اشعار کے لیے کہاں سے وقت نکلے۔ ''دل اور دماغ'' دونوں کام کرنا چاہتے ہیں مگر ''پیٹ'' کا حکم ہے کہ ہماری رضا کے بغیر ایک خیال یا ایک تاثر اپنے اندر نہ داخل ہونے دو۔ عجب کشمکش کی حالت ہے، مگر شکایت نہیں کہ ہمارے مذہب میں شکایت ہی کفر ہے۔ بہرحال ان تعطیلوں میں چند فارسی اشعار نظم ہو گئے تھے۔ اگر پسند ہوں تو 'تزکِ عثمانیہ'

میں طبع فرمائیے (۱) ، (دوسرا صفحہ ملاحظہ فرمائیے) - زیادہ کیا عرض کروں بجز اس کے کہ زندہ ہوں -

آپ کا مخلص
محمد اقبال ، لاہور

خوش آنکہ رختِ خرد را ز شعلۂ می سوخت
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت
تو ہم ز ساغر مے چہرہ را گلستاں کن
بہارِ خرقہ فروشی بصوفیاں آموخت
دلم تپید ز محرومیٔ فقیہ بزرگ
کہ پیر میکدہ جامے بفتویٔ نفروخت
عجب مدار ز سرمستیم کہ پیرِ مغاں
قبائے رندیِ حافظ بقامتے من دوخت
مسنج قدر سرود از نوائے بے اثرم
ز برق نغمہ تواں حاصل سکندر سوخت
صبا بہ مولدِ حافظ سلامِ ما برساں
کہ چشم نکتہ وراں خاک آں دیار افروخت

تعلیقات

(۱) یہی غزل حضرت علامہ نے ۲۸ جنوری ۱۹۱۵ع کو مولانا گرامی کی خدمت میں بھی بھیجی تھی اور لکھا تھا کہ ''میں نے یہ اشعار سرکشن پرشاد صاحب کو لکھے تھے کہ وہ رسالہ 'تزکِ عثمانیہ' میں انہیں شائع کرنا چاہتے تھے -''

یہ غزل 'پیامِ مشرق' میں بعض تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہو چکی ہے - مثلاً پہلے شعر کے مصرعِ اولیٰ میں ''ز شعلۂ می سوخت'' کی جگہ ''بشعلۂ می سوخت'' ہے - تیسرے شعر کے پہلے

مصرع میں ''فقیہ بزرگ'' کی جگہ ''فقیہ حرم'' ہے ۔ چوتھا شعر غزل سے خارج کر دیا گیا ہے ۔ آخری شعر میں ''مولد حافظ'' کو ''گلشن ویمر'' بنا دیا گیا ہے ۔ (مکاتیب اقبال بنام گرامی ، صفحہ ۱۰۱ - ۱۰۲) ۔

(۱۷)

لاہور ، ۱۹ جنوری ۱۵ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

دونوں والا نامے یکے بعد دیگرے موصول ہوئے ۔ الحمد للہ کہ جناب والا بخیر و عافیت ہیں ۔ 'پریم پچیسی' کی کاپی جو جناب نے ارسال فرمائی تھی ، اب میز پر نہیں ملتی ۔ بعد از تلاش یہ عریضہ لکھتا ہوں اور ملتجی ہوں کہ ایک کاپی اس کی اور ارسال فرما کر ممنون فرمائیے تا کہ اسے دوبارہ پڑھوں اور تعمیل ارشاد کروں ۔

''شخصی عنصر'' سے مراد وہ اشعار ہیں جن میں مصنف کے ذاتی حالات و اکتساب فیوض کا اشارہ ہے یا ذکر ہے ۔ میں نے یہ لفظ خود وضع کیا تھا ۔ اردو زبان میں مروج نہیں ہے ۔ انگریزی میں اس مطلب کو اصطلاح Personal Element سے واضح کرتے ہیں ۔

زیادہ کیا عرض کروں ، سوائے اس کے کہ دست بدعا ہوں ۔ والسلام ۔

اخباروں میں سر علی امام صاحب کے متعلق متضاد خبریں پڑھنے میں آتی ہیں ۔

آپ کا نیاز مند
محمدؐ اقبال بیرسٹر ، لاہور

(۱۸)

لاہور ، ۲۱ فروری ۱۵ء

سرکارِ والا ! تسلیم

نوازش نامہ ابھی ملا جس کے لیے سراپا تشکر ہوں ۔ دردِ گردہ کا دورہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے کئی دن تک صاحبِ فراش رہا ۔ اسی وجہ سے عریضۂ نیاز نہ لکھ سکا ۔ اس سے پہلے ایک عریضہ لکھا تھا جو ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا ۔ اس خط سے سرکار کی خیریت معلوم ہوئی ۔ الحمد للہ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے اب اچھا ہوں ۔ دورہ جاتا رہا ، میں باقی رہ گیا ۔ مبارک باد کی آوازیں تو آنے لگیں ۔ اصلی مبارک باد میں بھی دیر نہیں ۔ سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہے ، جس کے آستانے پر آپ کا قدم محکم ہے ۔ پھر کس بات کی کمی ہے ۔ اپنے اپنے وقت پر سب کچھ ہو رہے گا ۔ میں آپ کے لیے دست بدعا ہوں ۔ حیدری صاحب کا کوئی خط ایک عرصے سے نہیں آیا ۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ان کے متعلق ایک نہایت افسوس ناک خبر سنی تھی ، جو خدا کرے غلط ہو ۔ بوجہ اس تعلق کے جو مجھ کو ان سے ہے ، یہ خبر سن کر مجھے سخت تردد ہوا تھا ۔ مگر بعد میں کچھ معلوم نہ ہوا کہ حیدری صاحب کہاں ہیں اور کس شغل میں ہیں ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔

آپ کا خادمِ دیرینہ
محمدؐ اقبال ، لاہور

(۱۹)

لاہور، ۱۱ مارچ ۱۵ء

سرکار والا تبار! بندۂ کمترین اقبال نیاز مندِ دیرینہ آداب عرض کرتا ہے۔

سرکار کا والا نامہ ابھی چند منٹ ہوئے ملا۔ استفسارِ حالات کے لیے ازبس سپاس گزار و مرہونِ منت ہوں۔ مجھے دردِ گردہ کوئی دو سال سے ہوتا ہے۔ پانچ چھ ماہ کے بعد دورہ ہو جاتا ہے۔ اب کے خلافِ توقع زیادہ عرصے کے بعد ہوا۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ دورہ رخصت ہو گیا، میں باقی ہوں۔ آپ نے از راہِ ذرہ نوازی و بندہ پروری جس اندازِ کریمانہ سے میری خیر و عافیت دریافت کی، اس کے لیے نہایت شکر گزار ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے اب بالکل اچھا ہوں اور آپ کے لیے دست بدعا ہوں۔ وہاں سے اقبال آج تک تو کبھی مایوس نہیں پھرا، دیکھیں اب اس کا نخلِ دعا بارآور ہوتا ہے یا نہیں۔ عقیدہ تو یہی ہے کہ مایوس نہ پھرے گا، کیونکہ جنابِ احدیت کو ایک دفعہ اس کی ایک شاعرانہ بات پسند آ گئی تھی۔ استفسار فرماتے تھے کہ "تو تو گناہ اور ہر قسم کے فسق و فجور کا دل دادہ تھا، پھر تو نے اسے ترک کیوں کر دیا حالانکہ قویٰ بھی اچھے خاصے تھے؟ بندۂ قدیم نے عرض کیا کہ شیطان کی نجات کی خاطر۔ اب اوروں کو بھی یہی پیام دیتا ہوں کہ گناہ چھوڑ دو، اس واسطے کہ بیچارے ابلیس کی نجات کا اور کوئی ذریعہ نہیں، سوائے اس کے کہ کوئی انسان گناہ نہ کرے اور اس طرح وہ راندۂ درگاہ اپنے بہکانے کے کام میں ناکام ہو کر آخرکار کامیاب ہو جائے۔ قصہ مختصر یہ بے تکلفی امید دلاتی ہے۔ یقین ہے

کہ اپنے بندے کی بے نیازی کا پاس کرکے اپنی بے نیازی سے کام نہ لیں گے۔

حیدری صاحب کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا، اس کو پڑھ کر اطمینان ہوا۔ اگر آپ نے کچھ نہیں سنا تو یقیناً وہ خبر جھوٹ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا فضل و کرم کرے۔

مسٹر محمد علی(۱) ایڈیٹر ''ہمدرد'' و ''کامریڈ'' سے سنا تھا کہ حیدرآباد کی وزارت پر مسٹر گلینسی(۲) ممتاز ہوں گے۔ سید علی امام صاحب کو ان کی نیابت آفر کی گئی تھی مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ معلوم نہیں یہ خبر کہاں تک صحیح ہے۔ سید علی امام سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا ورنہ ان سے دریافت کرتا۔ اب چند روز میں دہلی جاؤں گا تو ان سے دریافت کروں گا۔ بظاہر یہ خبر غلط معلوم ہوتی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ کل میر رضی دانش کا ایک شعر پڑھا تھا۔ تنہا لطف نہیں آتا، آپ کو بھی سناتا ہوں۔ اس پر غزل لکھیے:

ز ساقی بادہ می گیرم بپائے تاک می ریزم
ندارم فکر خود میخانہ را آباد می سازم

للہ در من قال۔

لاہور کا سفر ضرور کیجیے مگر سرما میں۔

بندۂ درگاہ محمدؐ اقبال، لاہور

تعلیقات

(۱) رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر (ولادت ۱۸۷۸ع) انگریزی کے زبردست انشا پرداز، اردو کے قادر الکلام شاعر، نڈر

صحافی ، آتش بیان مقرر ، ماہر سیاست دان ، ہندوستان کی آزادی کے سچے علم بردار اور مسلمانوں کے محبوب رہنما تھے ۔ قومی اور ملکی تحریکات میں حصہ لینے کی پاداش میں قید بھی ہوئے ، صحت بھی برباد کی اور زندگی کی ہر متاع بے دریغ قربان کر ڈالی ۔ اقبال کے حیات افروز کلام سے بے حد متاثر تھے ۔ یورپ اور انگریزی خواں طبقے میں اقبال کو روشناس کرانے میں مولانا کا بہت بڑا حصہ ہے ۔

تحریکِ خلافت کے قائد کی حیثیت سے مولانا لاہور تشریف لائے تو اقبال سے ملنے ان کی قیام گاہ پر بھی گئے ۔ اقبال ان دنوں انارکلی والی بیٹھک میں رہتے تھے ۔ مولانا نے اقبال کو ملامت کی کہ ظالم ! تم نے لوگوں کو گرما کر ان کی زندگی میں ہیجان پیدا کر دیا ہے اور خود یہاں سے اٹھ کر عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتا ۔

اقبال نے کہا ''آپ بھی عجیب آدمی ہیں ۔ آپ کو معلوم نہیں کہ میں قوم کا قوال ہوں ۔ اگر قوال خود ہی وجد و حال میں شریک ہو کر ہُو حق میں تہ و بالا ہونے لگے تو قوالی ہی ختم ہو جائے ۔ اس کو تو مجلس میں رہ کر بھی مجلس سے الگ ہی رہنا اور دوسروں کو جوش دلانا چاہیے ۔''

دسمبر ۱۹۱۹ع میں جب مولانا محمد علی چار سال کی نظر بندی کاٹ کر کانگرس اور خلافت کے اجلاس میں شریک ہونے کے لیے امرتسر آئے تو اقبال بھی وہاں پہنچے ۔ راستے میں چند شعر ہو گئے جو اقبال نے علی برادران کو مخاطب کرتے ہوئے جلسے میں پڑھ کر سنائے ۔ یہ شعر ''بانگِ درا'' میں ''اسیری'' کے عنوان سے موجود ہیں ، جن میں کہا گیا ہے کہ قید ہونے والے کی فطرت بلند ہو تو قید اس کا مرتبہ بڑھا دیتی ہے ۔ ابرِ بہار کی بوند ہی کو دیکھو

کہ سیپی میں بند ہو کر موتی بن جاتی ہے اور عزت و آبرو پاتی ہے۔
(بانگِ درا ، ص ۲۸۶)

پھر ۱۹۲۰ء میں جب مولانا ایک وفد کے ہمراہ برطانیہ کے وزیرِ اعظم لائڈ جارج کے سامنے خلافت کا مسئلہ پیش کرنے ولایت گئے اور ناکام لوٹے تو اقبال نے اس دریوزہ گری کو باعثِ ننگ قرار دیا اور کہا :

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی
"مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

یہ اشعار بھی "دریوزہ گریِ خلافت" کے زیرِ عنوان "بانگِ درا" میں شامل ہیں۔ اصل فارسی شعر میں ، جس کو تضمین کیا گیا ہے ، "دیگراں" کی جگہ 'ناکساں' ہے ، مگر اقبال نے ارادةً لفظی تغیر کیا ہے۔

مولانا پہلی گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لیے انگلستان گئے۔ وہاں مشرق کی حمایت میں مغرب سے لڑتے ہوئے ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو لندن میں انتقال کیا اور سید امین الحسینی مفتیٔ اعظم فلسطین کے اصرار پر انھیں مسجدِ قدس کے ایک حجرے میں ، جو مشرقی جانب ہے ، دفن کیا گیا۔ اقبال نے انتہائی دلسوزی سے اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا :

یک نفس جانِ نزارِ او تپید اندر فرنگ
تا مژہ برہم زنیم از ماہ و پروین در گزشت

اے خوشا مشتِ غبارِ او کہ در جذبِ حرم
از کنارِ اندلس از ساحلِ بربر گزشت
خاکِ قدس او را باغوشِ تمنا در گرفت
سوے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گزشت
می نہ گنجد جز بآن خاکی کہ پاک از رنگ و بوست
بندۂ کو از تمیزِ اسود و احمر گزشت
جلوۂ او تا ابد باقی بچشمِ آسیاست
گرچہ آں نور نگاہی خاور از خاور گزشت

مندرجہ بالا اشعار اقبال کے کسی مجموعے میں موجود نہیں ۔
(باقیات اقبال ، ص ۳۵۴)

(۲) مسٹر گلینسی انڈین سول سروس کے ایک قابل انگریز افسر تھے ۔ یہ وہی مسٹر گلینسی ہیں جنھیں تحریک کشمیر کے دنوں میں کشمیریوں کے حقوق و مطالبات معلوم کرنے کے لیے ایک تحقیقاتی کمیشن کا نگران مقرر کیا گیا تھا ۔ انھوں نے اپنی رپورٹ میں کئی سفارشات پیش کیں جنھیں عملی جامہ پہنایا گیا ۔

(۲۰)

۲۸ مارچ ۱۵ء

سرکارِ والا ! تسلیمات عرض کرتا ہوں

والا نامہ مل گیا تھا ، جس کے لیے سپاس گزار ہوں ۔ یہ آپ کی نوازش ہے کہ اقبال کو یاد فرماتے ہیں ، ورنہ کہاں اقبال اور کہاں شاد !

ہردوار کے سفر کی مبارک ہو ۔ پنجاب کی طرف تشریف لانے

کا قصد ہو تو مطلع فرمائیے ۔ یہاں ہر آنکھ آپ کی منتظر ہوگی ۔ حق آزادی اور پابندی دونوں کی طرف ہے اور یہی حق کا خاصہ ہے کہ ہر طرف ہو :

"صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انھی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے"[1]

'پریم پچیسی' کی کاپیوں کے لیے شکر گزار ہوں ۔ 'تزک عثمانیہ' غلطی سے منشی نے واپس کر دیا مگر اس کا بھی قصور نہیں ، کیونکہ میں نے انھیں یہی حکم دے رکھا تھا کہ قانونی رسالوں کے علاوہ جو رسائل وی ۔ پی ۔ آئیں ان کو واپس کر دیا کرو ۔ اس کو یہ معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ رسالہ آپ کی طرف سے آیا ہے ۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے درویش ۔

بندۂ درگاہ محمدؐ اقبال

(۲۱)

لاہور ، ۱۲ اپریل ۱۵ء

سرکار والا ! تسلیم

فسخ عزم سفر مبارک ! خواجہ نصر اللہ (۱) کی تسمیہ خوانی مبارک !

"نصر من اللہ و فتح قریب"

آپ آزادی کی تلاش میں حیدرآباد سے باہر جاتے ہیں مگر آپ کو کوئی چھوڑے بھی ۔ ہم تو اسی خیال سے اپنے جذب دل

۱۔ بانگ درا ، ص ۲۸۲ ۔

سے بھی کام نہیں لیتے کہ ایسا نہ ہو جذبِ دل کو شرمسار ہونا پڑے۔

پھول کانٹوں کے علائق سے گریزاں ہے مگر میں تو پھول سے ہم کنار ہوں:

"اگر منظور ہو تجھ کو خزاں ناآشنا رہنا
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے" (۲)

مرزا صاحب (۳) آداب عرض کرتے ہیں۔ وہ گوالیار کی ریاست میں ملازم ہوگئے۔ امروز و فردا میں وہاں جانے والے ہیں۔ شاہ صاحب بھی آج کل لاہور سے باہر ہیں۔ کوئی مرید انھیں بھگا لے گیا۔

نیازمند دیرینہ
محمدؐ اقبال، لاہور

تعلیقات

(۱) خواجہ نصراللہ، مہاراجہ کے ایک فرزند کا نام تھا جو کسی مسلمان بیگم کے بطن سے تھا۔ اس کی تسمیہ خوانی اسلامی طریقے پر ہوئی تھی۔

(۲) 'بانگِ درا' کے صفحہ ۲۸۱ - ۲۸۲ پر ایک نظم "پھول" کے عنوان سے ہے۔ خط میں دیے گئے دونوں مصرعے اس میں موجود تو ہیں مگر دو الگ الگ شعروں میں جو حسبِ ذیل ہیں:

تمنا آبرو کی ہو اگر گلزارِ ہستی میں
تو کانٹوں میں الجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے

اگر منظور ہو تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
جہانِ رنگ و بو سے پہلے قطعِ آرزو کر لے

(۳) مرزا جلال الدین بیرسٹر ایٹ لا ۔

(۲۲)

لاہور ، ۵ مئی ۱۵ء

سرکارِ عالی ! تسلیم

نوازش نامہ مل گیا تھا مگر یہ نیاز مندِ قدیم عارضۂ بخار میں مبتلا ہو گیا ، اس وجہ سے تحریرِ عریضہ سے محروم رہا ۔ اب خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھا ہوں ۔ امید کہ سرکارِ والا کا مزاج بخیر ہوگا ۔ سرکار کا ارشاد ہے : خدا کے لیے جلد بلوائیے ۔ میری عرض ہے : خدا کے لیے وہیں قیام فرمائیے اور لیل و نہار کا رنگ چشمِ عبرت سے ملاحظہ فرمائیے ۔ واقعی سرکار عالم ملکوت میں غالب کے ہم سبق تھے ۔ اسی واسطے تو میری عرض ہے کہ شاد غالب ہے ۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا ۔ یہی اقبال کی دعا ہے اور خدا جانے اور کتنے نفوس ہوں گے جن کے دم کی آمد و شد اسی دعائے با برکت سے وابستہ ہے ۔ آپ حیدرآباد کی گرمی سے گھبراتے ہیں ۔ غنیمت ہے کہ حیدرآباد کرۂ نار کی سرحد پر ہے ۔ یہاں کرۂ نار کے اندر بیٹھے ہیں ۔ اس موسم میں خدا لاہور کی تپش سے بچائے ۔ امسال کشمیر کا قصد ہے بشرطیکہ حالات نے مساعدت کی ۔[۱]

وابستۂ دولت ، خاکسار محمدؐ اقبال
بیرسٹر ایٹ لا ، لاہور

۱۔ اس خط کے بارے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اپنی عام عادت کے بالکل برعکس اقبال نے اس خط میں کہیں بھی نقطہ نہیں ڈالا ۔

(۲۳)

لاہور ، ۲۱ مئی ۱۵ء
سرکارِ والا تبار ! تسلیم

سرکار کا نوازش نامہ مل گیا تھا ، جس کی ظریفانہ ٹون نے بڑا لطف دیا ۔ چوکڑہ ہانکنے سے تو بخار دفع ہوتا ہے بلکہ ہر قسم کے دکھ درد سے نجات ملتی ہے ۔ اگر یہ امر باعثِ امراض ہوتا تو قائلینِ پنج تن کو صاحبانِ تثلیث سے زیادہ موقع شکایت کا ہوتا ۔ مگر الحمد للہ کہ پنجتنی تندرست و توانا ہیں اور انشاء اللہ ایسے ہی رہیں گے ۔ آمین !

بخار معمولی ملیریا تھا ۔ دو چار روز رہ کر اتر گیا تھا ۔ اب خدا کے فضل و کرم سے بالکل تندرست ہوں ۔ البتہ لاہور کی گرمی سے سخت گھبرا رہا ہوں ۔ جون کے مہینے میں اگر فرصت کے دو ہفتے مل گئے تو کشمیر چلا جاؤں گا ۔ آج کل وہاں کا موسم نہایت دلفریب ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی بی ۔ اے ۔ اور ایم ۔ اے کے کاغذات میرے پاس ہیں ۔ آج کل امتحانوں کے دن ہیں ۔ اس کام کو ادھورا چھوڑ کر لاہور سے باہر نہیں نکل سکتا ۔ مئی کے آخر تک اس کام سے فرصت ہو جائے گی ۔

معلوم نہیں آپ نے کبھی کشمیر کی سیر کی ہے یا نہیں ۔ میں نے محض اس کے نزدیک کے مناظر دیکھے ہیں ۔ ہر قدم پر قدرت کی دلفریبیاں نظر آتی ہیں ۔ مجھے یقین ہے کہ اگر سرکار وہاں کی سیر کریں تو پنجتنی مذہب کو چھوڑ کر ضرور شش امامی ہو جائیں ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، دست بدعا اور گوش برآواز ہوں ۔

آپ کے اہل کاروں میں سے ایک صاحب مضطر تخلص دو چار

روز ہوئے لاہور میں ملے تھے - دکن جا رہے تھے - دیر تک آپ کا ذکر خیر ان سے رہا - والسلام

نیازمندِ کہن ، محمدؐ اقبال

(۲۴)

لاہور ، ۱۹ جون ۱۵ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

نوازش نامہ کل مل گیا تھا - پنجتنی راسخ الاعتقاد ہوں تو ایسے کا مقام گرما حیدرآباد ہے اور سرما کوہِ مولا علیؓ - پنجتنی نسبت کو اس حد تک نبھانا آپ کا حصہ ہے - مشکل کشا مہماتِ امور میں سرکار کے ساتھ ہوں - آمین !

یونیورسٹی کا کام تو ختم ہو گیا تھا اور شہزادی دلیپ سنگھ(۱) کا تار بھی چند روز ہوئے آیا تھا کہ جلد کشمیر آؤ ، مگر سردار جوگندر سنگھ(۲) جن کی معیت میں سفرِ کشمیر کرنے کا قصد تھا ، شملے میں بیمار ہو گئے - اس واسطے خطۂ جنت نظیر کشمیر کو خیرباد کہنا پڑا - اب لاہور کی حرارت ہے اور میں - ستمبر میں یہاں سے نکلنا ہو تو ہو - آپ آزادی چاہتے - آہ !

وہ چیز نام ہے جس کا جہاں میں آزادی
سنی ضرور ہے ، دیکھی کہیں نہیں میں نے(۳)

لیکن اس کی ضرورت ہی کیا ہے بلکہ پابندی قیود یا یوں کہیے کہ قید افضل ہے :

ہر کہ تسخیرِ مہ و پرویں کند
خویش را زنجیریٔ آئیں کند

باد را زندان گل خوشبو کند
قید بو را نافۂ آھو کند(۴)

یہ صورت ہو تو میں آپ کی آزادی کے لیے کیوں کوشش کروں ؟

سنا ہے حضورِ نظام شملہ تشریف لانے والے ہیں - کل اخبار میں بھی دیکھا تھا :

''رموز مملکتِ خویش خسرواں دانند''

خواجہ حسن نظامی نے آپ کا نام ''خماری شاہ'' رکھا ، آپ کے مناسبِ حال ہے - مگر میں آپ کو ''جلالِ بخاری'' کہتا ہوں کہ کشن پرشاد کا ہم عدد ہے(۵) - زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ اقبال آپ کے ساتھ ہو -

محمدؐ اقبال

لاہور ، ۱۹ جون ۱۵ع

تعلیقات

(۱) شہزادی دلیپ سنگھ کا نام بمبا رانی تھا - مہاراجہ رنجیت سنگھ کی پوتی اور کنور دلیپ سنگھ کی بیٹی تھی - کرنل سدرلینڈ سے بیاہی گئی ، جو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کا پرنسپل اور مشہور سرجن تھا - شہزادی نے زندگی کا بیشتر حصہ ماڈل ٹاؤن لاہور میں گزارا اور فوت ہو کر جیل روڈ والے انگریزوں کے قبرستان میں دفن ہوئی - مولانا گرامی نے اس کی وفات پر یہ قطعہ کہا :

اے دختِ دلیپ سنگھ اے دُرِ یتیم
اے نکتہ شناسِ بندگی آزادی

اے نورِ نگاہِ پادشاہ پنجاب
از تختِ شہنشہی کجا افتادی
ہر چیز کہ در کانِ نمک شد نمک است
ضرب المثل آمد اے شہنشہ زادی

بڑی مخیر اور خدا ترس خاتون تھی - اپنی کوٹھی بھی ایک مسلمان کاردار کو بخش گئی - حضرتِ علامہ کی اتنی عقیدت مند تھی کہ حقہ بھروا کر خود ان کے سامنے رکھتی تھی - اکثر ان کے ہاں آیا کرتی تھی - فنونِ لطیفہ کی بے حد دلدادہ اور قدردان تھی - مصوری کے بعض بیش قیمت اور نادر نمونے اس کے پاس تھے ، جو آج کل قلعہ لاہور کے عجائب گھر کی زینت ہیں - (مکاتیبِ اقبال بنام گرامی ، ص ۱۷۱ - ۱۷۲) -

(۲) سردار جوگندرسنگھ (ولادت ۱۸۷۷ع) پنجاب کے بہت بڑے جاگیردار ، سکھوں کے لیڈر ، پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور اقبال کے جگری دوست تھے - انگریزی کے مشہور رسالے ''ایسٹ اینڈ ویسٹ'' کی ادارت میں سردار امراؤ سنگھ شیر گل اور نواب سر ذوالفقار علی خاں کے ساتھ یہ بھی شریک تھے - ۱۹۱۹ع میں حکومت نے انھیں ''سر'' کا خطاب دیا - ریاست پٹیالہ اور پنجاب میں کچھ عرصہ وزیر بھی رہے - انگریزی میں انھوں نے بہت سے مضامین اور کتابیں لکھیں جن میں 'کملا' اور 'نور جہاں' قابلِ ذکر ہیں - نہایت خوش باش ، وضعدار اور ملنسار آدمی تھے - ان کے ہاں ہر وقت دوستوں کی محفل جمی رہتی تھی اور اقبال کے ساتھ ان کی نوک جھونک اکثر مزہ دیتی تھی -

ایک مرتبہ سر جوگندر سنگھ ، اقبال اور مرزا جلال الدین

بیرسٹر ایٹ لا نواب ذوالفقار علی خاں کی نئی موٹر میں بیٹھ کر شالا مار باغ کی سیر کو گئے ۔ راستے میں سر جوگندر سنگھ نے نہایت حیرت سے کہا کہ نواب صاحب کی موٹر کس قدر خاموش واقع ہوئی ہے ، ذرا شور نہیں کرتی ۔ بس اتنی سی بات اقبال کے لیے نظم کا بہانہ بن گئی اور ان کی نکتہ سنج طبیعت نے اس سے نہایت عمدہ عمدہ مضامین پیدا کیے کہ یہ بجلی کی طرح تیز اور ہوا کی طرح خاموش ہے ۔ اور اسی پر کیا منحصر ہے ، زندگی کے راستے میں ہر تیز پا خاموش ہوتا ہے ۔ گھنٹی شور مچاتی ہے ، اس لیے چل نہیں سکتی ۔ خوشبو کا قافلہ صبا کی طرح خاموشی سے ہر طرف رواں دواں رہتا ہے ۔ صراحی قلقل کرتی اپنی جگہ ٹھہری رہتی ہے ، لیکن پیالہ خاموشی کے ساتھ گردش کرتا رہتا ہے ۔ شاعر کے تخیل کے لیے خاموشی پر پرواز بن جاتی اور اس کی آواز میں گرمی اور تاثیر پیدا کرتی ہے ۔ (بانگِ درا ، ص ١٩٦ ۔ تلمیحاتِ اقبال ، از سید عابد علی عابد ، ص ١٨) ۔

The Indian Year Book and Whos' Who, 1939-40, pp. 1024-1025).

(٢) نظم ''سرگزشتِ آدم'' جب پہلی مرتبہ رسالہ 'مخزن' ستمبر ١٩٠٤ء میں شائع ہوئی تھی تو یہ شعر اس میں موجود تھا ۔ 'بانگِ درا' کی ترتیب کے وقت بعض دوسرے اشعار کے ساتھ یہ بھی حذف کر دیا گیا ۔ (بانگِ درا ، ص ٨٠ - ٨١ ۔ باقیاتِ اقبال ، مرتبہ عبدالواحد معینی / محمد عبداللہ قریشی ، ص ٣٣٥ - ٣٣٦) ۔

(٣) یہ اشعار مثنوی 'اسرارِ خودی' میں تربیتِ خودی کی تین منزلیں ـــ اطاعت ، ضبطِ نفس اور نیابتِ الٰہی ـــ بیان کرتے ہوئے اطاعت کے ذیل میں کہے گئے ہیں کہ سچی آزادی

پابندی سے حاصل ہوتی ہے - یہاں مظاہرِ قدرت سے مختلف چیزیں بطور مثال پیش کرکے بتایا ہے کہ :

جو شخص چاند تاروں کو تسخیر کرتا ہے ، وہ بھی اپنے آپ کو ایک ضابطے کا پابند بنا لیتا ہے -

ہوا پھول میں قید ہو کر خوشبو بن جاتی ہے - بو ہرن کی ناف میں بند ہوکر نافے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور یوں مشامِ جان کو معطر کرتی ہے -

(۵) ابجد کے حساب سے ''جلال بخاری'' اور ''کشن پرشاد'' کے اعداد واقعی برابر یعنی ۸۷۷ ہیں - لیکن یہ محض تفنن کے طور پر کہا گیا ہے ، ورنہ اس میں کوئی خاص بات نہیں کیونکہ مہاراجہ کشن پرشاد کا تاریخی نام ''فرزندِ فرخندہ'' تھا جو ۱۲۸۰ ھجری کے برابر ہے -

(۲۵)

لاہور ، ۱۴ جولائی ۱۵ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم مع التکریم

نوازش نامہ مل گیا تھا ، جس کے لیے سپاس گزار ہوں - الحمد للہ کہ سرکار پنجتن کی محبت میں پختہ ہیں اور اس کو کمال تک پہنچانے کے متمنی - مگر افسوس کہ میں اس پر قائم رہنے کے لیے مجبور ہوں - الناس علیٰ دینِ ملوکہم -

آزادی کی تشریح آپ نے خوب فرمائی - میں بھی آپ کے لیے اسی آزادی کا آرزومند ہوں - یعنی صنوبر کہ پابندِ باغ بھی ہے اور آزاد بھی - گرمی کی شدت سے لاہور والے تنگ آ گئے - بارش

نہیں ہوتی ۔ سنا ہے ادھر اُدھر اور شہروں میں کچھ پانی برسا ہے مگر لاہور کا خطہ ابھی تک محروم ہے ۔ گرمی کے موسم میں کشمیر کی سیر ہو اور آپ کے ہمرکاب تو اس سے بڑھ کر اور کیا مسرت ہو سکتی ہے ۔ خدا نے چاہا تو کبھی یہ موقع بھی آ جائے گا ۔ آپ خماری شاہ(۱) ہیں ۔ دعا کیجیے ۔ گزشتہ ہفتہ گھر والوں کی علالت کی وجہ سے بہت پریشانی میں گزرا ۔ اب خدا کا فضل ہے ۔

نور چشموں کی تسمیہ خوانی کے لیے مبارک کہتا ہوں اور تہہِ دل سے آپ کی خوشی میں شریک ہوں ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ کل سے مومن استر آبادی کا یہ شعر پڑھ رہا ہوں ۔ یقین جانیے کہ سینکڑوں دفعہ پڑھ چکا ہوں :

"اے کہ گوئی عشق را درمانِ ھجراں کردہ اند
کاش می گفتی کہ ھجراں را چہ درماں کردہ اند"

خادمِ خماری شاہ ، محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) خواجہ حسن نظامی دہلوی کا قاعدہ تھا کہ وہ ہر سال بعض خاص شخصیتوں کو خطابات عطا فرمایا کرتے تھے ۔ چنانچہ انھوں نے ۱۹۱۵ء میں اقبال کو 'سرّالوصال' کا ، منشی محمد الدین فوق کو 'وحدتی' کا اور مہاراجہ سر کشن پرشاد کو 'خماری شاہ' کا خطاب دیا ، جو ان کے رجحانِ طبع کی نشاندہی کرتا ہے ۔ اقبال کو "ترجمانِ حقیقت" کا خطاب میر غلام بھیک نیرنگ نے دیا تھا جسے قبولیتِ عامہ نصیب ہوئی تھی ۔

(۲۶)

لاہور، ۳۰ اگست ۱۵ء

سرکار والا! تسلیم

نوازش نامہ مل گیا ہے اور یہ بات معلوم کرکے بہت مسرّت ہوئی کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں، مگر بیوی تین ماہ سے بیمار ہیں اور انھی تفکّرات کی وجہ سے میں سرکار کے والا نامے کا جواب جلد تر نہیں لکھ سکا۔

حضور نظام کے شملہ تشریف لانے کی خبر میں نے اخبارات میں پڑھی تھی۔ بعد میں وہاں سے احباب کے خطوط بھی آئے، جن سے معلوم ہوا کہ سرکار نظام شملہ میں جلوہ افروز ہوگئے۔ عجیب عجیب افواہیں اڑ رہی ہیں۔ سنا ہے کہ حضور کو انگریز وزیراعظم رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا، جس کو حضور نے منظور نہیں فرمایا اور یہ کہا ہے کہ موجودہ انتظام درست ہے۔ مگر اصل معاملات اہلِ دل ہی کو معلوم ہو سکتے ہیں اور اس زمرے میں میں اور آپ دونوں شامل ہیں۔ ممکن ہوتا تو عرض کرتا کہ کس طرح لاہور میں بیٹھا شملہ کی باتیں سنتا ہوں۔ میرے کان وحدت الوجود کا مراقبہ رکھتے ہیں۔ اس واسطے جہاں کہیں کوئی آواز ہو، میرے کانوں میں پہنچ جاتی ہے۔ غرض یہ اسباب نہایت عمدگی سے جمع ہو رہے ہیں اور ان کے مجموعی اثر کے ظہور کا وقت بھی قریب ہے۔ میں تو وہ آدمی ہوں کہ وقت سے پہلے کسی چیز کی خواہش اور آرزو نہیں کرتا۔ معلوم نہیں اس بارے میں آپ کا خیال یا طرز عمل کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ آپ کو شاد کام رکھے کہ ناشاد اقبال کو کبھی کبھی

یاد فرما لیتے ہیں ۔ ان دنوں تفکرات کا ہجوم ہے ۔ میرے لیے دعا فرمائیے ۔ سید علی بلگرامی(۱) کی لڑکی کی شادی ہے ۔ مسز بلگرامی نے بہ سبب تعلقاتِ قریب کے ، جو سید مرحوم سے میرے تھے ، شریکِ شادی ہونے کے لیے مجھے طلب فرمایا تھا ، مگر کیا کروں ، دور افتادہ ہوں اور علائق میں گرفتار ۔ حاضر ہو سکتا تو آپ کی زیارت کا موقع خوب تھا ۔ خیر پھر سہی ۔ مثنوی فارسی عنقریب شائع ہوگی ۔ اس کا اردو دیباچہ دیکھنے کے قابل ہو گا(۲) ۔ انشاء اللہ ایک کاپی ارسالِ خدمت کروں گا ۔ والسلام

آپ کا نیازمندِ دیرینہ
محمد اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) سید علی ، ساداتِ بلگرام سے تھے - ۱۸۵۱ع میں پیدا ہوئے ۔ ان کے جدّ امجد مولوی کرامت حسین صاحب کمپنی بہادر کے گورنر جنرل کی طرف سے نواب وزیر اودھ کے دربار میں نمائندہ تھے ۔ انھوں نے اپنے بیٹوں کو کلکتے کے مدرسۂ عالیہ میں ، جو وارن ہیسٹنگز نے قائم کیا تھا ، اعلیٰ تعلیم دلائی ۔ سید علی کے والد، سید زین الدین حسن صوبۂ بہار و بنگال میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے سے ۱۸۷۵ع میں ریٹائر ہو کر ریاست حیدر آباد میں کمشنر انعام مقرر ہوئے ۔ سید علی فارسی ، عربی کی تعلیم گھر پر ختم کرکے ۱۸۶۶ع میں انگریزی مدرسے میں داخل ہوئے ۔ دو سال انھوں نے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پائی ۔ اس کے بعد ۱۸۷۴ع میں پٹنہ کالج میں شریک ہو کر کلکتہ یونیورسٹی سے بی ۔ اے کی ڈگری حاصل کی ۔ بی ۔ اے میں ان کی اختیاری زبان سنسکرت تھی ۔ دو سال قانون و ادب کی

تحصیل میں گزار کر انھیں انجینئرنگ کی تعلیم رڑکی کالج میں حاصل کرنے کے لیے طامسن اسکالرشپ ملا - ۱۸۷۶ع میں نواب سر سالار جنگ نے سید علی کو رڑکی سے بلا کر چند ماہ اپنے اسٹاف میں رکھا اور پھر تکمیلِ تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا ، جہاں ۱۸۷۹ع میں انھوں نے لندن یونی ورسٹی کا امتحان داخلہ اعلیٰ درجے میں پاس کیا - اس امتحان میں ان کی اختیاری زبان جرمن اور فرانسیسی تھی - انھوں نے کیمیا ، طبیعیات ، معدنیات اور ان کے متعلقہ مضامین کی تعلیم چند سال میں ختم کر لی -

انگلستان سے جرمنی ، فرانس اور اسپین ہوتے ہوئے کچھ مہینے اٹلی میں اطالوی زبان سیکھنے کے لیے قیام کیا - حیدر آباد پہنچتے ہی انھیں انسپکٹر جنرل معدنیات مقرر کر دیا گیا - پھر ۱۹۰۱ع تک ہوم سیکرٹریٹ ، تعلیمات اور ریلوے میں چکر لگوائے گئے - ۱۹۰۲ع میں وہ کیمبرج یونیورسٹی میں مرہٹی کے پروفیسر ہو گئے - یہ زبان انھوں نے حیدر آباد میں رہ کر سیکھی تھی - یہی نہیں وہ چودہ زبانیں ایسے لہجے میں بولتے تھے کہ یہ سب گویا ان کی مادری زبانیں تھیں - انگلستان کی یونیورسٹی نے انھیں ڈاکٹر اور ڈی لٹ کی ڈگری دی اور حکومت ہند نے ان کی علمی خدمات کا اعتراف شمس العلماء کا خطاب دے کر کیا -

'تمدنِ ہند' اور 'تمدنِ عرب' ان کے دو بڑے شاہکار ہیں جو ان کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے - ان دونوں کتابوں کا مصنّف موسیولیبان ہے - ان کتابوں کا ترجمہ انھوں نے اس طرح کیا کہ پڑھتے وقت یہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہ ترجمہ ہے - الورا کے مشہور غاروں کی بڑی چھان بین کی اور ان پر گائڈ کے طور پر ایک کتابچہ لکھا - انھوں نے فارسی اور سنسکرت کے تعلیمی فوائد

کا تقابل کر کے ان پر ایک پورا رسالہ لکھا ۔ حیدر آباد کی اقتصادی حالت اور یہاں کے معدنیات پر جو رسالہ انھوں نے لکھا اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ انھیں کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا ۔ انھوں نے قرآن مجید کا ایک ایسا اشاریہ بنوانا چاہا جس کے ذریعے سے ہر موضوع کی آیت ، سورت کے حوالے سے آسانی کے ساتھ مل سکے ۔ اسی طرح انھوں نے عربی مصنّفین کا نام وار ایک انڈکس حیدر آباد ہی میں بنوانا شروع کیا تھا جس سے ہر مصنف کی تحقیقات کا پتا چل سکے ۔ ان دونوں کتابوں کو بیروت میں طبع کرانے کا ارادہ تھا مگر یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی ۔

سید علی بلگرامی کا اخلاق نہایت بلند تھا ۔ خوشامد ان کو نہ آتی تھی ۔ مہمان نواز بہت تھے ۔ ان کی بیگم بھی خیرِ مجسم تھیں ۔ اپنے شوہر کے مہمانوں کے لیے عمدہ سے عمدہ کھانے اپنی نگرانی میں پکواتیں ۔ کیمبرج میں بھی ان کے ساتھ گئیں ۔ ہندوستانی مہمانوں کو ہندوستانی کھانے کھلاتیں ۔ اس زمانے میں جو طلبا ان کے قریب آئے وہ بعد میں بھی ان کو محبت اور احترام سے یاد کرتے رہے ۔ علامہ اقبال اور شیخ (بعد میں سر) عبدالقادر اپنی تعلیم کے زمانے میں ان کی مدارات کا خاصا لطف اٹھاتے رہے ۔ عطیہ فیضی سے اقبال کی بے تکلفی کا آغاز بھی انھی کے ہاں دعوت پر ہوا تھا ۔ عطیہ ان دنوں لندن میں تھیں ۔ ان کا سفر نامہ اخباروں میں چھپا تو ہندوستانی نوجوانوں کو ان سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا ۔ سید علی بلگرامی اور ان کی بیگم نے انھیں اپنے ہاں مدعو کیا اور دعوت دینے کا کام اقبال کے سپرد کیا ۔ عطیہ نے اس وقت تک اقبال کا نام نہ سنا تھا ۔ مگر اقبال کی خوش بیانی کامیاب رہی اور عطیہ ان کے ہمراہ کیمبرج چلی آئیں ۔ اقبال نے سید علی بلگرامی کے گھر والوں

سے عطیہ کا تعارف اس طرح کرایا جیسے وہ کوئی مقدس امانت ان کے سپرد کر رہے ہیں اور کہا کہ "اگر زندگی میں مجھے کبھی ناکامی کا خطرہ پیش آیا تو وہ اس وقت تھا جب میں مس فیضی سے ملا جنھوں نے محض آپ کے احترام میں آپ کے دعوت نامے کو رد نہ کرکے میری لاج رکھ لی"۔

سید علی بلگرامی کا انتقال ۳ مئی ۱۹۱۱ع کی رات کو اپنے ہردوئی والے مکان میں ہوا۔ بیگم بلگرامی نے انھی دیرینہ تعلقات کی بنا پر اپنی بچی کی شادی میں شرکت کے لیے اقبال کو یاد کیا تھا۔

(۲) مثنوی 'اسرارِ خودی' کا اردو دیباچہ جسے اقبال نے قابلِ دید قرار دیا ہے، صرف طبع اول میں شائع ہوا تھا مگر اس پر سخت لے دے ہوئی۔ آخر اقبال نے اسے واپس لے لیا اور بعد کے اڈیشنوں میں شامل کرنا ضروری نہیں سمجھا۔

(۲۷)

لاہور، ۹ ستمبر ۱۵ع

سرکار والا! تسلیم

والا نامہ آج صبح صادر ہوا۔ الحمد للہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے۔ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں، مگر گھر کی علالت کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فضل کرے۔

میرے عریضے کا کچھ حصہ پولیٹکل رنگ میں رنگین تھا تو اس میں تردد کی کوئی بات نہیں۔ آپ مطمئن رہیں، اقبال کبھی پولیٹیشن نہیں بنے گا۔ وہ تو ایک راز کی بات تھی جس کا کھل

جانا شاید یقینی ہے - بہر حال آپ کا اصول بہتر ہے - یعنی سکوت - میں بھی اسی پر کاربند ہو جاؤں گا - جس زمانے میں میں زندہ تھا ، یا یوں کہیے کہ زندہ دل تھا ، تو تجربے نے یہ اصول سکھایا کہ جس معشوق سے زیادہ محبت ہو ، اس سے اصولاً زیادہ بے اعتنائی کرنی چاہیے - یار لوگوں نے فرمائش کی ہے کہ ہر اصول پر ایک مفصّل رسالہ لکھا جائے کہ تماش بینوں کے لیے رہنمائی کا کام دے - سو بندہ نے ایک رسالہ موسوم بہ 'اجرا سکوت' تحریر کیا ہے ، جس میں سکوت کے ایسے ایسے دلائل پیش کیے ہیں کہ فرید الدین عطار بھی اگر رسالے کو پڑھے تو اپنے فضائلِ خاموشی کو فراموش کر جائے - وہ رسالہ سینہ بہ سینہ شائع ہوتا تھا مگر اب اس کا نشان باقی نہیں کہ وہ محرکات نہیں جو اس رسالے کی تصنیف کا باعث ہوئے - غرض کہ سکوت بڑی اچھی چیز ہے - زندگی کے ہر شعبے میں کام دیتی ہے :

بناوٹ کی بے اعتنائی کے صدقے
بڑے کام آیا مجھے دور رہنا (۱)

گرمی رخصت ہو رہی ہے ، سردی کی آمد آمد ہے - اکتوبر میں موسم خوب ہو جائے گا - آپ کو کس بات کا انتظار ہے - اس موسم میں سیاحی لطف دے گی - حضور نظام سے چند ماہ کی رخصت لیجیے ، پنجاب ہندوستان کی سیر فرمائیے ، کچھ دیکھیے کچھ دکھائیے ، پھر دیکھیے -

کل کسی ایرانی کا ایک شعر سرخوش کے 'کلمات الشعرا' میں نظر سے گزرا - مولانا اکبر کو ابھی خط لکھا ہے اور ان کو بھی اس شعر کی لذت یا دکھ میں شریک کیا ہے - آپ بھی شریک ہو جائیں :

کشیدہ ام ز جنوں ساغرے کہ ہوش نماند
دگر معاملہ با پیرِ مے فروش نماند

زیادہ کیا عرض کروں، سوائے اس کے کہ دعا کرتا ہوں۔

مخلص محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) یہ شعر اقبال کی اُس غزل کا ہے جس کا مطلع اور مقطع یہ ہیں:

عبادت میں زاہد کو مسرور رہنا
مجھے پی کے تھوڑی سی مخمور رہنا

وہ سو ناز اقبال پر کر رہے ہیں
زمانے میں ہے ان کو مشہور رہنا

مگر اقبال نے اس غزل کو رد کر دیا۔ اب ''باقیاتِ اقبال'' میں دیکھی جا سکتی ہے، (ص ۴۲۱ - ۴۲۲)۔

(۲۸)

لاہور، ۱۲ ستمبر ۱۵ع

سرکارِ والا تبار! تسلیم

ایک عریضہ پہلے ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ امید ہے کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرے گا۔ مثنوی 'اسرارِ خودی' کی ایک کاپی ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔ مجھے اس کتاب کو آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے، اس وجہ سے کہ اس کی چھپائی

وغیرہ کچھ دلکش نہیں ۔ مگر اس خیال سے کہ میں زیادہ روپیہ اس کی اشاعت پر خرچ کرنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا ، امید کرتا ہوں کہ آپ میری مجبوری کو ملحوظِ خاطر رکھ کر اس جرأت کو معاف کریں گے ۔ اگر آپ کو اس کا مضمون پسند آ جائے تو میرے لیے یہ بہترین قدر افزائی ہے ۔ زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے مسلسل کے ۔

آپ کا خادمِ دیرینہ
محمدؐ اقبال

(۲۹)

لاہور ، ۳۰ ستمبر ۱۵ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ موصول ہوا ۔ مثنوی کی رسید ملی اور سرکار کی مصروفیت کا حال معلوم ہوا ۔ مجھے اسی سے بڑی مسرّت ہوئی کہ سرکار نے اس نظم کو پسند فرمایا ۔ دوسرا حصہ انشاء اللہ باعتبار معانی کے اس سے لطیف تر ہوگا ۔ خدا فرصت دے تو اسے بھی پورا کر دوں ۔ گو ہجومِ مشاغلِ سفلی میں امید کی کمر شکستہ ہے ، تاہم جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا ۔ خیالات عجیب و غریب دل میں دورہ کرتے رہتے ہیں ۔ اگر لٹریری مشاغل اس ملک میں بطور ایک پیشے کے اختیار کیے جا سکتے تو میں اپنے موجودہ کاروبار کو مع اس کی تمام دلچسپیوں اور امیدوں کے خیر باد کہہ دیتا ۔ بہرحال جو کچھ اللہ کو منظور ۔ میرزا سلطان احمد(۱) خاں بہادر ، جو پنجاب کے مشہور مبصّر اور اہل قلم ہیں ، اس پر ریویو کر

رہے ہیں ۔ آپ کا ریویو مثنوی کو چارچاند لگا دے گا ۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر عزت اور کیا ہوگی ۔ آپ نے اور مولانا اکبر نے اُسے پسند فرمایا ، بس یہی داد میرے لیے کافی ہے ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میری محنت ٹھکانے لگ گئی ۔ سرکار کی فرمائش کے مطابق بیس نسخے آج ارسال خدمت ہوں گے ۔ مگر آپ جنسِ سخن کے جوہری ہیں ، اگر آپ اپنی بلندی سے نیچے اتر کر مشتری کی حیثیت اختیار کریں تو آپ کا اختیار ہے ۔ میں آپ کو مشتری نہیں تصور کر سکتا اور اس واسطے وی ۔ پی پارسل کرکے بھیجنا گناہِ کبیرہ سمجھتا ہوں ۔ اگر ضرورت ہو تو مزید نسخے بھی حاضرِ خدمت ہوں گے ۔

بہت سی باتیں کہنے کی ہیں مگر کیا کروں ، آپ کو دکن نہیں چھوڑتا تو مجھے پنجاب کی زنجیر سے آزادی نہیں ملتی ۔ بہرحال جس حال میں ہوں ، خوش ہوں ۔ مقدّر سے زیادہ اور وقت سے پہلے نہیں مانگتا ۔ وقت خود بخود مساعدت کرے گا ، اور مشیتِ تقدیر میں جو جو کچھ پوشیدہ ہے اسے آشکارا کر دے گا ۔ انتظار میں بھی ایک لطف ہے ۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) خان بہادر مرزا سلطان احمد مشہور مذہبی پیشوا مرزا غلام احمد بانیِ احمدی جماعت کے فرزند تھے ۔ ۱۸۵۰ع میں بمقام قادیان (ضلع گورداس پور) پیدا ہوئے ۔ تعلیم سے فارغ ہو کر محکمۂ مال سے وابستہ ہوئے ۔ نائب تحصیل دار سے ترقی کرکے پہلے

تحصیلدار اور بعد میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر ہوئے ۔ آخر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ کے عہدے سے پنشن لی ۔ ایک عرصے تک ریاست بہاول پور میں وزیرِ مالیات بھی رہے ۔ اردو ، فارسی اور عربی میں آپ کو خاصی دسترس تھی ۔ نکتہ سنجی اور مضمون آفرینی میں خداداد ذہانت پائی تھی ۔ عالمانہ اور دقیق مضامین میں آپ نے اشہبِ قلم دوڑا کر ملک بھر سے خراجِ تحسین حاصل کیا ۔ ان کے متفرق مضامین کے بارہ مجموعے ربوہ کی مرکزی لائبریری میں موجود ہیں ۔ قریباً ساٹھ کتابوں کے مصنّف تھے جن میں سے کتاب ''فنونِ لطیفہ'' اُنھوں نے اقبال کے نام ان الفاظ کے ساتھ معنون کی :

''آدابِ ایشیائی اقوام کے مطابق تحفہ ، ہدیہ اور نذر دینے کے واسطے پہلے سے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اس رواج کی پابندی سے مجھے ڈاکٹر محمد اقبال ایم ۔ اے بالقابہ سے اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ۔ اُس خلوص اور اُس روز افزوں احترام اور محبت کے اعتبار سے جو حضرت اقبال کی نسبت میرے ناچیز دل میں ہے ، یہ ادنٰی نذر پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں ۔

حضرت اقبال کی خداداد قابلیت ، کشادہ دلی اور دوست نوازی سے اُمید کرنی چاہیے کہ مجھے شرفِ قبولیت سے ممتاز فرمایا جائے گا ۔''

احقر سلطان احمد

۲۹ نومبر ، ۱۹۱۲ ع

اس کتاب میں شاعری ، فنِ تعمیر ، سنگ تراشی اور مصوری
پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے ۔

اقبال نے مثنوی 'اسرار خودی' کے جس تبصرے کا ذکر کیا ہے ، وہ مرزا صاحب نے اُس وقت لکھا جب وہ سونی پت ضلع رہتک میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر تھے ۔ یہ عالمانہ تبصرہ مجلہ 'اقبال' لاہور میں شائع ہو چکا ہے ۔ اس سے مرزا صاحب کی بالغ نظری کا ثبوت ملتا ہے ۔

مرزا صاحب کا انتقال ۲ جولائی ۱۹۳۱ع کو ہوا ۔

(۳۰)

لاہور ، ۲ نومبر ۱۵ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

ایک عرصے سے خیر خیریت معلوم نہیں ہوئی ۔ متردد ہوں ۔ اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہو گا ۔ از راہِ عنایت مطلع فرمائیے کہ اطمینانِ خاطر ہو ۔ 'اسرارِ خودی' کے دو پیکٹ ، کُل بیس جلدیں حسبِ ارشاد عرصہ ہوا ارسال کر دی گئی تھیں مگر رسید نہیں آئی ۔ مجھے اس واسطے فکر ہے کہ بعض پارسل اس کتاب کے گم ہو گئے ہیں ۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ دست بدعا ہوں ۔

آپ کا خادمِ دیرینہ
محمدؐ اقبال ، لاہور

(۳۱)

لاہور، ۱۳ نومبر ۱۵ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم

دونوں والا نامے مل گئے ہیں - دوسرے کو پڑھ کر تردد ہوا - مفصل کیفیت سے آگہی چاہتا ہوں - اگر نامناسب نہ ہو تو مطلع فرمائیے - اس عرصے میں ہمہ تن دعا ہوں - اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہمیشہ آپ کے شاملِ حال رہے -

خادمِ دیرینہ

محمدؐ اقبال، لاہور

(۳۲)

لاہور، ۱۵ دسمبر ۱۵ء

سرکارِ والا! تسلیم

سرکار کا والا نامہ مل گیا تھا مگر طبیعت علیل تھی - بخار اور نزلے سے آج افاقہ ہے - اس واسطے خط لکھنے کا حوصلہ ہوا - پرسوں 'پیغامِ صلح' (۱) میں سرکار کی ایک نظم ملاحظے سے گزری - میں نے اسی کو نیم ملاقات تصوّر کر لیا - آپ کے قلم برداشتہ نظم و نثر لکھنے پر کون ہے جو رشک نہ کرتا ہوگا؟ سائیں رب سے ملاقات ہوئی تھی - میں نے عرض حال بھی کیا تھا - کہتے تھے کہ رب ہمیشہ شاد کے ساتھ ہے، مطمئن رہیں - مگر آپ کے خط کا مضمون پڑھ کر مجھے تعجب نہیں ہوا - اس کی وجہ کبھی ملاقات ہوئی تو عرض کروں گا - مژدۂ سفر سن کر بڑی مسرت ہوئی - پچھلی دفعہ جس موسم میں سرکار تشریف لائے وہ اچھا نہ تھا - پنجاب کے لیے سردیوں کا موسم سفر کے لیے خوب ہے - فروری کا مہینہ خاص کر اچھا ہے -

بندۂ اقبال ہمیشہ آپ کے دولت و اقبال کے لیے دست بدعا ہے - اللہ تعالیٰ حوادثِ روزگار سے مامون و مصئون رکھے ، آمین!

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) 'پیغامِ صلح' جماعتِ احمدیہ لاہور کے ہفت روزہ اخبار کا نام ہے جو اب بھی شائع ہوتا ہے -

(۳۳)

لاہور ، ۲۱ دسمبر ۱۵ء

سرکارِ والا ! نوازش نامہ مل گیا ہے - اس سے پیشتر ایک عریضہ ارسالِ خدمت کر چکا تھا - امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا - کل شام خواجہ کمال الدین (۱) صاحب سے ملاقات ہوئی - وہ دیر تک آپ کے اخلاقِ حمیدہ کا ذکر ایک پرائیویٹ مجمع میں کرتے رہے - میرے لیے یہ ذکر باعثِ مسرت تھا -

آپ نے مومن مرحوم کا شعر — ''تم مرے پاس ہوتے ہو گویا'' الخ ، خوب یاد دلایا - مگر مومن مرحوم نے یہ شرط لگا دی ہے : جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا'' - اقبال انجمن و خلوت ، سفر و حضر ہر حال میں آپ کے ساتھ ہے - سنا ہے کہ مسٹر الما لطیفی (۲) برٹش انڈیا میں اپنے عہدے پر واپس آتے ہیں - کیا یہ خبر صحیح ہے ؟

آپ کے ملنے کو بہت دل چاہتا ہے مگر کوئی سبیل نہیں نکلتی ، تاہم منتظر رہتا ہوں - خدا تعالیٰ کوئی نہ کوئی رستہ

پیدا کرے گا۔ آپ کی غزل "دل چہ فروشم" 'ذخیرے' (۳) میں نظر سے گزری، خوب تھی۔ آپ بڑی سادگی اور معصومیت کے ساتھ پتے کی بات کہہ جاتے ہیں۔ ساکنانِ ملاء اعلیٰ میں اس کا چرچا ہو رہا ہے۔ مگر وہاں کی ایک پارٹی آپ کی موید ہے اور آپ کے الفاظ کی مختلف تعبیر کرتی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے تم سلامت رہو ہزار برس۔

خادمِ کہن محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) خواجہ کمال الدین مرحوم لاہور کے ایک معزز کشمیری خاندان کے فرد تھے۔ ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۳ء میں فورمین کرسچن کالج سے بی۔اے اور ۱۸۹۸ء میں لاء کالج سے وکالت کا امتحان پاس کر کے پشاور میں پریکٹس شروع کی مگر ۱۹۰۳ء میں لاہور واپس آ گئے۔ ۱۹۰۸ء تک آپ کا دفتر، انار کلی میں پیسہ اخبار کے سرے پر تھا۔ اس کے بعد کیلیاں والی سڑک (برانڈرتھ روڈ) پر احمدیہ بلڈنگس کی زمین کو آباد کیا۔

آپ کو تبلیغِ اسلام کا شوق ہی نہیں جنون تھا۔ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۱ء تک پورے ہندوستان کا دورہ کیا اور ہر حصے میں تبلیغی لیکچر دیے۔ ۱۹۱۲ء میں انگلستان روانہ ہوگئے۔ وہیں ۱۹۱۳ء میں 'ووکنگ مشن' اور 'اسلامک ریویو' جاری کیا۔ دو مرتبہ حج بھی کیا۔ پہلی مرتبہ ۱۹۱۵ء میں اور دوسری بار ۱۹۲۳ء میں لارڈ ہیڈلے کے ہمراہ، جنھیں آپ ہی نے مسلمان کیا تھا۔ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج لاہور کی بحیثیت وائس پرنسپل خدمت کی۔ علی گڑھ یونیورسٹی کے لائف ٹرسٹی تھے۔ اسلامی ہند کی تعلیمی ترقی اور

اقتصادی حالت کی اصلاح میں ہمیشہ کوشاں رہے - لارڈ ہیڈلے جب ہندوستان آئے تو آپ نے ان کے ساتھ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کا ایک بار پھر دورہ کیا - اس دورے میں حیدر آباد بھی تشریف لے گئے جہاں حضور نظام نے لندن میں مسجد تعمیر کرنے کے لیے پانچ لاکھ روپیہ مرحمت کیا -

اردو اور انگریزی میں ستر استی کے قریب مفید کتابیں تصنیف کیں ، جن سے جدید تعلیم یافتہ ہندوستانیوں اور یورپ اور امریکہ کے متلاشیانِ حق کو بے حد بصیرت حاصل ہوئی - ذاتی عقائد سے قطع نظر آپ محبت و اخلاص اور مروت و دوستی کے پیکر تھے - علامہ اقبال سے آپ کو خاص تعلقِ خاطر تھا - انجمن کشمیری مسلمانان اور انجمنِ حمایتِ اسلام میں دونوں شانہ بشانہ کام کرتے رہے ہیں -

(۲) مسٹر الہا لطیفی انڈین سول سروس کے ایک قابل فرد اور اقبال کے دوست تھے - ترقی کرکے کمشنر ہو گئے تھے - اور بھی کئی ممتاز عہدوں پر رہے -

(۳) 'ذخیرہ' حیدر آباد کا ایک مشہور رسالہ تھا جس کے مدیر ناظر الحسن ہوش بلگرامی تھے - یہ رسالہ انہوں نے ۱۹۱۵ع میں جاری کیا تھا جو تین سال تک نہایت کامیابی سے چلتا رہا - ۱۹۱۸ع میں جب ہوش صاحب ملک بدر ہوئے تو 'ذخیرہ' بھی بند ہو گیا -

(۳۴)

لاہور، ۳۰ دسمبر ۱۵ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم

خادمِ درگاہِ عالیہ خاکسار اقبال تحریرِ احوال میں ضرور سست ہے مگر اس کا دل عقیدت اور محبت اور اخلاص میں سست نہیں۔ اللہ تعالیٰ سرکار کو جزائے خیر دے کہ اس سراپا قصور کو کبھی کبھی محبت سے یاد فرما لیتے ہیں۔ آج صبح والا نامہ ملا تھا جس کو پڑھ کر ندامت بھی ہوئی اور مسرت بھی۔ اس والا نامہ کے موصول ہونے سے پیشتر ایک عریضہ لکھ چکا تھا۔ امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ اشرف سے گزر چکا ہوگا۔

میری صحت عام طور پر اچھی نہیں رہتی، کوئی نہ کوئی شکایت دامن گیر رہتی ہے۔ دوا پر مجھے چنداں اعتبار نہیں، ورزش سے گریز ہے۔ اس واسطے یہ فیصلہ کر بیٹھا ہوں کہ چلو اگر مقررہ وقت سے کچھ عرصہ پہلے رخصت ہو گئے تو کیا مضائقہ ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر کہتے رہتے ہیں کہ ورزش وغیرہ سے صحت میں اضافہ ہوگا مگر میرا جواب یہی ہوتا ہے کہ دس سال پہلے کیا اور پیچھے کیا، آخر رخصت ہونا ہے تو کیوں دوا اور ورزش کا دردِ سر خریدا جائے۔

سرکار نے جو نسخہ میرے لیے تجویز فرمایا ہے، ضرور مفید ہوگا کیونکہ مجرب ہے اور مجھے اس کے استعمال کی خواہش بھی بہت ہے، مگر نری خواہش سے کام نہیں چلتا۔ استعمال کے وسائل ضروری ہیں اور وہ مفقود، ورنہ یہ تو وہ چیز ہے کہ:

خمار بے حد من بحرہا ھمی طلبند

لندن میں ایک انگریز نے مجھ سے پوچھا : ''تم مسلمان ہو ؟'' میں نے کہا ''ہاں ، تیسرا حصہ مسلمان ہوں ۔'' وہ حیران ہو کر بولے ''کس طرح ؟'' میں نے عرض کیا کہ رسول اکرمؐ فرماتے ہیں ، مجھے تمھاری دنیا سے تین چیزیں پسند ہیں : نماز ، خوشبو اور عورت ۔ مجھے ان تینوں میں صرف ایک پسند ہے ۔ مگر اس تخیل کی داد دینی چاہیے کہ نبی کریمؐ نے عورت کا ذکر دو لطیف ترین چیزوں کے ساتھ کیا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت نظامِ عالم کی خوشبو ہے اور قلب کی نماز ۔

ایک مطربہ پنجاب میں رہتی ہے ۔ میں نے اسے کبھی دیکھا نہیں ، مگر سنا جاتا ہے کہ حسن میں لاجواب ہے اور اپنے گزشتہ اعمال سے تائب ہو کر پردہ نشینی کی زندگی بسر کرتی ہے ۔ چند روز ہوئے اس کا خط مجھے موصول ہوا کہ مجھ سے نکاح کر لو ۔ تمھاری نظم کی وجہ سے تم سے غائبانہ پیار رکھتی ہوں اور میری توبہ کو ٹھکانے لگا دو ۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ اس کارِ خیر میں حصہ لوں مگر کمر میں طاقت ہی نری کافی نہیں ، اس کے لیے دیگر وسائل بھی ضروری ہیں ۔ مجبوراً مہذبانہ انکار کرنا پڑا ۔ اب بتائیے کہ آپ کا نسخہ کیسے استعمال میں آئے ۔ مگر میں آپ کی ولایت کا قائل ہوں کہ آپ نے ایسے وقت یہ نسخہ تجویز فرمایا کہ مریض کی طبیعت خود بخود اُدھر مائل تھی ۔ نسخہ مجھے دل سے پسند ہے مگر اس کو کسی اور وقت پر استعمال میں لاؤں گا ، جب حالات زیادہ مساعد ہوں گے ۔ فی الحال سرکار کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ قادر و توانا سرکار کی تقلید کی توفیق عطا فرمائے کہ خماری شاہ کے مریدوں میں داخل ہو کر تثلیثی مذہب کو خیر باد کہہ کر ''پنجتنی'' ہو جاؤں ۔

"افوّض امری الی اللہ" کیا خوب فرمایا گیا - اس سے طبیعت کا سکون اور اطمینان بڑھتا ہے - کسی انگریزی حکیم نے کیا خوب لکھا ہے :

"The best way of getting a thing is forgetting it."

اور یہ بات افوّض امری کے وظیفے سے ہی حاصل ہوتی ہے -

زیادہ کیا عرض کروں - بہت رات جا چکی ، ۱۲ بج گئے ، اب سوتا ہوں ، اگر نیند آ گئی - پھر حاضر ہو کر باقی حالات عرض کروں گا :

گریزد از صفِ ما ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

بندۂ درگاہ ، محمد اقبال

(۳۵)

لاہور ، ۵ جنوری ۱۶ء

سرکارِ والا تبار ! نوازش نامہ پرسوں ملا تھا جس کے لیے میں شکر گزار ہوں - اس میں کچھ شک نہیں کہ بندۂ درگاہ کے خطوط تعداد میں کم ہیں لیکن اگر ایسا نہ ہوتا تو سرکار کی اقبال پروری کا ظہور کس طرح ہوتا ؟

"اقبال سفر و حضر ، انجمن و خلوت میں آپ کے ساتھ ہے -" یہ فقرہ محتاجِ تاویل نہیں ، لفظاً و معناً درست ہے اور انشاء اللہ العزیز درست ثابت ہوگا ، آمین ! آپ شاعرانہ نکتہ آفرینی نہیں کرتے ، اقبال بھی واقعات کہتا ہے اور تخیل سے کام نہیں لیتا - سرکار دکن کے قطبِ جنوبی ہیں اور اقبال قطبِ شمالی ، تو مطمئن رہیے کہ اقبال آپ کے سر پر ہے -

اس عریضے میں ایک تکلیف دیتا ہوں ۔ غفران مکان نواب میر محبوب علی خاں سے جو آپ کے تعلقات تھے ، ان کو تمام دنیا جانتی ہے ۔ آپ کو ان کے بہت سے حالات معلوم ہوں گے ۔ میری یہ خواہش ہے کہ ان کے عدل و انصاف کے متعلق کوئی نہایت دلچسپ اور معنی خیز واقعہ ، جس کو بطور حکایت کے لکھ سکتے ہوں ، بیان فرمائیے ۔ میں اسے ایک خاص غرض کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہوں ، جو ایک وقت پر آپ کو معلوم ہو جائے گی ۔

ہاں ! میری بھی دعا ہے کہ بالواسطہ معاملہ ختم ہو اور درِ دولت پر پہنچ کر شاد کی حکمتِ بالغہ سے مستفیض ہوں ۔ کئی دفعہ ارادہ کرتا ہوں کہ پنجاب سے چند روز کے لیے نکل کر دکن کی سیر کروں مگر دکانداری کی زنجیریں پاؤں میں ہیں ۔ دو چار روز کے لیے باہر نکلنے میں بھی اندیشہ ہے ، تو کجا پندرہ روز ، بیس روز یا مہینہ ۔ لیکن افوض امری الی اللہ ۔ اُسے منظور ہے تو سب کچھ ہو جائے گا ۔ انی معکم من المنتظرین ۔

"اللہ تعالیٰ آپ کو بامراد کرے" میرے پاس یہی برگِ سبز ہے ۔ قبول فرمائیے ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔

مولانا اکبر کا خط آج آیا تھا ۔ خوش و خرم ہیں ۔

بندۂ درگاہ

محمدؐ اقبال ، لاہور

(۳۶)

لاہور ، ۳۰ جنوری ۱۶ء

سرکارِ والا تبار ! آداب عرض

خواجہ حسن نظامی کے خط سے معلوم ہوا تھا کہ سرکار حیدرآباد

سے روانہ ہو گئے ۔ دو خط حیدرآباد کے پتے پر لکھے تھے ۔ اس والا نامے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آستانۂ عالی تک نہیں پہنچے ۔ اب بمبئی سے تو سرکار رخصت ہو چکے ہوں گے ۔ یہ عریضہ اجمیر شریف کے پتے پر ارسالِ خدمت کروں گا ، اس امید میں کہ آپ تک پہنچ جائے گا ۔

مگر یہ کیا کہ رخصت صرف پانچ ہفتے کی ۔ شاید پانچ کا عدد سرکار کو خصوصیت سے عزیز ہے ۔ اس سفر میں پنجاب کا حصہ نہ ہوا تو ہماری یعنی اہلِ پنجاب کی بد نصیبی ہے ۔ یقین ہے کہ اس عرصے میں سرکار نے اپنے پروگرام پر نظرثانی فرمائی ہوگی ۔ شاد کے سوا ہر باطنی جذب اثر سے خالی ہے ۔ میں تو عرصے سے یہی کہہ رہا ہوں ۔ الحمد للہ کہ اب شاد میرے ہم نوا ہوئے ۔ شیر اپنی قوت سے آگاہ نہیں ہوتا ۔ واقعی شاد کے سوائے کوئی با اثر نہیں ہے ۔ اقبال کا تجربہ تو یہی ہے ۔ اور کوئی مانے یا نہ مانے ، شاد تو ضرور تسلیم کریں گے ۔

اجمیر میں کتنے روز قیام رہے گا ؟

وقت اور حالات مساعدت کریں تو پنجاب کو شرفِ قدوم سے محروم نہ فرمائیے ۔ یہ آپ کا وطن ہے ، جس کو آپ پر اور آپ کے دودمان عالی پر افتخار و ناز ہے ۔

مولانا اکبر کا خط آیا تھا ۔ ایک شعر اس خط میں لکھتے ہیں ۔ نہایت مزے کا مطلع ہے :

”مرنے والا مر چکا اور رونے والا رو چکا
وائے بر ہستی اگر مقصودِ ہستی ہو چکا“

خدا کرے یہ عریضہ آپ تک پہنچ جائے۔ خواجہ اجمیری کی درگاہ پر مراقبہ کریں تو اس شرمندۂ عقبیٰ کو فراموش نہ کیجیے۔

خادمِ درگاہ
محمدؐ اقبال، لاہور

(۳۷)

لاہور، ۲ فروری ۱۶ء

سرکارِ والا تبار! آداب عرض

کچھ روز ہوئے سرکار کا والا نامہ آیا تھا، جس کے جواب میں میں نے اجمیر شریف کے پتے پر عریضہ لکھا تھا۔ اس خیال سے کہ عریضۂ مذکور کے وہاں پہنچنے تک سرکار بھی مع اسٹاف اجمیر شریف پہنچ جائیں گے۔ مگر اس کے بعد اطلاع نہیں ہوئی کہ سرکار کعبۂ مقصود تک پہنچے یا ابھی بمبئی میں ہی تشریف فرما ہیں۔ یہ عریضہ پھر اجمیر شریف کے پتے پر ہی ارسال کرتا ہوں۔ امید ہے کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ کیا خوب ہو اگر خواجہ اجمیری، سرکار کو اس بارگاہ[1] میں بھی حاضر ہونے کا ارشاد کریں جہاں وہ خود تشریف لائے تھے۔ خیریتِ مزاج اور پروگرام سے مطلع فرمائیے۔

خادمِ درگاہ
محمدؐ اقبال، لاہور

۱- مزارِ سید علی ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ، لاہور۔

(۳۸)

لاہور ، ۱۰ فروری ۱۶ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

سرکار کے دو تار بجواب میرے تاروں کے مل گئے ہیں ۔ خیال تھا کہ اجمیر یا آگرہ حاضرِ خدمت ہو کر نیاز حاصل کروں گا ، مگر تاروں سے معلوم ہوا کہ اجمیر میں سرکار کا قیام صرف جمعہ تک ہے اور آگرہ میں قیام کا ارادہ نہیں ۔ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ متھرا میں کے روز قیام ہے تو مقدمات کا کوئی انتظام کرتا اور حاضر ہو کر ریلوے اسٹیشن پر ہی آستان بوسی کرتا ۔ اسی خیال سے میں نے ایک عریضہ بھی اجمیر کے پتے پر ارسال کیا تھا ، جس میں سرکار کے پروگرام معلوم کرنے کی استدعا تھی ، مگر معلوم نہیں کہ وہ عریضہ سرکار تک پہنچا یا نہ پہنچا ۔ مجھے انتظار تھا کہ پروگرام مفصل معلوم ہو جائے گا ۔ مگر عریضے کا جواب نہ ملنے پر میں نے تار دیے ۔ لیکن افسوس کہ ان سے مطلب برآری ہوتی معلوم نہیں ہوتی ۔ یہ عریضہ متھرا پوسٹ کرتا ہوں ۔ اگر وہاں زیادہ روز قیام کا ارادہ ہو تو مطلع کیا جاؤں ۔ غالباً یہ عریضہ سرکار کو ہفتے کے روز مل جائے گا ۔ ہمارے یہاں چیف کورٹ کی عدالت میں یہ بڑی خرابی ہے کہ سارے ہفتے کی فہرست مجموعی طور پر پہلے شائع ہو جاتی ہے اور جب تک آخری فہرست شائع نہ ہو جائے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون سا مقدمہ کون سے دن ہو گا ۔ یہی وجہ میرے اتنے استفسارات کی تھی ، جس سے سرکار کو اس قدر زحمت ہوئی ۔ مجھے امید ہے کہ سرکار اسی فراخ دلی سے ، جو آپ کا خاصہ ہے ، یہ زحمت دہی معاف فرماویں گے ۔

زیادہ کیا عرض کروں ، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو اور آپ کے دولت و اقبال کو چشمِ زخم سے محفوظ رکھے ۔ دعا اُن حالات میں انقلاب پیدا کر سکتی ہے جن کے بدلنے کی کسی کو توقع نہیں ہوتی ۔ میں بھی دست بدعا ہوں ۔

بندۂ درگاہ ، محمدؐ اقبال ، لاہور

۱۰ فروری ، ۱۶ء

(۳۹)

لاہور ، ۸ مارچ ۱۶ء

سرکارِ والا تبار ! آداب عرض

تار موصول ہو گیا تھا ۔ الحمد للہ کہ سرکار مع الخیر حیدر آباد پہنچ گئے ۔ اب کے آپ کا سفرِ شمالی ہند مختصر رہا مگر ہوگا ضرور معنی خیز ۔ خدا جانے آپ کی نکتہ رس نگاہ نے حالاتِ مشہودہ سے کیا کیا نتائج پیدا کیے ہوں گے ۔

میں نے ایک عریضہ خواجہ حافظ شیرازی اور خواجہ حسن نظامی کے اتہامات (۱) کے متعلق لکھا تھا ۔ معلوم نہیں سرکار تک پہنچا یا نہ پہنچا ۔ اگر نہ پہنچا ہو تو مطلع فرمائیے کہ پھر وہی مضمون لکھوں ۔

پنجاب کا حال بدستور ہے ۔ گرمی کا آغاز ہے مگر یہ مارچ کے دن غنیمت ہیں ۔ کوئی دن میں شگوفے پھوٹیں گے ۔ بہار کی تیاری ہے ، جنون پھر تازہ ہوں گے ۔

میرا جنون ، جو کچھ عرصے سے مجھے فراموش کر چکا ہے ، کیا عجب کہ اس بہار میں عود کر آئے ۔ آپ بھی دعا کریں کیونکہ

آپ مستجاب الدعوات ہیں ، گو آپ کو اس کی خبر نہیں ۔ آج کل سرکار کو فرصت ہے اور مہماتِ امورِ سلطنت سے سبکدوشی حاصل ہے ۔ اگر طبیعت راغب ہو تو مرزا بیدل کا دیوان ایڈٹ کر ڈالیے ۔ حیدر آباد کے کتب خانوں میں اس کے کامل نسخے ضرور موجود ہوں گے ۔ فارسی میں آپ کی دسترس قابلِ رشک ہے ۔ اگر یہ کام زیادہ توجہ اور محنت چاہتا ہو تو اس سے سہل تر کام بھی ہے ۔ وہ یہ کہ ولی سے پہلے کے دکنی شعرا کا کلام شائع ہونا چاہیے ، مثلاً سلطان قطب شاہ ۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کے دیوان کا ایک نسخہ سرکار کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ اردو لٹریچر پر یہ ایک بہت بڑا احسان ہوگا اور مولانا آزاد مرحوم کی تحقیق میں اضافہ ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، سوائے اس کے کہ دعا کرتا ہوں ۔

خادمِ درگاہ ، محمد اقبال

تعلیقات

(۱) اقبال نے مثنوی 'اسرارِ خودی' کی اشاعتِ اول میں خواجہ حافظ شیرازی کی شاعری کو ہدفِ تنقید بنا کر چند اشعار لکھے تھے ، جنھیں خواجہ حسن نظامی نے قابلِ اعتراض قرار دے کر مخالفت کا ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا ۔ میں نے اس ساری بحث کو اپنے ایک مضمون 'معرکۂ اسرارِ خودی' میں سمیٹ دیا ہے جو مجلہ 'اقبال' لاہور میں شائع ہو چکا ہے ۔ اقبال نے مثنوی کی اشاعتِ دوم میں وہ اشعار خارج کرکے اور دیباچہ نیا لکھ کر اس بحث کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ۔ بعد کے ایڈیشنوں میں یہ دیباچہ بھی موجود نہیں :

"اس مثنوی کی پہلی ایڈیشن ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی ۔

اس دوسری ایڈیشن میں ، جو اب ناظرین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے ، بعض بعض لفظی ترمیم ہے - بعض جگہ اشعار کی ترتیب میں فرق ہے اور ایک آدھ جگہ تشریحِ مطالب کے لیے اشعار کا اضافہ ہے - لیکن سب سے بڑی ترمیم یہ ہے کہ اس ایڈیشن سے وہ اشعار خارج کر دیے گئے ہیں جو خواجہ حافظ پر لکھے گئے تھے - اگرچہ ان سے محض ایک ادبی نصب العین کی تنقید مقصود تھی اور خواجہ حافظ کی شخصیت سے کوئی سروکار نہ تھا ، تاہم اس خیال سے کہ یہ طرزِ بیان اکثر احباب کو ناگوار ہے ، میں نے ان اشعار کو نکال کر ان کی جگہ نئے اشعار لکھ دیے ہیں ، جن میں اس اصول پر بحث کی ہے جس کی رو سے میرے نزدیک کسی قوم کے لٹریچر کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا چاہیے - پہلی ایڈیشن کے اردو دیباچے کی اشاعت بھی ضروری نہیں سمجھی گئی -"

(۴۰)

لاہور ، ۳ اپریل ۱۶ء

سرکارِ عالی جاہ ! تسلیم

نوازش نامہ مل گیا تھا ، مگر میں والدِ مکرم کی علالت کی وجہ سے پریشان رہا ، اس واسطے عریضہ جلد نہ لکھ سکا - اب خدا کے فضل و کرم سے ان کو آرام آیا اور مجھے اطمینانِ قلب نصیب ہوا -

راسخ (۱) کی مثنوی شائع کرکے آپ نے ہندوستان کے فارسی لٹریچر [پر] بڑا احسان کیا ہے - راسخ کا ہر شعر نشتر ہے - میں ایک

عرصے سے اس مثنوی کی تعریف سنتا تھا ، مگر اب تک نظر سے نہ گزری تھی ۔ ناصر علی کی مثنوی بھی مشہور ہے مگر شاید اب تک شائع نہیں ہوئی ۔

ولی دکنی سے پہلے کے اردو شعرا کو ایڈٹ کرنا نہایت مفید ہوگا اور اردو لٹریچر ہمیشہ کے لیے آپ کا زیرِ بار احسان رہے گا ۔

خواجہ حافظ کے متعلق جو عریضہ میں نے آپ کی خدمت میں لکھا تھا ، افسوس کہ سرکار تک نہ پہونچ سکا ۔ میں نے اس میں یہ عرض کیا تھا کہ سرکار نے جو رائے مثنوی اسرارِ خودی کے متعلق لکھی ہے ، وہ میرے پاس محفوظ ہے ۔ کہیں شائع نہیں کی گئی اور نہ کی جائے گی ۔ مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ اس سے اختلاف ہوگا ، اور جن کرم فرماؤں نے سرسری نظر سے دیکھ کر مثنوی کی تعریف لکھ دی تھی ، میں نے اُن کی آراء کو محفوظ رکھا ، محض اس خیال سے کہ بغور پڑھنے کے بعد ممکن ہے کہ ان کی رائے تبدیل ہو جائے ۔ خواجہ حسن نظامی صاحب نے تنقیدِ حافظ کی وجہ سے اس مثنوی کو مخالفِ تصوّف سمجھا ہے اور اسی مفروضے پر ان کے مضامین کا دارومدار ہے ، جن میں مجھے اُنھوں نے دشمنِ تصوّف کہہ کر بدنام کیا ہے ۔ ان کو تصوّف کے لٹریچر کی واقفیت نہیں اور جس تصوّف پر وہ قائم ہیں ، اُس کا میں مخالف نہیں ۔ ہاں اس کے بعض مسائل کو میں صحیح تسلیم نہیں کرتا ۔ اور جس مسئلے میں میں نے اختلاف کیا ہے ، مجھ سے پہلے ہزاروں صوفی اس سے اختلاف کر چکے ہیں ۔ خواجہ حافظ کی شاعری کا میں معترف ہوں ۔ میرا عقیدہ ہے کہ ویسا شاعر ایشیا میں آج تک پیدا نہیں ہوا اور غالباً پیدا بھی نہ ہوگا ۔ لیکن جس کیفیت کو وہ پڑھنے والے کے دل پر

پیدا کرنا چاہتے ہیں ، وہ کیفیت قوائے حیات کو کمزور و ناتواں کرنے والی ہے ۔ یہ ایک نہایت طویل اور دلچسپ بحث ہے ، جو اس مختصر خط میں سما نہیں سکتی ۔ میں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کی گزشتہ دماغی تاریخ اور موجودہ حالت پر بہت غور کیا ہے ، جس سے مجھے یقین ہوگیا ہے کہ ان دونوں قوموں کے اطبا کو اپنے اپنے مریض کا اصلی مرض اب تک معلوم نہیں ہوسکا ۔ میرا عقیدہ ہے کہ ان کا اصلی مرض قوائے حیات کی ناتوانی اور ضعف ہے ، اور یہ ضعف زیادہ تر ایک خاص قسم کے لٹریچر کا نتیجہ ہے ، جو ایشیا کی بعض قوموں کی بدنصیبی سے ان میں پیدا ہوگیا ۔ جس نکتۂ خیال سے یہ قومیں زندگی پر نگاہ ڈالتی ہیں ، وہ نکتۂ خیال صدیوں کے مُضعف مگر حسین و جمیل ادبیات سے محکم ہو چکا ہے ۔ اور اب حالاتِ حاضرہ اس امر کے مقتضی ہیں کہ اس نکتۂ خیال میں اصلاح کی جائے ۔

باقی رہا خواجہ حافظ کا صوفی ہونا ، سو خواہ وہ صوفی ہوں ، خواہ محض شاعر ، ہر دو اعتبار سے ان کے کام کی قدر و قیمت کا اندازہ اور صحیح اندازہ علم الحیات کے اعتبار سے ہونا چاہیے ۔ بلکہ ہر شاعر و صوفی و نبی و مصلح کی قدر و قیمت اسی معیار سے جانچنی چاہیے ، اور جو اس معیار پر پورا اترے اُس کو اُسی وقت دستور العمل بنانا چاہیے ۔

مولانا جامی 'نفحات' میں لکھتے ہیں کہ خواجہ حافظ کے متعلق یہ بھی معلوم نہیں کہ اُنھوں نے کہیں اپنی نسبت بھی درست کی تھی یا نہیں ۔ آپ 'نفحات' نکال کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ محقق جامی ، خواجہ کے صوفی ہونے کے متعلق

کیسی محتاط رائے دیتا ہے ۔ مگر ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ خواجہ صوفی تھے یا محض شاعر ۔ کیونکہ ہر دو صورتوں میں معیارِ مقررہ پر ان کا کلام پرکھا جانا چاہیے ۔

زیادہ کیا عرض کروں ، بات طویل ہے ۔ کبھی ملاقات ہو تو مفصّل عرض کروں ۔ مجھے یقین ہے کہ تفصیل کے ساتھ سننے کے بعد آپ میرے ساتھ اتفاق کریں گے ۔ شاہ صاحب تشریف لائے تھے اور میں نے ان کو آپ کا خط دکھایا تھا ۔ کہتے تھے کہ ان کو لکھ دو کہ "میں پیر ہوں" ۔

آپ کا خادمِ مخلص
محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) میر محمد زمان راسخ سرہندی ، شاہزادہ محمد اعظم بن خلد مکان کے ملازموں اور مصاحبوں سے تعلق رکھتے اور ہفت صدی منصب پر سرفراز تھے ۔ وہ میر عماد کے فرزند ، اپنے چچا میر مفاخر حسین ثاقب کے شاگرد اور شیخ ناصر علی سرہندی کے ہم عصر تھے ۔ نازک خیال ، بلند تلاش ، پیچیدہ گو اور صاحبِ طرز شاعر تھے ۔ ان کا انتقال ۱۱۰۷ع میں سرہند میں ہوا ۔ سوخوش نے تاریخِ وفات کہی تھی :

محمد زمان راسخِ خوش خیال
دریغا بہ جان آفریں جاں سپرد
چو تاریخِ فوتش دل از عقل خواست
خرد گفت با دل کہ "راسخ بمرد"

۱۱۰۷ھ

نمونۂ کلام یہ ہے :

گر نہ بودے تاج بسم اللہ بائے بوتراب
کج کلاھی ھا نکردے بر سرِ اُم الکتاب

باد از شام غمِ بزمِ خموشاں کردیم
مشتے از سرمہ گرفتیم و پریشاں کردیم
جامۂ صبر ببالائے جنوں تنگ آمد
آنچہ از دست برآمد بہ گریباں کردیم

چشم تا برھم زنم صد آرزو گل می کند
شد رگِ خوابِ پریشاں سایۂ مژگانِ من
از زبانِ شعلہ بشنو گفتگوئے سوختن
برق بیتابی است راسخ مصرعِ دیوانِ من

زھے نگاہ تو آئینہ دار شوخیِ ناز
خیالِ لعل لبت آتش خمار گداز
بروز حشر ز یک جیب سر بروں آرد
چراغِ ھستیٔ محمود آستین ایاز

رسید شور قیامت ز تربت فرہاد
چو میل خورد بھر سنگ پائے آوازم

اقبال نے راسخ کی جس مثنوی کا ذکر کیا ہے وہ حیدرآباد دکن سے مطبع اختر دکن میں طبع ہوئی تھی -

(سروآزاد ، میر غلام علی آزاد بلگرامی ، مطبوعہ رفاہ عام پریس ، لاہور ، ۱۹۱۳ء ، ص ۱۲۸ - 'تذکرۂ شعرائے پنجاب' ، خواجہ عبدالرشید ، ص ۱۵۳ - ۱۵۴) -

(۴۱)

لاہور ، ۱۴ - اپریل ۱۶ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم مع التعظیم

والا نامہ مورخہ ۷ اپریل ابھی چند منٹ ہوئے موصول ہوا - اس سے پہلے ایک عریضہ لکھ کر ارسال کر چکا ہوں ، جس میں خواجہ حافظ اور خواجہ حسن نظامی کے متعلق عرض کیا تھا - امید کہ وہ عریضہ سرکار تک پہنچ گیا ہوگا - بات بہت طویل ہے - چند روزہ صحبت میسر آئے تو عرض کروں - آپ سے ملنے کو دل بھی چاہتا ہے مگر کیا کروں ، پا بہ زنجیر ہوں - چند روز کے لیے بھی لاہور چھوڑنا محال ہے - کسی وقت اسی قسم کے مواقع کی وجہ سے اتنا گھبراتا ہوں کہ بے اختیار موجودہ پیشے کی قیود کو توڑ تاڑ کر نکل جانا چاہتا ہوں مگر وہی مثل ہے :

چہ خورد بامداد فرزندم

مگر جس حال میں ہوں شکر گزار ہوں - شکایت میرے مذہب میں کفر بلکہ شرک ہے -

یہ مثنوی جس کا نام 'اسرارِ خودی' ہے ، ایک مقصد سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے - میری فطرت کا طبعی اور قدرتی میلان سکر و مستی و بے خودی کی طرف ہے - مگر قسم ہے اس خدائے واحد کی جس کے قبضے میں میری جان و مال و آبرو ہے ، میں نے یہ مثنوی از خود نہیں لکھی ، بلکہ مجھ کو اس کے لکھنے کی ہدایت ہوئی ہے - اور میں حیران ہوں کہ مجھ کو ایسا مضمون

لکھنے کے لیے کیوں انتخاب کیا گیا (۱) - جب تک اس کا دوسرا حصہ ختم نہ ہو لے گا ، میری روح کو چین نہیں آئے گا - اس وقت مجھے یہ احساس ہے کہ بس میرا یہی ایک فرض ہے اور شاید میری زندگی کا اصل مقصد ہی یہی ہے - مجھے یہ معلوم تھا کہ اس کی مخالفت ہوگی کیونکہ ہم سب انحطاط کے زمانے کی پیداوار ہیں اور انحطاط کا سب سے بڑا جادو یہ ہے کہ یہ اپنے تمام عناصر و اجزا و اسباب کو اپنے شکار (خواہ وہ شکار کوئی قوم ہو خواہ فرد) کی نگاہ میں محبوب و مطلوب بنا دیتا ہے ، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بد نصیب شکار اپنے تباہ و برباد کرنے والے اسباب کو اپنا بہترین مربی تصور کرتا ہے - مگر :

"من صدائے شاعرِ فرداستم"

اور :

نا امیدستم ز یاران قدیم
طور من سوزد کہ می آید کلیم

نہ حسن نظامی رہے گا نہ اقبال - یہ بیج جو مردہ زمین میں اقبال نے بویا ہے ، اُگے گا ، ضرور اُگے گا اور علی الرغمِ مخالفت بارآور ہوگا - مجھ سے اس کی زندگی کا وعدہ کیا گیا ہے - الحمد للہ !

(خط کا یہ تمام صفحہ پرائیویٹ ہے - بہتر ہو کہ اسے تلف کر دیا جائے) - زیادہ کیا عرض کروں :

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانا ابھی وہی کیفیت ہے اس کی
کبھیں سرِ رہگذار بیٹھا ستم کشِ انتظار ہوگا[۱]

۱- بانگِ درا ، ص ۱۵۲ -

اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا ۔ بچوں کو میری طرف سے دعا کیجیے ۔ مثنوی کے حصۂ دوم کے تین ابتدائی اشعار عرض کرکے اس خط کو ختم کرتا ہوں :

چوں مرا صبح ازل حق آفرید
نالہ در ابریشم عودم تپید
عشق را داغے مثال لالہ بس
در گریبانش گلِ یک نالہ بس
من همیں یک گل بدستارت زنم
محشرے بر خواب سرشارت زنم[1]

خادمِ دیرینہ محمد اقبال

تعلیقات

(۱) مثنوی "اسرارِ خودی" ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۵ء تک مختلف وقتوں میں تھوڑا تھوڑا کرکے لکھی جاتی رہی اور اس کے بعض اشعار خاص خاص دوستوں کو ، جن میں حضرت اکبر الہ آبادی ، مولانا شیخ غلام قادر گرامی ، خواجہ حسن نظامی اور مہاراجہ کشن پرشاد قابل ذکر ہیں ، ملاحظے اور مشورے کے لیے بھیجے جاتے رہے ۔ البتہ اقبال نے اسے ۱۹۱۵ء میں شائع کیا ۔ اس سے قبل یکم اگست ۱۹۱۳ء کے ہفتہ وار اخبار "توحید" میرٹھ میں ، جو خواجہ حسن نظامی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا ، اس کے چند اشعار "مثنوی اسرارِ خودی" کے عنوان سے مندرجہ ذیل تمہید اور تعارف کے ساتھ نظر آتے ہیں :

۱۔ "اسرار و رموز" (رموزِ بے خودی) ، ص ۹۶ ۔

''یہ نظم ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کی شہرۂ آفاق اور ہر دلعزیز شاعری میں ایک نئے باب کا افتتاح کرتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا روم ارشاد فرماتے ہیں ''اقبال مثنوی لکھو۔'' عرض کیا: ''مثنوی کا حق تو آپ ادا کر گئے۔'' فرمایا: ''نہیں، تم بھی لکھو۔'' التماس کی: ''آپ فرماتے ہیں خودی کو مٹاؤ اور مجھ کو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خودی قائم کرنے کی چیز ہے۔'' ارشاد ہوا: ''نہیں، ہمارا مطلب بھی یہی ہے جو تم سمجھتے ہو۔'' آنکھ کھلی تو زبان پر یہ شعر تھے، جن کو قلم بند کرنا شروع کیا۔ پہلی قسط اخبار ''توحید'' کے ذریعے شائع کی جاتی ہے، جس میں کچھ حصہ نعت کا ہے اور کچھ متفرق اشعار قیامِ خودی کی نسبت ہیں۔ نوکری کی نسبت جو کچھ جناب اقبال کے قلم سے نکلا ہے، وہ اس قابل ہے کہ دورِ حاضر کے وہ تمام نوکری پرست لوگ، جو دوسروں کی غلامی کے لیے باہمی کشمکش میں مبتلا ہیں، غور سے پڑھیں۔ ہندو کہتے ہیں کہ ہم غلام بنیں گے۔ مسلمان کہتے ہیں یہ حلقہ ہمارے کان میں ڈالنا چاہیے۔ ایسے داروگیر کے زمانے میں ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم ہندوستانیوں میں ایک نئی زندگی پیدا کرے گی۔ میں چاہتا ہوں کہ ناظرین ''توحید'' ان کو خود بھی یاد کریں اور دوستوں کو بھی یاد کرائیں۔''

(۴۲)

لاہور، ۱۰ مئی ۱۶ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم مع التعظیم

والا نامہ مل گیا تھا - سرکار نے جو ارشاد فرمایا ہے، بالکل صحیح ہے - یعنی اس بات کے ثبوت میں مَیں نے مثنوی میں کچھ نہیں لکھا کہ جو کیفیت خواجہ حافظ اپنے ریڈر کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، وہ قوتِ حیات کو ضعیف و ناتواں کرنے والی ہے - اس دعوے کے ثبوت دو طرح سے دیے جا سکتے ہیں - فلسفیانہ اور شاعرانہ - مقدم الذکر قسم کا ثبوت اس مثنوی میں کوئی نہیں کیونکہ کتاب نظم ہے اور نظم میں فلسفیانہ ثبوت پیش نہیں کیے جا سکتے - اگر یہی مضمون نثر میں لکھا جاتا تو وہ تمام ثبوت لکھے جاتے - شاعرانہ ثبوت منطقی اعتبار سے ضروری نہیں کہ صحیح ہوں - تاہم اس نکتۂ خیال سے جو کچھ ہو سکتا ہے وہ مثنوی میں جابجا موجود ہے - آپ مطالعہ فرمائیں گے تو معلوم ہو جائے گا - مسئلہ نہایت دقیق اور گہرا ہے - اور چونکہ اس کا تعلق انسان کی موجودہ اور ما بعد الموت کی زندگی سے ہے، اس واسطے ہر ایک آدمی کے لیے کسی نتیجے پر پہنچنا ضروری ہے - میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ نتیجہ بیشتر اقوامِ مشرق کے موجودہ مذاق اور میلانِ طبیعت کے خلاف ہے - لیکن مشرقِ قدیم کے حکما اس سے نا آشنا نہیں ہیں - اور یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ میں اس نتیجے پر پہنچنے میں فلاسفۂ مغرب سے متاثر ہوا ہوں -

اگرچہ میں کوئی غیر معمولی ذہانت و فطانت رکھنے والا آدمی نہیں ہوں اور نہ کوئی غیر معمولی علم رکھتا ہوں، تاہم عام

لوگوں سے علم اور سمجھ کسی قدر زیادہ رکھتا ہوں ۔ جب مجھ کو اس نتیجے پر پہنچنے کے لیے بیس سال کی ضرورت ہے تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ عام لوگ جو دنیا کی دماغی اور علمی تاریخ سے پورے واقف نہیں ، تھوڑے غور و فکر سے اس کی حقیقت تک پہنچ جائیں ۔ اعتراض کرنا دوسری بات ہے ۔ کبھی ملاقات ہوئی تو مفصل عرض کرنے کی جرأت کروں گا ۔ ستمبر میں لاہور کی انجمن حمایت الاسلام کی طرف سے ایک ڈیپوٹیشن حیدرآباد کا قصد رکھتا ہے ۔ اگر یہ ڈیپوٹیشن آیا تو ممکن ہے میں بھی ساتھ ہوں ۔ لیکن ڈیپوٹیشن کا روانہ ہونا ابھی قطعی طور پر فیصلہ نہیں ہوا ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، سوائے اس کے کہ سرکار کے لیے دست بدعا ہوں اور اطمینان کے ساتھ انقلاباتِ عالم کو دیکھ رہا ہوں ۔

آپ کا خادمِ دیرینہ محمدؐ اقبال

(۴۳)

لاہور ، ۲۸ مئی ۱۶ء

سرکارِ عالی ! تسلیم

کچھ روز ہوئے عریضہ خدمتِ والا میں لکھا تھا ۔ اس کے بعد سرکار کی خیریت نہیں معلوم ہوئی ۔ متردد ہوں ۔ دو سطریں لکھ کر خیر خیریت سے آگاہ فرمائیے ۔ لاہور میں گرمی کا زور ہے اور اس پر مس گوہر جان کا نغمۂ جگر سوز فضائے لاہور کی حدت پر مستزاد ہے ۔ مولانا اکبر نے خوب ارشاد فرمایا تھا : (۱)

نصیب ایسا کہ رکھتی ہے زر و سیم و گہر گوہر
میسر ہے اسے ہر چیز دنیا میں ، مگر شوہر

خاکسار محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) مس گوہر جان کلکتے کی ایک مشہور گانے والی تھی - اُس کے متعلق حضرت اکبر ہی کا ایک شعر یوں بھی ہے :

خوش نصیب آج بھلا کون ہے گوہر کے سوا
سب کچھ اللہ نے دے رکھا ہے شوہر کے سوا

(۴۴)

لاہور ، ۱۲ جون ۱٦ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

دو عریضے ارسال کر چکا ہوں - سرکار کی خیر خیریت نہیں ملی ، تردد ہے - خیریتِ مزاج سے اقبال کو مطلع فرمائیے - 'اللہ اکبر' اس وقت تشریف رکھتے ہیں اور مجھ سے میرے ایک شعر کا مفہوم دریافت کر رہے ہیں - وہ شعر یہ ہے (۱) :

نگاہ پائی ازل سے جو نکتہ بیں میں نے
ہر ایک چیز میں دیکھا اُسے مکیں میں نے

کہتے ہیں مہاراجہ بہادر بھی اس پر غور کریں گے - نیز یہ کہتے ہیں کہ مہاراجہ بہادر کو یہ لکھ دو :

"جب تینوں ہووے علم اشیاء
ہر ہر چیز نوں کہیں خدا"

جولائی کا مہینہ قریب آ رہا ہے - کیا عجب کہ اپنے تغیرات و انقلابات کو ساتھ لے آئے اور اگست و ستمبر پر یہ بوجھ نہ ڈالیے - اپنی خیریت سے مطلع فرمائیے کہ اطمینان ہو -

مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) ستمبر ۱۹۰۴ع کے 'مخزن' میں جب اقبال کی نظم 'سرگزشتِ آدم' شائع ہوئی تو یہ اس کا پہلا شعر تھا۔ نظر ثانی کے بعد 'بانگِ درا' میں جگہ نہ پا سکا۔ اس کے ساتھ نو شعر اور بھی حذف کیے گئے جو یہ ہیں:

نگاہ پائی ازل سے جو نکتہ بیں میں نے
ہر ایک چیز میں دیکھا اسے مکیں میں نے
سوالِ دید میں لذت ہے اے کلیم ایسی
ہزار بار سنی ہے وہی "نہیں" میں نے
کہا کسی نے فسانہ جو عرش و کرسی کا
وہ سادہ لوح ہوں میں کر لیا یقیں میں نے
کبھی میں قتل ہوا کربلا کے میداں میں
کہی کسی کو ستم پر بھی آفریں میں نے
اٹھائے تلخیٔ انکار کے مزے کیا کیا
بنا کے ایک زمانے کو نکتہ چیں میں نے
عجیب طرز ہے کچھ گفتگوئے واعظ کا
خدا بچائے یہ باتیں سنی نہ تھیں میں نے
وہ چیز نام ہے جس کا جہاں میں آزادی
سنی ضرور ہے، دیکھی کہیں نہیں میں نے
نہ توڑ میرے دلِ دردمند کو ظالم
بڑی تلاش سے پایا ہے یہ نگیں میں نے
خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا
یہ چیز وہ ہے کہ دیکھی کہیں نہیں میں نے

عجیب شے ہے صنم خانۂ امیر اقبال
میں بت پرست ہوں رکھ دی کہیں جبیں میں نے

(مخزن ، ستمبر ۱۹۰۴ء)

باقیاتِ اقبال ، ص ۳۳۵ - ۳۳۶

(۴۵)

لاہور ، ۲۴ جون ۱۶ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

والا نامہ ابھی ملا ہے ، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں - الحمد للہ کہ آپ مع جملہ متعلقین و متوسلین بخیریت ہیں -

آپ کی تحریر مجھے قطعاً ناگوار نہیں ہو سکتی ، کیونکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ خلوص آپ کی زندگی کی خصوصیت ہے - خیال کا اختلاف اور بات ہے ، اور مفید ہے ، مگر تعجب ہے آپ کا بھی یہ خیال ہے کہ میں نے جرمن فلسفہ اس مثنوی میں لکھا ہے - علمائے اسلام ابتدا سے آج تک تصوفِ وجودیہ کے مخالف رہے ہیں - میں نے کوئی نئی بات نہیں کی - ہندوؤں میں کشن کی گیتا (جہاں تک میں اسے سمجھتا ہوں) اس کے خلاف ایک زبردست آواز تھی - پھر اگر کوئی شخص تصوفِ وجودیہ کی مخالفت کرے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تصوف کا مخالف ہے - حقیقی اسلامی تصوف اور چیز ہے - تصوفِ وجودیہ مذہبِ اسلام سے قطعاً تعلق نہیں رکھتا - اور مذہبِ ہنود سے گو تعلق رکھتا ہے ، تاہم ہندوؤں کے لیے سخت مضر ثابت ہوا ہے - ہمارے صوفیا کی کتابوں میں اس امر پر ایک عجیب و غریب بحث موجود ہے کہ "گسستن" اچھا

ہے یا "پیوستن"۔ اور صوفیا کا اس میں اختلاف ہے ۔ اسلامی تصوف کا دار و مدار "گسستن" پر ہے ، تصوفِ وجودیہ کا "پیوستن" یا فنا پر ۔ اگر میں نے "گسستن" کی حمایت کی ہے تو کوئی بدعت نہیں کی ۔ صوفیا میں سے جن لوگوں نے مجھ پر اعتراض کیا ہے وہ خود اپنے تصوف کے لٹریچر سے آگاہ نہیں معلوم ہوتے ۔ تصوفِ وجودیہ کے متعلق خود نبی کریمؐ کی ایک پیش گوئی موجود ہے جس پر میں نے مفصل بحث کی ہے ۔ انشاء اللہ عنقریب یہ مضمون شائع ہوگا ۔ میرا ذاتی میلان "پیوستن" کی طرف ہے مگر وقت کا تقاضا اور ہے ۔ اور میں نے جو کچھ لکھا ہے ، اس کے لکھنے پر مجبور تھا ۔ حکم کی اطاعت لازم تھی ۔ اس سے چارہ نہ تھا ۔ دنیا مخالفت کرتی ہے تو کرے ۔ اس کی پروا نہیں ۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق اپنا فرض ادا کر دیا ہے ۔

ہاں جس شعر کا ذکر آپ نے خط میں کیا تھا :

(غریقِ قلزمِ وحدت دم از خودی نزند ۔ الخ[1])

اس میں لفظ "خودی" میرے خیال میں تشخصِ ذاتی کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے ۔ اور شعر کا مفہوم میرے خیال میں یہ ہے کہ واصل باللہ کو اپنی ذات کا احساس نہیں رہتا ۔ وہاں سوائے ہستیٔ مطلق کے اور کچھ نہیں ۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ خودی بمعنی غرور بھی یہاں سمجھا جا سکتا ہے ۔ اسی واسطے میں نے "غالباً" کا لفظ لکھ دیا تھا ۔ بہر حال جہاں جہاں یہ لفظ میں نے

۱- غریقِ قلزمِ وحدت دم از خودی نزند
بود محال کشیدن میانِ آب نفس
دیباچہ اسرارِ خودی ، اول ۔ (محسن تاثیر)

استعمال کیا ہے ، اس سے مراد تشخّص ِ ذاتی یا احساس ِ نفس ہے ۔ انگریزی لفظ Individuality کا یہ ترجمہ ہے ۔ ہماری زبان میں اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے ، جہاں تک مجھے علم ہے ، کوئی ایسا لفظ نہیں جو شعر میں کام دے سکے ۔ ''تشخّص'' یا ''تعیّن'' وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جن کا یہ مفہوم ہے مگر یہ دونوں الفاظ شعر کے لیے موزوں نہیں ۔ ''انا'' یا ''انانیت'' بھی ایسے ہی الفاظ ہیں ۔ لفظ ''خودی'' میں نے مجبوراً اختیار کیا ہے ۔ اگر کوئی اور لفظ شعر میں کام دے سکتا تو میں اس لفظ کو خودی پر یقینی ترجیح دیتا ۔ بہر حال میرا مقصود آپ کو اپنے مذہب میں منتقل کرنا نہیں ، اپنے خیال کا واضح کرنا ہے ۔ آپ اپنے خیال پر قائم رہیے ۔ میں نے چونکہ اس خیال کو ہندوستان کی آئندہ نسلوں کے لیے مضر سمجھا ہے ، اس واسطے مجبوراً اس سے اختلاف کیا ہے ۔ ہم سب کے لیے شاید بہترین چیز انتظار ہے ۔ خواجہ حسن نظامی اگر دکن میں ہوں تو میری طرف سے سلام عرض کریں ۔

باقی دعا ہے اور بس ۔ اللہ تعالیٰ عنقریب وہ وقت لائے گا جس کا آپ کو اور آپ کے احباب کو انتظار ہے ۔

لاہور تو میں آپ کو ضرور کھینچوں مگر میرا جذب ِ دل ایک دفعہ فیل ہو چکا ہے ۔ اس کے علاوہ اس گرمی میں آپ کو لاہور کھینچنا گناہ عظیم ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو کوئی لاہور سے باہر کھینچ لے ۔ شملہ سے بار بار خطوط آ رہے ہیں مگر زنجیروں سے آزادی کی صورت نظر نہیں آتی ۔ کاش میں مہاراجہ کشن پرشاد ہوتا کہ جہاں چاہتا چلا جاتا ۔ والسلام

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

(۴٦)

لاہور ، ۲ ستمبر ۱٦ء

سرکار والا تبار! تسلیم

ایک عریضہ اس سے پیشتر ڈاک میں ڈال چکا ہوں ۔ آج پھر عریضہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی ۔

مجھے یاد ہے سرکار نے یا مجھے لکھا تھا یا زبانی ارشاد فرمایا تھا کہ ایک قابل آدمی کی ضرورت ہے جو سرکار کے مشاغلِ تصنیف و تالیف میں ممد و معاون ہو ۔ میں تلاش میں تھا ۔ آخر ایک آدمی مل گیا ہے یعنی مولانا عبداللہ العمادی (۱) ۔ جونپور کے رہنے والے ہیں ، لاہور میں ایک عرصے سے مقیم ہیں ، عربی و فارسی میں ان کی لیاقت اعلیٰ درجے کی ہے اور اردو نثر نویسی میں ان کا طرزِ تحریر جدّت رکھتا ہے ، علومِ اسلامیہ میں ان کی مہارت کامل ہے اور ان کی پرائیویٹ زندگی بالکل بے داغ ہے ۔ پنجاب کے بعض اخباروں کی ایڈیٹری بھی کر چکے ہیں ، مثلاً وکیل ، زمیندار و لمعات وغیرہ ۔ غرض کہ نہایت قابل آدمی ہیں ۔ میرے خیال میں ان سے بہتر آدمی سرکار کو نہ مل سکے گا ۔ تنخواہ ان کو ڈیڑھ دو سو روپیہ ماہوار ملتی رہی ہے ۔ اگر سرکار کو ضرورت ہو اور ان کو پسند فرمائیں تو تنخواہ کے متعلق ان سے گفتگو کر لوں گا ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، اس خط کا مقصد صرف یہی اطلاع تھی جو اوپر عرض کر چکا ہوں ۔

آپ کا نیازمندِ دیرینہ محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) مولانا عبداللہ عمادی بڑے فاضل اور جامعِ کمالات بزرگ تھے ۔ وہ جونپور کے ایک گاؤں امرتھوا کے رہنے والے تھے اور

اپنے صاحبِ فضل و کمال مورثِ اعلیٰ شیخ عماد الدین سے نسبی تعلق رکھنے کی وجہ سے خود کو ''عمادی'' لکھتے تھے ۔ کہیں کہیں اخفائے نام کی غرض سے عبداللہ کا فارسی ترجمہ ''خدا بندہ'' بھی لکھا ہے ۔ اس خاندان کے لوگ تقریباً ساڑھے چار سو برس سے افادۂ علوم میں مشغول چلے آتے ہیں ۔ عمادی صاحب نے علمی شیفتگی کے اسی ماحول میں آنکھ کھولی ۔ گھر میں عربی بولی جاتی تھی ۔ قرآن و حدیث اور صرف و نحو کی ابتدائی تعلیم دادی ، دادا اور اپنے والد سے حاصل ۔ درسیات کا دور مولوی ہدایت اللہ خاں رامپوری کے ہاں ختم کیا اور فنونِ ادب عرب محمد طیب سے رام پور جا کر حاصل کیے ۔ پھر طب کی مشہور کتاب ''القانون'' دلی جا کر حکیم عبدالمجید خاں سے پڑھی اور لکھنؤ میں مولوی عبدالحئی فرنگی محلی کے ممتاز شاگرد مولوی عبدالعلی آسی کے دامنِ تربیت میں فکر و نظر کی مزید وسعتیں حاصل کیں ۔ آسی صاحب ادب و شعر اور تاریخ گوئی میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے ۔ ان کی صحبت میں مولانا عمادی کو شعر و سخن اور ادب و تاریخ کا فیض حاصل ہوا ۔ مولانا آسی نے لکھنؤ کے محلہ محمود نگر میں ایک پریس قائم کیا تھا ، جس کا نام اصح المطابع تھا ۔ اس مطبع میں عربی فارسی کی بہت سی کتابیں طبع ہوئیں ۔ مولانا آسی کو کتابوں کی تصحیح میں کمال حاصل تھا ۔ انھوں نے اپنے شاگرد کو بھی اس کام میں طاق کر دیا ۔ اس طرح وہ اُردو ، فارسی اور عربی کی نثر و نظم اور لغات گھول کر پی گئے ۔ حافظہ بلا کا تھا ۔ کتاب کوئی بھی ہو ، ایک دفعہ نظر سے گزر جائے ، پھر کیا مجال کہ اس کے مضامین ذہن سے اتر جائیں ۔ بلکہ بعض خاص جملے اور فقرے تو لفظ بہ لفظ یاد رہتے ۔ سید سلیمان ندوی سے ایک

دفعہ انھوں نے خود فرمایا تھا کہ :

''وہ عربی کی 'الف لیلہ' سمجھتے نہیں تھے مگر پھر بھی اس کو دیکھا کرتے اور جو کچھ سمجھ جاتے اس پر خوش ہوتے اور جو نہ سمجھتے اس کو لغت سے حل کرتے یا شاید مولانا آسی سے دریافت کر لیتے ۔ اس طرح عربی فارسی نویسی کی قدرت حاصل ہوئی ۔''

مکتبی علما میں عمادی صاحب پہلے شخص تھے جنھوں نے بیرونِ ہند کی صحافت سے ناطہ جوڑا اور مصر و بیروت کے رسالوں اخباروں میں مضامین لکھے ۔ مولانا آسی نے گھر میں گنگا بہتی دیکھ کر یہ مناسب سمجھا کہ یہ ابرِ کرم جو باہر برستا ہے ، گھر ہی میں کیوں نہ برسے ۔ پہلے ''الریاض'' نام کا ایک عربی ماہنامہ جاری کیا ، پھر عبدالوالی صاحب کے اہتمام سے ''البیان'' جاری کر دیا ۔ اس کے ایک حصے میں ہندوستان کی تاریخ و رجال اور حالاتِ حاضرہ پر عربی میں مضامین ہوتے تھے ، دوسرے میں عرب اہلِ قلم کے مضامین بالترجمہ درج ہوتے تھے اور تیسرے حصے میں اسلامی ملکوں کے حالات اور خبریں ہوتی تھیں ۔ ہندوستان سے زیادہ مصر ، بیروت ، شمالی افریقہ ، ٹیونس ، الجزائر اور مراکش میں اس رسالے کی مانگ ہوئی ۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :

''بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں آسی کی رہبری اور ان کی اڈیٹری میں 'البیان' نام ایک اردو عربی ماہنامہ ''مطبع اصح المطابع'' لکھنؤ سے نکلنے لگا ۔ اس کے ہر صفحے میں دو کالم ہوتے تھے ۔ ایک میں عربی اور دوسرے میں اس کا اردو ترجمہ ہوتا تھا اور آخر میں چند

صفحے عربی ممالک کی خبروں اور اردو مضمونوں کے ہوتے تھے ۔ اس رسالے کا مبادلہ مصر و شام اور ٹیونس کے عربی اخباروں سے ہوتا تھا ۔ یہ اخبارات ان کے ہاں آتے تھے اور وہ ان کو پڑھا کرتے تھے اور اس کی بدولت جدید عربی کے نئے الفاظ سے ان کو پوری واقفیت ہوتی رہتی تھی ، اور وہ ان کو اردو میں رواج دینے کی کوشش کرتے تھے ۔ چنانچہ ان کے بعض الفاظ رواج پا بھی گئے ۔"

یہیں مولانا محمد فاروق چریا کوٹی مدرس دار العلوم ندوہ اور ان کے شاگردِ رشید مولانا شبلی نعمانی سے راہ و رسم پیدا ہوئی ۔ ندوہ کا علمی رسالہ 'الندوہ' جو پہلے شاہجہان پور سے شائع ہوتا اور آگرہ میں چھپتا تھا ، اب 'اصح المطابع' میں چھپنے لگا ۔ ۱۹۰۶ع میں مولانا شبلی نے اس کی سب اڈیٹری کا کام مولانا ابو الکلام کے سپرد کیا ۔ لیکن چند ماہ کے بعد جب وہ اخبار 'وکیل' امرتسر میں چلے گئے تو مولانا نے عمادی صاحب کو اس کا سب اڈیٹر بنا دیا ۔ اس زمانے میں انھوں نے اعجاز القرآن ، جابر بن حیان مشہور عرب کیمیا دان اور ابن خلدون وغیرہ پر چند علمی مضامین لکھے ۔ ۱۹۰۸ع یا ۱۹۰۹ع میں مولانا ابو الکلام اپنے والدِ ماجد کے مرض الموت کے سبب 'وکیل' کی ادارت چھوڑ کر کلکتہ چلے گئے تو 'وکیل' کے مالک غلام محمد نے مولانا عمادی کو ان کی جگہ بلا لیا اور وہ کئی سال امرتسر میں رہے ۔ وہاں انھوں نے سر سید کے رسالہ "تہذیب الاخلاق" کو پھر سے زندہ کیا اور کئی نمبر اس کے نکالے ۔ نیز سر سید کے بعض رسالے بھی دوبارہ طبع کیے ۔ خود جو رسالے اس سلسلے میں لکھے ، ان میں تاریخ

عرب قدیم ، محکمات ، علم الحدیث ، فلسفۃ القرآن ، فلسفۂ ابن عربی اور صناعۃ العرب بہت مشہور ہیں ۔ چند کتابوں کے ترجمے بھی کیے جن میں مفتی محمد عبدہ کی کتاب 'الاسلام و النصرانیہ'، شیخ عبدالعزیز شادیش کی 'الاسلام دین الفطرۃ' اور امام راغب کی 'تفصیل انشاءتین و تحصیل السعادتین' شامل ہیں ۔

۱۹۱۲ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتہ سے 'الہلال' جاری کیا تو مولانا کو بھی وہیں بلا لیا ۔ اس زمانے میں انھوں نے جو مضامین لکھے ، ان میں 'اسوۂ نوح'، اسوۂ ابراہیمی' اور 'کشف ساتین' بڑے معرکہ کے تھے ۔ کچھ عرصے بعد مولانا اخبار 'زمیندار' میں چلے آئے ۔ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء (۲۸ ذوالحجۃ ۱۳۳۲ھ) کو مولانا شبلی کا اور ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو مولانا حالی کا انتقال ہوا ۔ اس سلسلے میں مولانا عمادی نے 'زمیندار' میں نہایت پر اثر مضامین لکھے اور دوسروں سے بھی لکھوائے ۔ اقبال نے بھی مولانا شبلی کے لوحِ مزار کے لیے یہ تاریخی جملہ انھی کی فرمائش پر تجویز کیا تھا جو ۱۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کے روزنامہ 'زمیندار' میں شائع ہوا :

"امام الہند والا نژاد شبلی طاب ثراہ"

۱۳۳۲ھ

۱۹۱۴ - ۱۸ء کی پہلی جنگِ عظیم چھڑتے ہی ہندوستان کی انگریزی حکومت نے پیش بندی کے طور پر روزنامہ 'زمیندار' کی اشاعت روک کر مولانا ظفر علی خاں کو ان کے گاؤں کرم آباد میں نظر بند کر دیا ۔ مولانا ظفر علی خاں پنجاب کے پہلے اخبار نویس تھے ، جنھوں نے برطانوی سامراج سے ٹکر لی تھی اور ان کا حق گو اور

بے باک قلم استعمارِ فرنگ کی دھجیاں اڑاتا تھا ۔ نظر بندی ان کے لیے موت سے کم نہ تھی ۔ وہ کچھ عرصہ تو خاموش رہے لیکن پھر سیاست سے کنارہ کشی کا وعدہ کر کے ہفتہ وار 'ستارۂ صبح' کی اجازت حاصل کی اور کرم آباد سے یہ پرچہ جاری کر دیا ۔ فرائضِ ادارت کی انجام دہی کے لیے مولانا عمادی کو مددگارِ اول اور خواجہ عبدالحئی کو مددگارِ دوم مقرر کیا ۔ تینوں کی متفقہ کوشش سے پرچہ بے حد کامیاب ہوا اور لوگوں نے اس کی خاطر خواہ پذیرائی کی ۔

لاہور کے ایک رئیس نے یہ دیکھ کر کہ 'ستارۂ صبح' خوب چمک رہا ہے ، اس کے مقابلے میں اپنا اخبار 'الصباح' کے نام سے جاری کیا اور مولانا عمادی کو طرح طرح کے سبز باغ دکھا کر 'ستارۂ صبح' کی ادارت سے توڑ لیا ۔ اب 'الصباح' نے اپنا بازار گرم کرنے کے لیے 'ستارۂ صبح' سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور اپنی ۶ ۔ اکتوبر ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں یوں اعلانِ جنگ کیا :

صبوحی کے چند قطرے

دہقان مے فروش کی چشمِ سیاہ مست
اب تو مئے طہور کو دینے چلی شکست
اسلام اس کے ناز کا مرمشق انصرام
الحاد اس کی شان کا ممنون بندوست
شیخ اس سے شاد کام تو رند اس کے ہیں غلام
"معشوقِ ما بشیوۂ ہر کس موافق است
با ما شراب خورد و بہ زاہد نماز کرد"

اس کا جواب مولانا ظفر علی خاں نے "ستارۂ صبح" میں یوں دیا :

شیشۂ الحاد میں تقوے کی پری

سنا ہے کہ اتری ہے شیشے کے اندر
نئی اک پری نام جس کا ہے "تقویٰ"
پلاتی ہے بھر بھر کے جامِ صبوحی
کہ ہو اس کی تاثیر سے چشمِ حق وا
کروں میں بھی اس شیشے کی سیر لیکن
مجھے ڈر ہے مجھ کو نہ ہو جائے لقوا

علامہ عمادی ان تین نشتروں کی تاب نہ لا سکے ۔ وہ ان کی خلش سے بے تاب ہو گئے ، بلبلا اٹھے اور انھوں نے 'الصباح' کی اگلی اشاعت میں اپنے ترکشِ ادب سے تیر نکالتے ہوئے مولانا ظفر علی خاں کے دل کی تواضع اس طرح فرمائی :

اب تک تو یہ سمجھے ہوئے تھے آپ کے دل سوز
ہے مسخرگی بزمِ حریفاں میں دل افروز
اب آپ کو وعظوں میں بھی اصرار ہے اس پر
اللہ و نبی ؐ پر بھی کوئی وار ہو دل دوز
مذہب کی یہ تضحیک ہو ، یہ بے ادبی ہو
پھر کیوں نہ ہو ، ملت کے تو ہیں آپ ادب آموز
بھانڈ آپ اگر بننے چلے شوق سے بنیے
منبر پہ ہے کس واسطے وعظِ ستم اندوز
"رو مسخرگی پیشہ کن و ہزل بیاموز
تا داد خود از کہتر و مہتر بستانی"

اس کا جواب ۹ اکتوبر کے 'ستارۂ صبح' میں مولانا ظفر علی خاں کی طرف سے بالفاظِ ذیل شائع ہوا :

اللہ کی قدرت کا تماشہ ہے کہ کل تک
الزام وہ دیتے تھے مجھے بت شکنی کا
کہتے تھے اس امرت کی ہر اک بوند میں ہے زہر
ہوتا تھا جو چرچا مری شیریں سخنی کا
مرتے تھے خود اس طفلِ برہمن کی ادا پر
جس کا مژہ ہمزاد ہے نیزے کی انی کا
لیتے تھے مزے اس لبِ جاں بخش کے دن رات
ہوتا ہے گماں جس پہ عقیقِ یمنی کا
ٹپکے مرے آنسو بھی جب اس طفل کے غم میں
اور ان کو ملا مرتبہ ہیرے کی کنی کا
افسانہ سنایا مرے دل نے بھی تڑپ کر
جب اس نگہِ ناز کی ناوک فگنی کا
سوجھا انھیں یہ طعنۂ نورستہ یکایک
دشمن ہے یہ کم بخت رسولِ مدنی کا
مذہب سے ہے بیزار یہ گمراہ ، اور اسلام
ہے شکوہ گزار اس کی دریدہ دہنی کا
منصب مجھے ہوتا ہے عطا از رہِ الطاف
الحاد کے دربار کی صدر انجمنی کا
فرماتے ہیں اسلام کا رستہ نہیں محفوظ
بے چارے مسافر کو ہے ڈر راہ زنی کا
گھر گھر مری یزداں نشناسی کی پڑی دھوم
نظارہ بنے آپ مری اہرمنی کا
دونوں سے کیا آپ کے احساں نے سبکدوش
رکھا نہ مجھے دیں کا ، نہ دنیائے دنی کا

اک جانِ حزیں رہ گئی ہے لیجیے وہ بھی
حق اس پہ ہے کیا آپ کی گردن زدنی کا
(نگارستان)

علامہ عمادی کے قلبِ صاف پر ان اشعار کا بے حد اثر ہوا۔ جن رئیس صاحب کے فریب دینے سے آپ 'ستارۂ صبح' سے علیحدہ ہوئے تھے ، ان سے آپ نے فوراً قطع تعلق کر لیا اور 'ستارۂ صبح' کے دفتر میں واپس آ کر پہلے کی طرح مولانا ظفر علی خاں کے ادبی رفیق بن گئے ۔

اقبال کی مثنوی 'اسرارِ خودی' کی اشاعت پر جو قلمی جنگ چھڑی تھی ، اس میں مولانا عمادی نے کھل کر اقبال کا ساتھ دیا اور مثنوی کے محاسن پر بعض نہایت اچھے مضامین لکھے جو روزنامہ 'زمیندار' میں شائع ہوئے ۔

حیدرآباد دکن میں دارالترجمہ قائم ہوا تو مولانا عمادی اس میں لے لیے گئے ، جہاں وہ اپنی لغات دانی اور جدید عربی مصطلحاتِ علمی کی واقفیت کے سبب بہت کارآمد ثابت ہوئے ۔ انھوں نے وضعِ اصطلاحات کے علاوہ متعدد عربی کتابوں کے ترجمے کیے جن میں سے چند کے نام یہ ہیں :

(۱) مورخ مسعودی کی التنبیہ والاشراف اور مروج الذہب ۔

(۲) مورخ طبری کی تاریخ الرسل و الملوک کی آخری دو جلدیں ۔

(۳) طبقاتِ ابن سعد کی بارہ جلدیں ۔

(۴) ابنِ حزم کی 'الملل و النحل' ۔

(۵) پانچویں صدی ہجری کے مشہور فلسفی ، طبیعی و ریاضیاتی مصنف ابن الہیثم کے حسب ِ ذیل رسائل :

(الف) رسالہ الضوء ۔

(ب) رسالۃ المرایاء المحرقۃ بالقطوع ۔

(ج) رسالۃ المرایاء المحرقۃ بالدائرہ ۔

(د) رسالۃ المسکان ۔

(ہ) رسالہ مشکل بنی موسیٰ ۔

(و) رسالۃ المصاحت ۔

(ز) رسالۃ ضوء القمر ۔

(۶) محدث ابن جوزی کے مشہور تاریخی اور سیرتی خاکوں کا نوشتہ ''المنتظم فی التاریخ'' وغیرہ ۔

(۷) تاریخ ِ یعقوبی ۔

حیدر آباد میں رہ کر بھی مولانا نے اقبال کو ہردم یاد رکھا ۔ جس زمانے میں اقبال یہاں ''بانگ درا'' ترتیب دے رہے تھے ، اسی زمانے میں مولوی عبدالرزاق صاحب نے حیدر آباد سے اقبال کا منتشر کلام مختلف رسالوں اور اخباروں سے جمع کرکے ایک مجموعہ ''کلیات ِ اقبال'' کے نام سے شائع کیا ۔ چونکہ اقبال نظر ثانی کرتے وقت اپنا بہت سا کلام رد کر چکے تھے ، اس لیے یہ مجموعہ انھیں پسند نہ آیا اور انھوں نے حیدر آباد سے باہر اس کی فروخت پر پابندی لگوا دی ۔ تاہم اس کتاب پر جو مقدمہ مولانا عمادی نے لکھا تھا ، اس کے ان الفاظ سے موصوف کی اقبال کے کلام سے گہری دلچسپی کا پتا چلتا ہے :

''اقبال کا دل وحیٔ الٰہی کا آئینہ دار ہے ۔ کشفِ غطا نے اس کے سامنے سے آسمان و زمین کے پردے اٹھا دیے ہیں اور اس کو صاف نظر آ رہا ہے کہ ۵۷۰ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نظامی نے ''مخزن اسرار'' میں جو فریاد کی تھی ، اس چودھویں صدی میں وہ دعا مستجاب ہونے کو ہے ۔ توحید کی عنقریب آنے والی عظمت کا نظارہ اس کے روبرو ہے ۔ اور وہ :

محو حیرت ہے کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

ہر ایک اسلامی زبان کی شاعری میں یہ خصوصیت اقبال ہی کے لیے ودیعت تھی اور دنیا بھر میں یہی ایک حسان الہند ہے ، جو گوری شنکر (ایورسٹ) سے لے کر پیرینیز (Pyrenees) کی چوٹیوں تک اعلائے لوائے نبوی ؐ کے لیے قوم کو آمادہ کر رہا ہے ۔''

ایک دفعہ علامہ اقبال نے مولانا عمادی کو لکھا کہ :

''اکبر الہ آبادی نے تو یہ لکھا ہے :

کچھ الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

لیکن یہاں لاہور میں نہ تو اکبر ہیں نہ امرود ۔ ایک اقبال ہے ، وہ بھی برائے نام !''

مولانا نے اس کے جواب میں نہایت برجستہ لکھا :

تجھ پر اے پنجاب نازل ہوں خدا کی رحمتیں
اے کہ تو اقبال کی دولت سے مالا مال ہے

ہم نے مانا تو نہیں مسحور تہذیب فرنگ
تجھ میں سب کچھ ہے اگر اسلام اور اقبال ہے

دار الترجمہ کی خدمات سے سبکدوشی کے بعد مولانا کو وظیفہ ملا، مگر انھوں نے حیدرآباد نہیں چھوڑا - یہیں ۱۱ - شوال ۱۳۶۶ھ (ستمبر ۱۹۴۷ع) کو رحلت فرمائی - وفات کے وقت ان کی عمر ستّر برس کے قریب تھی -

مولانا عمادی مرحوم نہایت خلیق، ملنسار اور کنبہ پرور تھے - ان کا شمار مشرقی تہذیب کے اُن نمونوں میں ہوتا تھا جن کے مٹنے کے بعد ان کی جگہ ہمیشہ خالی رہتی ہے - بقول مولوی ابوالخیر مودودی ''عمادی صاحب جتنے بڑے عالم تھے، اس سے زیادہ اعلیٰ قسم کے انسان تھے - بلند نگاہ اور کریم النفس، قلندر صفت اور قلندر سیرت - ان کی زندگی شرافتِ علم اور شرافت نفس کے امتزاج کی نمود تھی -''

(۴۷)

لاہور یکم اکتوبر ۱۹۱۴ع

سرکار والا تبار! تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ مل گیا ہے - سرکار کی بندہ نوازی کا سپاس گزار ہوں کہ اس دور افتادہ دعا گو کو بالتزام یاد فرماتے ہیں -

لاہور سے ایک ماہ کی غیر حاضری کا مقصد سیاحت نہ تھا - اگر سیاحت کے مقصد سے گھر سے نکلتا تو ممکن نہ تھا کہ اقبال آستانۂ شاد تک نہ پہونچے - مقصد محض آرام تھا - لاہور کورٹ میں تعطیل تھی، کچہری بند تھی اور میں چاہتا تھا کہ کسی جگہ

جہاں لوگ میرے جاننے والے نہ ہوں، چلا جاؤں اور تھوڑے دنوں کے لیے آرام کروں ۔ پہاڑ پر جانے کے لیے سامان موجود تھا مگر صرف اسی قدر کہ تنہا جا سکوں ۔ تنہا جا کر ایک پُر فضا مقام میں آرام کرنا اور اہل و عیال کو گرمی میں چھوڑ جانا بعید از مروت معلوم ہوا ۔ اس واسطے ایک گاؤں چلا گیا جہاں ویسی ہی گرمی تھی جیسی لاہور میں، مگر آدمیوں کی آمد و رفت نہ تھی ۔

اس تنہائی میں مثنوی ''اسرار خودی'' کے حصہ دویم کا کچھ حصہ لکھا گیا اور ایک نظم کے خیالات یا پلاٹ ذہن میں آئے، جس کا نام ہوگا ''اقلیمِ خاموشاں'' ۔ یہ نظم اردو میں ہوگی اور اس کا مقصود یہ دکھانا ہوگا کہ مردہ قومیں دنیا میں کیا کرتی ہیں ۔ اُن کے عام حالات و جذبات و خیالات کیا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ پس یہ دو باتیں میری تنہائی کی کائنات ہیں ۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ سرکار کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں ۔ حیدر آباد کے اربابِ حل و عقد خوابیدہ معلوم ہوتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرے اور ''حقیقتِ مضمرہ'' پر ان کی آنکھ کھولے ۔ ایسا ہو تو آپ کی قدر اُن کو معلوم ہوگی اور داغ مرحوم کا یہ قول صادق آئے گا :

''تو مجھ کو چاہے اور مجھے اجتناب ہو''

کیا خواجوئے کرمانی (۱) کا دیوان سرکار کے کتب خانے میں قلمی یا طبع شدہ موجود ہے ؟

خادمِ دیرینہ محمدؐ اقبال، لاہور

تعلیقات

(۱) خواجو کرمانی کا پورا نام کمال الدین ابو العطا محمود بن علی تھا ۔ وہ اپنے عہد کے بزرگ عارف اور ممتاز شاعر تھے ۔ ان کی ولادت ۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ع اور وفات ۷۵۰ھ / ۱۳۴۹ع میں ہوئی ۔ وہ اس لحاظ سے بدقسمت تھے کہ ان کے طرز کی بھرپور پیروی اور ان کے بعض مصرعوں کو تھوڑے سے تغیر کے بعد اپنے کلام میں سجانے سے خواجہ حافظ شیرازی تو چار دانگ عالم میں مشہور ہو گئے مگر خواجو کرمانی کے نام سے بہت کم لوگ واقف ہیں ۔ حافظ کے ایک قریب العہد شاعر نے تو کہہ بھی دیا :

استاد غزل سعدی ست نزد ہمہ کس اما
دارد سخنِ حافظ طرزِ غزلِ خواجو

دو دیوان "صنایع الکمال" اور "بدایع الجمال" اور چھ مثنویاں (۱) سام نامہ (۲) ہمای و ہمایوں (۳) گل و نوروز (۴) روضۃ الانوار (۵) کمال نامہ (۶) گوہر نامہ ان کی یادگار ہیں ۔ یہ مثنویاں فردوسی اور نظامی گنجوی کے انداز کی ہیں اور ان سے شاعر کی مہارت ، استادی ، قدرتِ طبع ، فکرِ رسا اور ابتکار و جدت نمایاں ہے ۔ نثر میں بھی رسالہ البادیتہ ، رسالہ سبع المثانی اور رسالہ مناظرۂ شمس و سحاب ان کے نام سے ملتے ہیں ۔ قدیم تذکرہ نگاروں نے انھیں نخل بند شعراء خلاق معانی ، اور ملک الفضلا وغیرہ القاب دیے ہیں ۔ اور جدید دور کے ایرانی مورخین ادب اور نقادوں نے ان کی شاعری کو خراج تحسین ادا کیا ہے ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں :

۱۔ تاریخِ ادبیاتِ ایران از دکتر ذبیح اللہ صفا ، تہران ۱۳۵۲ ہجری شمسی جلد ۳ ۔

۲۔ تاریخِ ادبیاتِ ایران ، از دکتر رضا زادہ شفق ، تہران ۱۳۴۲ھ ش ۔

۳۔ تاریخِ ادبیاتِ ایران بعہدِ مغولان (دکتر براؤن جلد ۳ ۔ اردو ترجمہ محمد داؤد رہبر ، انجمن ترقی اردو ، ۱۹۴۹ع

(۴۸)

لاہور ، ۳۱ اکتوبر ۱۹۱۶ع

سرکار والا تبار ! تسلیم

والانامہ مل گیا ہے جس کے لیے میں سرکار کا سپاس گزار ہوں ۔ راجہ گوبند پرشاد مرحوم و مغفور کی خبرِ رحلت معلوم کرکے افسوس ہوا ۔ اللہ تعالیٰ اُن کو غریق رحمت کرے اور آپ کو صبر جمیل عطا کرے ۔ کتنے رنج و قلق کی بات ہے کہ ایسا نوجوان اس دنیا سے ناشاد جائے ۔ لیکن گوبند پرشاد باقی ہے اور یہ جدائی محض عارضی ہے ۔

پستیِ عالم میں ملنے کو جدا ہوتے ہیں ہم
عارضی فرقت کو دایم جان کر روتے ہیں ہم

لاہور کے حالات بدستور ہیں ۔ سردی آ رہی ہے ۔ صبح چار بجے کبھی تین بجے اٹھتا ہوں ۔ پھر اس کے بعد نہیں سوتا ، سوائے اس کے کہ مصلے پر کبھی اونگھ جاؤں ۔ یہ موسم نہایت خوش گوار ہے اور پنجاب کی سیر و سیاحت کے لیے موزوں ۔ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو پنجاب کی خاک کو قدم بوسی کا موقع دیجیے ۔ یہاں کے دلوں پر آپ کا نقش ابھی تک موجود ہے ۔

کبھی اس راہ سے شاید سواری تیری گزری ہے
کہ میرے دل میں نقش پا ترے توسن کے نکلے ہیں

"اقلیم خاموشاں" تیار ہو جائے تو سرکار کی خدمت میں ارسال کروں - مقصود اقلیم خاموشاں سے محشر ہے تاکہ دیدار الٰہی نصیب ہو کہ یہ موقوف بہ محشر ہے -

طالبِ دیدار محشر کا تمنائی ہوا
وہ سمجھتے ہیں کہ جرمِ ناشکیبائی ہوا

زیادہ کیا عرض کروں کہ سرکار سے دور ہوں اور جیتا ہوں !

مخلص محمدؐ اقبال

ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ لاہور میں کچھ عرصے سے ایک بہت بڑے ایرانی عالم مقیم ہیں - یعنی سرکار علامہ شیخ عبدالعلی طہرانی (۱) - معلوم نہیں کبھی حیدر آباد میں بھی ان کا گزر ہوا یا نہیں - عالم متبحّر ہیں - مذہباً شیعہ ہیں مگر مطالبِ قرآن بیان فرماتے ہیں تو سمجھنے سوچنے والے حیران رہ جاتے ہیں - اس کے علاوہ علم جفر میں کمال رکھتے ہیں - کبھی کبھی آن کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا ہوں - اگر اس موسم میں سرکار لاہور کا سفر کریں تو خوب ہو کہ یہ آدمی دیکھنے کے قابل ہے -

محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) علامہ شیخ عبدالعلی ہروی الطہرانی بن حاجی شیخ احمد بن شیخ ابراہیم خاں شہر ہرات (افغانستان) کے رہنے والے تھے - صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں ہو سکی لیکن آپ نے چونسٹھ سال کی عمر

پا کر ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۲ع میں انتقال فرمایا ۔ اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ ۱۲۷۷ھ / ۱۸۶۰ع میں پیدا ہوئے ہوں گے ۔

ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ۔ کمال ذہانت کے ساتھ طبیعت میں ظرافت اور خوش طبعی موجود تھی ۔ چھوٹی سی عمر میں اپنے والد کے وعظ میں شریک ہوتے اور کہیں کہیں ٹوک کر بحث کرنے لگتے ۔ والد آپ کو جھڑک کر خاموش کرانے کی کوشش کرتے تو فرماتے کہ دھمکانے سے مسئلہ تو حل نہیں ہوا ، وہ تو اپنی جگہ قائم رہا ۔

حافظہ بلا کا تھا ۔ جو بات ایک دفعہ سن لیتے ، حفظ ہو جاتی ۔ غالباً دس برس کے ہوں گے کہ ماہ رمضان میں ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ والد گھر میں موجود نہ تھے ۔ ان کا معمول تھا کہ سحری کے وقت ہمیشہ دعائے ابوحمزہ ثمالی پڑھا کرتے تھے اور ان کی والدہ کو بھی پڑھایا کرتے تھے ۔ اس شب وہ دعاء نہ پڑھ سکیں ۔ یہ جاگ رہے تھے ۔ کہنے لگے کہ میں پڑھائے دیتا ہوں ۔ والد ماجد سے سنتے سنتے یاد ہو گئی ہے ۔ چنانچہ حفظ دعائے ابوحمزہ ثمالی پڑھا دی ۔ ماں نے سجدۂ شکر ادا کیا اور ازدیادِ علم کی دعا دی ۔

امیر عبدالرحمٰن خاں والیِ افغانستان کے زمانے میں بعض شیعوں پر رفض کے فتوے لگا کر سختی کی گئی تو شیخ اور ان کے خاندان کے لوگ جان بچا کر مشہد مقدس چلے گئے ۔ وہاں بعض مدارس بالخصوص مدرسۂ شیخ جعفر میں داخل رہے ۔ چند ہی سال گزرے تھے کہ بعض مطالب اصولیۂ عامیہ پر ایسی مدلل اور زبردست تقریریں کیں کہ اساتذہ نے کہا ”آپ کو ان کتب کے درس میں شریک ہونے کی اب چنداں ضرورت نہیں ۔ اب خود ایسی تمام

کتب پر نظر ڈال جائیے - بس کافی ہے -"

اپنے طور پر مطالعہ شروع کیا تو اول کتبِ فقہ ، بعد میں کتبِ احادیث ، پھر کتبِ تفسیر جہاں تک مل سکیں دیکھیں - ساتھ ہی قرآن مجید میں تدبّر و تامل و تفقہ شروع کیا اور اس تدبّر و تفکر کی بدولت اس مقام پر پہنچے ، جہاں دوسروں کی رسائی بہت کم ہوتی ہے -

علومِ ظاہری کے بعد قدوۃ الزاہدین محمد اکبر ترشیزیؒ سے علومِ باطنی حاصل کیے - نماز تہجد بلا ناغہ باغسل ادا فرماتے تھے اور آخری عمر میں صاحبِ کرامت ہو گئے تھے -

علامہ عبدالعلی ہروی کئی زبانیں جانتے تھے - فارسی تو ان کی مادری زبان تھی ہی ، عربی تحریر و تقریر پر بھی قدرت حاصل تھی - ترکی اور فرانسیسی بھی جانتے تھے - روسی اور انگریزی سے بھی واقف تھے - پشتو ، پنجابی اور سندھی بھی کچھ کچھ سمجھ لیتے تھے - اردو میں تو چھوٹی موٹی تقریر بھی کر لیتے تھے - ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء میں آگرہ کے منبر پر دیر تک اردو میں وعظ فرمایا -

جب آپ کی عمر تیس سال کی ہوئی تو بعض حکامِ مشہد اور بعض شہزادگان اور اہلِ علم کے ذریعے آپ کے تبحرِ علمی کی خبر تختِ ایران تک پہنچی - ناصر الدین شاہ قاچار نے طلب کیا - طہران پہنچے - سلطنت کی طرف سے جاگیر ملی اور تھوڑے ہی عرصے میں نائب وزیر خارجہ یا دوسرے لفظوں میں افسر محاکمات خارجہ کے منصب پر ممتاز ہوئے - جس سال ایران میں تمباکو کے متعلق (سرکار میرزا) کی طرف سے ایک فتویٰ شائع کیا گیا ، علامہ ہروی اس وقت طہران ہی میں تھے - بابیوں کا طوفان بھی اسی زمانے میں اٹھا -

ناصر الدین شاہ نے ان کے قتل عام کا حکم دیا ۔ آٹھ ہزار بابی قتل ہوئے ۔ وزیر اعظم میرزا محمد تقی خاں غالباً خود بھی بابی تھا ۔ وہ شاہ اور اس کے حامیوں کا جانی دشمن ہو گیا ۔

ناصر الدین شاہ نے ادارۃ المعارف قائم کیا اور وہ شاہ کی زندگی تک حضرت علامہ ہی کے زیر نگرانی رہا ۔ آپ نے مدارس کی اصلاح کی اور ایک مکتب ایسا قائم کیا جس میں رہ کر طالب علم چند ہی برس میں عربی ، فارسی ، فرانسیسی ، ترکی اور انگریزی پانچ زبانوں سے بہ یک وقت آگاہ ہو جاتا اور معمولی تحریر و تقریر کر سکتا تھا ۔ مگر ناصر الدین شاہ قتل کر دیا گیا اور یہ سلسلہ ختم ہو گیا ۔

ایران میں ایک شخص نے قرآن پاک اس اہتمام سے طبع کرایا کہ اس کے حاشیے پر وہ کل احادیث و روایات جمع کر دیں جو تفاسیر قرآن سے تعلق رکھتی تھیں ۔ شاہ نے اسے پسند کیا اور حضرت علامہ سے فرمائش کی کہ ان تمام احادیث و روایات کی تصحیح و تنقید کریں تا کہ قرآن پاک کی تفسیر مکمل ہو جائے ۔ آپ نے دو فلسفی ، دو متکلم ، دو فقیہ ، دو ادیب ، دو مفسّر اور دو محدث اپنے ساتھ ملا کر چھ ماہ میں صرف استعاذہ کی تفسیر کی اور ڈیڑھ سال میں اھدنا صراط المستقیم تک پہنچے ۔ شاہ نے سو اشرفیاں علامہ کو بطور انعام عطا کیں ۔ مگر یہ مفید کام بھی شاہ کے میرزا محمد رضا بابی کے ہاتھ سے قتل ہو جانے کے بعد رک گیا اور ادارہ ٹوٹ گیا ۔ کیونکہ مظفر الدین شاہ اس دماغ کا آدمی نہیں تھا ۔ نہ امین السلطنت نے خزانے ہی میں کچھ باقی چھوڑا تھا ۔

مظفر الدین شاہ نے سفر یورپ سے واپس آتے ہی روس سے پینگیں بڑھانی شروع کیں اور ساٹھ لاکھ منات (طلائی سکہ مثل پونڈ)

قرض لیا ، جس سے ملک کے خیر خواہوں میں کھلبلی مچ گئی ۔ علامہ نے آنے والی تباہی کا اندازہ کرکے ہندوستان کا رخ کیا اور ماسکو ، برلن ، پیرس ، اسکندریہ ، مصر ، قسطنطنیہ اور عراق ہوتے ہوئے کراچی پہنچے ۔ دو سال وہاں بالکل خاموشی کے عالم میں رہے ۔ پھر کراچی سے شکارپور سندھ وغیرہ میں رہے اور وہاں سے پنجاب چلے آئے ۔ اکثر مالیر کوٹلہ ، پٹیالہ اور لاہور میں قیام رہا ۔ یہیں آپ کے جوہر کھلے ۔ آپ نے ۱۹۰۶ع سے وعظ کہنے شروع کیے جن کا ترجمہ کیا جاتا تھا ۔ اس بیس اکیس برس میں دین اسلام اور قرآن پاک کی وہ خدمت کی کہ دنیا کی آنکھیں کھل گئیں ۔ سر علی امام، مسیح الملک حکیم اجمل خاں ، حکیم محمد احمد ، ڈاکٹر اقبال ، نواب سر ذوالفقار علی خاں ، آنریبل خواجہ غلام الثقلین ، شیخ اصغر علی کمشنر جیسے عالی دماغ ، آزاد خیال ، تعلیم یافتہ ، پختہ مغز اور باخبر و بابصیرت حضرات نے بھی علامہ سے فیض پایا ، استفادہ کیا اور ان کے تبحرِ علمی کو تسلیم کیا ۔ مولانا حالی فرماتے ہیں :[1]

”دو سو سال کے عرصے میں ہندوستان میں ایسا جیّد عالم نہیں آیا ۔“

مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے دہلی میں پہلا وعظ سن کر فرمایا :

”میں نے ایسا عالم نہیں دیکھا ۔ میں نے ایسا وعظ کبھی نہیں سنا ۔“[2]

علامہ نے چونسٹھ سال کی عمر میں ۹ دسمبر ۱۹۲۲ع مطابق ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۱ھ کو لاہور میں انتقال فرمایا ۔ کسی نے کہا :

---

۱ ، ۲- مواعظِ حسنہ ، ص ۵۱ - ۷۰ -

ڈوبا پنجاب میں طہران کا وہ ''اختر علم''
افق دین پہ اب نیّرِ تاباں نہ رہا

''اختر علم'' (۱۳۴۱ھ) مادۂ تاریخ ہے۔ نواب محمد علی خاں قزلباش کی کوٹھی سے تابوت اٹھایا گیا اور گامے شاہ کی کربلا میں امانت رکھا گیا۔ ۶۔ جون ۱۹۳۶ء کو تابوت کھولا گیا۔ کفن تبدیل کیا گیا اور نجف اشرف لے جا کر قریب ضریح حضرت ہود و حضرت صالح دفن کیا گیا۔

علامہ بڑے پائے کے عالم تھے۔ کمالِ معلومات، وسعت بیان اور ذہانت و روحانیت کا یہ حال تھا کہ جو بات ایک دفعہ بیان کر دی دوبارہ نہ آئی۔ خوش تقریر تھے مگر لکھنے میں زیادہ جری نہ تھے۔ جب کچھ لکھنے کا قصد کرتے تو مضامین اس طرح چاروں طرف سے فوج در فوج حملہ کرتے کہ علامہ ان کا انتظام نہ کر سکتے۔ اکثر یہی ہوتا کہ اہلِ علم انہیں چھیڑ کر جواہراتِ علمیہ سے جھولیاں بھر لیتے۔ پھر بھی تفسیر قرآن کے علاوہ ایک رسالہ مسئلہ قضا و قدر پر، ایک تجسیمِ اعمال پر، ایک ثبوتِ معادِ جسمانی بدلائلِ فلسفۂ طبیعیہ پر علامہ نے لکھا تھا، جو ایران میں شائع ہوئے۔ یہاں علامہ کی تصانیف سے ایک مسودہ تھا جس کے اکثر مباحث و مطالب امامت سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ کچھ نوٹ اور اشارات تھے مگر قدرت نے ان کی ترتیب کا موقعہ نہ دیا۔ ''مواعظ حسنہ'' مرتبہ مولوی محمد سبطین آپ کے چند مواعظ کا مجموعہ ہے۔ علامہ کے خاص اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک مضمون ہے جو عربی میں ہے۔ اس میں آپ نے آیۂ مجیدہ انا کل شیئی خلقناہ بقدر کی تفسیر پر ایک سنی المذہب افغانی عالم کے سوال کا جواب دیا ہے۔ یہ لاہور کے ایک ماہنامہ

"البرہان" میں شائع ہو چکا ہے - یہ رسالہ بھی علامہ عبدالعلی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا -

(۴۹)

لاہور ۴ دسمبر ۱۶ء

سرکار والا تبار!

نوازش نامہ ابھی مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس گزار ہوں - سرکار علامہ عبدالعلی ہروی طہرانی سے ملاقات ہوئی تھی - وہ نہایت مخلصانہ سلام آپ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں - اس سے پیشتر امرائے دکن میں سے کسی سے سرکار کے اوصاف کا تذکرہ سن چکے ہیں - فرماتے تھے کہ حیدر آباد کا سفر کروں گا تو مہاراجہ بہادر سے ضرور ملاقات کروں گا - دوسری ملاقات کے موقع پر اور باتیں بھی اُن سے کروں گا اور جو کچھ وہ فرمائیں گے، دوسرے خط میں عرضِ خدمتِ والا کروں گا -

لاہور میں سردی خوب ہو رہی ہے - کرسمس آ رہا ہے - علی گڑھ اور لکھنو میں کانفرنس اور کانگریس کے اجلاس کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور صاحبانِ تعلیم و سیاست تہیۂ سفر کر رہے ہیں - ادھر پنجاب میں گرانی اشیاء خوردنی اور خصوصاً غلے کی گرانی کی وجہ سے لوگ بد دل ہو رہے ہیں - اللہ تعالٰی اپنا فضل و کرم کرے - انگلستان میں جنگ کی وجہ سے مرغی کی قیمت ۵ روپے ۴ آنہ ہے اور ایک انڈہ ۶ آنے کو بکتا ہے - اللہ تعالٰی اقوام عالم کو اس مصیبتِ عظیم سے نجات دے - امید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا -

مخلص دیرینہ محمدؐ اقبال

(٥٠)

٦ - دسمبر ٦١ء

سرکارِ والا تبار !

نوازش نامہ ابھی ملا ہے - اخبار میں حضور نظام کے بمبئی تشریف لے جانے کی خبر نظر سے گذری تھی - مگر یہ معلوم نہ تھا کہ سرکار بھی اُن کی معیت میں ہیں - اس واسطے کل جو عریضہ لکھا وہ حیدر آباد کے پتے پر لکھا - الحمد للہ کہ سرکار کا مزاج بخیر ہے - معلوم نہیں بمبئی میں آپ کا قیام کب تک رہے گا - ''دیار پیر سنجر'' کی زیارت ضرور کیجیے - میں بھی ایک روز تخیلات کی ہوا پر اڑتا ہوا وہاں پہونچا تھا - فضائے آسانی سے یہ آواز آ رہی تھی :

فرشتوں نے کانوں سے جس کو سنا تھا
ہم آنکھوں سے وہ زیر و بم دیکھتے ہیں

اس شعر کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آتا - سرکار کو اس دربار فلک آثار میں بہت گزر ہے - امید کہ اس کے مفہوم پر روشنی ڈالی جائے گی -

بہرحال میں آپ کے سفرِ پنجاب کے امکان سے فی الحال خوش ہوں - اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور نہالِ آرزو بار آور ہو - جس اثر کو سرکار ڈھونڈتے ہیں اس کے متعلق آپ کا خادمِ دیرینہ عرض کرتا ہے :

''دم طوف کرمکِ شمع نے یہ کہا کہ وہ اثرِ کہن
نہ ترے فسانۂ سوز میں نہ تری حدیثِ گداز میں''

مگر امید کیفیتِ مستقل اور ناامیدی عارضی ہے - اس کا ثبوت

بھی انشاء اللہ مل جائے گا۔ مطمئن رہیے، آرزو شرط ہے۔

تا امید از آرزوئے پیہم است
نا امیدی زندگانی را سم است

غم و اضمحلال کا آپ کے دربار میں کیا کام ہے۔ ان کو رخصت کا اشارہ فرمائیے:

اے کہ در زندان غم باشی اسیر
از نبیؐ تعلیمِ "لا تحزن" بگیر
این سبق صدیقؓ را صدیق کرد
سرخوش از پیمانۂ تحقیق کرد
گر خدا داری ز غم آزاد شو
از خیالِ بیش و کم آزاد شو

خادمِ دیرینہ محمدؐ اقبال، لاہور

(۵۱)

لاہور، ۱۷ دسمبر ۱۶ء

سرکار والا تبار! تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ بمبئی کا لکھا ہوا مل گیا۔ جس کے لیے ممنون و مشکور ہوں۔ الحمد للہ کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہے۔ امسال لکھنؤ اور علی گڑھ میں بڑے جلسے ہیں مگر بندۂ درگاہ بوجہ سردی کہیں نہیں گیا۔ سرکار اگر اجمیر اور لاہور تشریف لائیں تو زہے سعادت۔ اقبال کو آستاں بوسی کا موقع مل جائے گا۔ اب تو آپ کی زیارت کو بہت عرصہ ہو گیا۔ دل آرزومند ہے کہ آستانۂ شاد پر حاضر، شادمانی سے بہرہ اندوز ہو۔ سنا ہے کہ حیدر آباد میں طاعون کا دور دورہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عروس البلاد کو آفات ارضی

و سماوی سے محفوظ و مصؤن رکھے ۔ آمین ! معلوم نہیں کہ سرکار کا قیام بمبئی میں کب تک رہے گا ۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ خدائے قادر و قیوم نے ''کشن پرشاد'' کو ذوالمنن کا ہم عدد کیا ہے ۔ اقبال پر بھی نظرِ عنایت رہے اور اوقاتِ خاص میں اس شرمندۂ عقبیٰ کو یاد رکھا جائے ۔

بندۂ قدیم محمدؐ اقبال ، لاہور

(۵۲)

لاہور ، ۵ جنوری ۱۷ء

سرکار والا تبار ! تسلیم مع التعظیم

محبت نامہ مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے ۔ الحمد للہ کہ آئینۂ دل گردِ غرض سے پاک ہے ۔ اقبال کا شعار ہمیشہ سے محبت و خلوص رہا ہے اور انشاء اللہ رہے گا ۔ اغراض کا شائبہ خلوص کو مسموم کر دیتا ہے ، اور خلوص وہ چیز ہے کہ اس کو محفوظ و بے لوث رکھنا بندۂ درگاہ کی زندگی کا مقصود اعلیٰ و ارفع ہے ۔ دل تو بہت عرصے سے آرزو مند آستانہ بوسی ہے ۔ مگر کیا کیا جائے ، ایک مجنوں اور سو زنجیریں ۔ تین چار ماہ ہوئے کہ ارادہ مصمم سفرِ حیدرآباد کا کر لیا تھا ، مگر استخارہ کیا تو اجازت نہ ملی ۔ خاموش رہا ۔ اب سرکار مع الخیر پھر حیدرآباد واپس تشریف لے جائیں اور پنجاب کی سردی بھی قدرے کم ہو جائے تو پھر قصد کروں ۔ کئی باتیں راز کی آپ سے کرنی ہیں ، گو یہ ممکن ہے کہ حیدرآباد آنے تک وہ راز خود بخود آشکارا ہو جائے

اور مجھے افشا کرنے کی ضرورت نہ ہو ۔ حافظ . . . علی شاہ صاحب (۱) کو میں بہت عرصے سے جانتا ہوں ، وہ ہمارے ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے ہیں ۔ میں اُن کو سلسلۂ پیری مریدی کے آغاز سے پہلے بھی جانتا تھا اور اب بھی اُن کے حالات سے ناواقف نہیں ہوں ۔ ایک دفعہ بنگلور میں اُن کی وجہ سے بہت فساد ہونے کو تھا ۔ اُن کا وجود مسلمانوں میں اختلاف کا باعث ہوا ۔ وہاں کے مسلمانوں نے مجھے ایک خط لکھا جس میں یہ تقاضا کیا گیا تھا کہ میں اُن کے حالات بلا رو و رعایت لکھوں تا کہ فساد رفع ہو ۔ میں نے جو کچھ مجھے معلوم تھا لکھ دیا اور الحمد للہ کہ وہ فساد رفع ہو گیا اور حافظ صاحب مع اپنے مریدوں کے وہاں سے رخصت ہو گئے ۔ وہ بڑے ہوشیار آدمی ہیں اور پیری مریدی کے فن کو خوب سمجھتے ہیں ۔ بے اعتنائی اُن لوگوں کی بالعموم مصنوعی ہوتی ہے اور اس میں سینکڑوں اغراض پوشیدہ ہوتی ہیں ۔ جس طرح وہ سرکار سے پیش آئے ہیں ، اس طرز عمل کا مفہوم بخوبی سمجھتا ہوں ۔ ان کے ہاں جانے کی کوئی ضرورت نہ تھی ۔ آپ اُن کی سمجھ اور گرفت سے بالاتر ہیں ۔ عنقائے بلند آشیاں کس کے قابو میں آ سکتا ہے ۔ قریب ہے کہ آپ سب سے مستغنی ہو جائیں ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، اُمید کہ سرکار کا مزاج بخیر ہوگا ۔

خادمِ کہن محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) پیر سید جماعت علی شاہ بن سید کریم شاہ علی پوری ۱۲۵۷ھ/ ۱۸۴۱ع میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔

نجیب الطرفین سید اور سادات شیراز کے حضرت سید محمد مامون المعروف بہ قطب شیرازی کی اولاد سے ہیں ۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۳۸ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے ۔ حافظ شہاب الدین کشمیری سے علی پور سیداں میں قرآن مجید حفظ کیا ۔ ابتدائی کتب مولانا عبدالرشید علی اور مولانا عبدالوہاب امرتسری سے پڑھیں ۔ مولانا غلام قادر بھیروی ، مولانا فیض الحسن سہارنپوری سے کسب فیض کیا ۔ کانپور میں مولانا محمد علی مونگیری ناظم ندوۃ العلماء سے بھی استفادہ کیا اور مولانا احمد حسن کانپوری اور قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے بھی ۔ حدیث شریف کی سند مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے حاصل کی ۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے بھی حدیث کی سند عطا فرمائی ۔ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ فقیر محمد عرف بابا جیؒ (چورہ شریف) کے مرید ہوئے اور قلیل مدت کے بعد خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے ۔ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں ۔ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماج کی ریشہ دوانیوں کو ناکام بنایا ۔ شدھی کی تحریک کے خلاف بھرپور جد و جہد کی ۔ مرزائے قادیانی کے دعاوی کی زبردست تردید کی ۔ سیاسی خدمات بھی ناقابل فراموش ہیں ۔ ۱۹۳۵ع میں مسجد شہید گنج کی بازیابی کی تحریک میں آپ کو امیر ملت کا خطاب دیا گیا ۔ آپ کے لاکھوں مرید پاک و ہند میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا ۔ اپنے تمام مریدوں کو مسلم لیگ کی حمایت کی پر زور تلقین کی ۔ ۱۹۱۱ع میں علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کی اپیل پر، جو نواب وقار الملک نے کی، آپ نے کئی لاکھ روپیہ اپنے حلقۂ ارادت سے جمع کرایا ۔ ایک موقع پر پیر صاحب نے

علامہ اقبال سے فرمایا : ''ڈاکٹر صاحب ! آپ کا یہ شعر ہمیں بھی یاد ہے :

کوئی اندازہ کر سکتا ہے ان کے زور بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں''

اس پر علامہ نے کہا ''میری نجات کے لیے یہی کافی ہے کہ آپ کو میرا یہ شعر یاد ہے'' (صوفیائے نقشبند ، ص ۳۵۳) - آپ نے بے شمار حج کیے - پچاس مرتبہ دربارِ رسالت میں حاضری دی - سینکڑوں مسجدیں تعمیر کرائیں - متعدد مدرسے جاری کیے - ۱۹۰۴ع میں انجمن خدام الصوفیہ کی بنیاد لاہور میں رکھی - آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں بحیثیت سر پرست شریک ہوئے - یہ چند رسائل آپ کی یادگار ہیں :

(۱) ضرورتِ شیخ (۲) یارانِ طریقت (۳) اطاعتِ مرشد (۴) مریدِ صادق (یہ رسائل طبع ہو چکے ہیں - ایک رسالہ فضائل مدینۂ طیبہ پر لکھا جو ۱۹۱۰ع میں انوار الصوفیہ لاہور کے شمارہ ۱۱ میں شائع ہوا - نعتیں بھی لکھی ہیں -

امیر ملت کا وصال ۲۶ - ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ (۲۶ اور ۲۷ کی درمیانی شب) ۳۰ - اگست ۱۹۵۱ع جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو ہوا - مزار علی پور سیداں میں ہے - ہر سال نہایت شان و شوکت سے آپ کا عرس ہوتا ہے - (تذکرۂ اکابرِ اہلِ سنت ، صفحات ۱۱۳ - ۱۱۷)

(۵۳)

لاہور، ۲۲ فروری ۱۷ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے ۔ قاضی پیٹ سے ایک نوازش نامہ ملا تو ضرور تھا مگر اس میں سرکار کے بمبئی تشریف لے جانے کی خبر تھی ۔ لہٰذا بمبئی کا اڈریس معلوم کرنے کے لیے انتظار ضرور ہوا ۔ الحمد للہ کہ آج بمبئی سے سرکار کا والا نامہ ملا ۔ خودی بے خودی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ۔ مگر خودی کی بھی انتہائے کمال یہی ہے کہ دوست کی رضا جوئی میں فنا ہو جائے : ع

''ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں''

کل بمبئی سے ایک جوہری کا خط مجھے ملا ۔ یہ شخص میرا ہم جماعت و ہم مدرسہ ہے ۔ ذہانتِ خداداد، قوتِ ایجاد رکھتا ہے اور زیوروں کی ساخت میں کمال ۔ مجھے لکھا ہے کہ مہاراجہ بہادر بمبئی آنے والے ہیں، میری معرفی کرا دیجیے کہ ''قدرِ گوہر شہ بداند'' میں نے اُسے بھی محض اسی خیال سے جواب نہ دیا کہ معلوم نہ تھا کہ سرکار بمبئی میں جلوہ افروز ہو گئے یا ابھی بمبئی چشم براہ ہے ۔ بہر حال یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ سرکار بفضلہ مع الخیر بمبئی واپس تشریف لے آئے ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بلدے میں خیر و عافیت کرے کہ سرکار مع الخیر وطن نہضت فرما ہوں ۔ اقبال کا ارادہ تو ہے کہ شاد کے آستانۂ عالیہ پر حاضر ہو مگر سب کچھ جذبِ شاد پر منحصر ہے ۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اس خرقہ پوش امیر کی ہم بزمی میسر ہے ۔ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ

اقبال کے لیے بھی ایسے ہی سامان پیدا کر دے - فی الحال تو کیفیت قلب کی یہی ہے :

می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

چند روز ہوئے کہ حیدر آباد کے محکمہ تعلیم کی طرف سے ایک خط آیا تھا - بیت العلوم دکن کے امتحان تاریخ اسلامی کے لیے پرچہ سوالات تیار کر دوں - پچھلے سال پرچہ بنا دیا تھا مگر امسال الہ آباد و پنجاب کی دونوں یونیورسٹیوں کے امتحانات ایم - اے کا کام میرے سپرد تھا - فرصت نہ تھی ، مجبوراً انکار کرنا پڑا -

کل لاہور میں عجیب و غریب نظارہ تھا یعنی ہوائی جہاز اڑائے گئے - تمام دن زن و مرد اس نظارے کو دیکھنے کے لیے کوٹھوں پر اور میدانوں میں جمع ہو گئے - مگر :

ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں تیرے طیارے[1]
مرا جہاز ہے محروم بادباں پھر کیا !

زیادہ کیا عرض کروں ، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ شاد کو شاد آباد رکھے -

مخلص قدیم محمد اقبال

۱- حضرت اکبر الہ آبادی نے شاید ایسے ہی موقع پر کہا تھا :
کہا انگریز نے ہم اڑ رہے ہیں کہا میں نے خدا تم کو اڑائے

(۵۴)

لاہور، ۷ مارچ ۷ا۱ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم مع التعظیم

والا نامہ پرسوں مل گیا تھا جس میں سرکار دولت مدار کے حیدر آباد واپس جانے کی خبر تھی لہذا یہ عریضہ حیدر آباد ہی کے پتے پر لکھتا ہوں کہ سرکار کل بمبئی سے رخصت ہو جائیں گے۔

فارسی غزل کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ کا والا نامہ بارہ دن میں ملا تھا۔ یہاں کے وکالت پیشہ احباب میں بعض ذوقِ سخن رکھتے ہیں۔ اہل پنجاب کے دلوں پر آپ کا نقش تو پہلے سے ہے۔ فارسی غزل ''کیستم من'' جب پڑھی گئی تو ارباب ذوق سرمست ہو گئے۔ واقعی لاجواب غزل ہے۔ انھی باتوں سے اقبال آپ کا گرویدہ ہے۔ امارت، عزت، آبرو، جاہ و حشم عام ہے، مگر دل ایک ایسی چیز ہے کہ ہر امیر کے پہلو میں نہیں ہوتا۔ کیا خوب ہو اگر سرکار عالی کا فارسی دیوان مرتب ہو کر دیدہ افروزِ اہلِ بصیرت ہو۔

مجھے جو خلوص سرکار سے ہے، اس کا راز معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں۔ یہ راز مضمر ہے اس دل میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے۔ سرکار کی قبائے امارت سے دل کو مسرت ہے۔ مگر میری نگاہ اس سے ہرے جاتی ہے اور اس چیز پر جا ٹھہرتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے۔ الحمد للہ کہ یہ خلوص کسی غرض کا پردہ دار نہیں اور نہ انشاء اللہ ہو گا۔ انسانی قلب کے لیے اس سے بڑھ کر زبوں بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پروردۂ اغراض و مقاصد ہو جائے۔ انشاء اللہ العزیز اقبال کو آپ حاضر و غائب

اپنا مخلص پائیں گے ۔ اللہ نے اس کو نگاہِ بلند اور دلِ غیور عطا کیا ہے جو خدمت کا طالب نہیں اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے ۔ اللہ اکبر سے دو چار روز ہوئے ملاقات ہوئی تھی ۔ آپ کا تذکرہ بھی ہوا تھا ۔ ایاک نستعین کا دور دورہ پھر ہو جائے گا ۔ مطمئن رہیے ۔ آج کل لاہور میں سلطان کی سرائے میں ایک مجذوبہ نے بہت لوگوں کو اپنی طرف کھینچا ہے ۔ کسی روز اُن کی خدمت میں بھی جانے کا قصد ہے ۔ شاد کا پیغام بھی پہنچاؤں گا ۔

قید سے گھبرانا کیا ، اس کی شدت لطفِ آزادی کو دوبالا کر دے گی ۔ عرصہ ہوا میں نے پھول سے خطاب کیا تھا :

اگر منظور ہے تجھ کو خزاں نا آشنا رہنا
تو کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے
صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انھی پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کر لے

تصویریں ابھی کوئی پاس نہیں ۔ نئی بنوا کر سرکار کی خدمت میں حاضر کروں گا ۔ لڑکا دہلی کالج میں پڑھتا ہے ۔ ذہین و طباع ہے مگر کھیل کود کی طرف زیادہ راغب ہے ۔ آج کل اس فکر میں ہوں کہ اس کو کہیں مرید کرا دوں یا اس کی شادی کر دوں کہ اس کے ناز میں نیاز پیدا ہو جائے(۱) ۔

ناز تا ناز است کم خیزد نیاز
ناز ہا سازد بہم خیزد نیاز

اُس کی تصویر بھی انشاء اللہ حاضر ہو گی ۔ والسلام

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) آفتاب اقبال علامہ اقبال کے بڑے فرزند تھے ۔ ان کی والدہ کریم بی بی حضرت علامہ کی پہلی بیوی تھیں ، جو الحاج خان بہادر حافظ ڈاکٹر شیخ عطا محمد (م - ۱۹۲۳ع بعمر ۶۳ سال) کی صاحبزادی تھیں ۔ وہ حجاز مقدس میں پیدا ہوئی تھیں ۔ انھوں نے حج بھی کیے تھے ۔ ان کی شادی ۱۸۹۳ع میں ہوئی ۔ علامہ اقبال کی رحلت کے آٹھ سال بعد ۱۸۴۶ع میں گجرات میں ان کا انتقال ہوا ۔

آفتاب اقبال ۱۸۹۹ع میں پنڈ دادن خاں[1] ضلع شاہ پور میں پیدا ہوئے جہاں ان کے نانا سرجن کے عہدے پر فائز تھے ۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم سکاچ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ میں اپنے دادا شیخ نور محمد کی نگرانی میں حاصل کی اور ۱۹۱۶ع میں میٹریکولیشن کا امتحان پنجاب یونی ورسٹی سے درجۂ اول میں پاس کیا ۔ علامہ اقبال کے استاد شمس العلماء مولوی میر حسن نے نہایت شفقت سے آفتاب اقبال کو پند نامہ فرید الدین عطار وغیرہ کتابیں بھی پڑھا دی تھیں ۔

پھر کچھ ایسا پیچ پڑا کہ آفتاب اقبال اور ان کی والدہ سے علامہ اقبال کے تعلقات کچھ اچھے نہ رہے ۔ یہ حضرتِ علامہ کی گھریلو زندگی کا نہایت المناک واقعہ ہے کہ کریم بی بی اپنے میکے جا بیٹھیں اور مرتے دم تک گجرات ہی میں رہیں ۔ اقبال نے یکے بعد دیگرے ایک چھوڑ دو شادیاں اور کر لیں اور آفتاب اقبال اپنی حقیقی والدہ کی حمایت کا دم بھرتے بھرتے اتنا گستاخ ہو گیا کہ باپ کے منہ آنے لگا ۔ وہ باپ کو بیہودہ اور دھمکی آمیز خط لکھ لکھ کر روپیہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ۔ اس طرح باپ کی نظروں

۱- پنڈدادن خاں انتظامی لحاظ سے آج کل جہلم کے ضلع میں ہے ۔

سے گر گیا اور بالکل ہاتھوں سے نکل گیا ۔ اقبال بیوی کو تو ہر ماہ خرچ بھیج دیتے تھے ، اور یہ سلسلہ حضرت علامہ کی وفات تک جاری رہا ، لیکن آفتاب اقبال کی ''نازبرداریاں'' وہ زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے ۔ اس لیے اسے اس حد تک نظر انداز کر دیا کہ وہ اپنی مزید تعلیم کے لیے بھی ہمیشہ پریشان حال ہی رہا ۔

حیدر آباد دکن کے سر اکبر حیدری کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیمی معیار سے آفتاب اقبال ایک ذہین اور ہونہار طالب علم تھا ، جیسا کہ اس کے تعلیمی سفر سے عیاں ہے ۔ یہ معلومات زیادہ تر اقبال اکیڈیمی حیدر آباد دکن کے سہ ماہی مجلہ ''اقبال ریویو'' بابت اپریل ۔ جون ۱۹۸۴ع سے حاصل کی گئی ہیں اور کچھ دوسرے ذرائع سے ملی ہیں :

۱۹۱۶ع میں انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی سے میٹریکولیشن کا امتحان درجۂ اول میں پاس کیا ۔

۱۹۱۸ع میں سینٹ اسٹیفن کالج دہلی سے ایف ۔ اے کا امتحان درجۂ دوم میں پاس کیا ۔

۱۹۲۰ع میں اسی کالج سے بی ۔ اے کا امتحان درجۂ اول میں فلاسفی میں آنرز اور معاشیات اختیاری مضمون کے ساتھ کامیاب کیا ۔

اس وقت تک دہلی یونی ورسٹی قائم نہیں ہوئی تھی مگر سینٹ اسٹیفن کالج کا نام اپنے ہندوستان گیر شہرت رکھنے والے اساتذہ مسٹر این ۔ کے ۔ سین ، مسٹر پی ۔ این ۔ مکرجی اور سی ۔ ایف ۔ اینڈریوز کی وجہ سے دور دور تک پہنچا ہوا تھا ۔ انھی قابل اساتذہ کی سرپرستی میں ۱۹۲۱ع میں آفتاب نے فلسفے میں ایم ۔ اے کیا ۔ یہ استاد حضرت علامہ اقبال کی علمی ، ادبی اور قومی خدمات کے بھی مداح اور قدردان تھے ۔

اس کے بعد آفتاب اقبال کے ماموں کیپٹن غلام محمد اور نانا نے انھیں اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لیے انگلستان بھیج دیا ۔

جولائی ۱۹۲۲ء میں آفتاب اقبال نے لندن یونی ورسٹی سے بی ۔ اے ۔ درجہ اول میں، فلاسفی میں آنرز اور سماجیات ایک ذیلی مضمون کے ساتھ پاس کیا ۔

۱۹۲۴ء میں اسی یونی ورسٹی سے ایم ۔ اے ۔ کا امتحان کامیاب کیا ۔ تخصیصی مضمون (Dissertation) کیمبرج کے پروفیسر ڈیوس ھکس (Prof. Dawes Hicks) کے زیر نگرانی لکھا ۔ عنوان یہ تھا :

The Conception of Self consciousness in Pre-Kantian and Kantian Philosophy

(''کانٹی دور سے پہلے اور کانٹی فلسفہ میں تصورِ خود شناسی)

لندن یونی ورسٹی کے مدرسۂ علوم شرقیہ (School of Oriental Studies) میں ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک دو سال اردو کے لیکچرار کی حیثیت سے تدریس کی ۔

اس سے قبل نومبر ۱۹۲۴ء سے جون ۱۹۲۶ء تک پنجاب واپس آ کر انڈین ایجوکیشنل سروس میں ملازمت کے لیے کوشش کی مگر کوئی جگہ نہ مل سکی ۔ اس لیے پھر انگلستان واپس چلے گئے اور وہاں ملازمت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ۔ مدرسۂ علوم السنۂ شرقیہ میں ملازمت کے ساتھ ساتھ ۱۹۲۶ء میں لنکنز ان میں شریک ہو کر قانون کی بھی تعلیم حاصل کرنی شروع کردی اور ۱۹۲۹ء میں بار ایٹ لاء کے تمام مراحل کامیابی سے طے کر لیے ۔ اس کے باوجود معاشی مشکلات کی بنا پر وکالت شروع نہ کر سکے ۔ بلکہ ایک سو پچاس پونڈ کی امتحانی فیس ادا نہ کر سکنے کی بنا پر سند سے بھی محروم رہے ۔

انھی دنوں حیدرآباد دکن کا سرکاری وفد بہ سلسلہ دستور و وفاقی مذاکرات لندن پہنچا ۔ اس ڈیلی گیشن کے اٹھائیسویں اجلاس منعقدہ الیگزنڈر ہوٹل ہائیڈ پارک کارنر لندن بتاریخ ۱۶ جنوری ۱۹۳۱ء میں مندرجہ ذیل افراد شریک تھے :

(۱) سر اکبر حیدری ۔ (۲) نواب مہدی یار جنگ ۔

(۳) سر رچرڈ ٹرنچ ۔ (۴) نواب سر امین جنگ بہادر ۔

(۵) سر رینالڈ گلانسی ۔ (۶) مسٹر پکھتال ، سیکریٹری ۔

آفتاب اقبال نے اپنے والد کے شخصی روابط کی بنا پر کسی طرح سر اکبر حیدری تک رسائی حاصل کر کے اپنی مشکلات اور احتیاجات کی طرف ان کی توجہ دلائی ۔ سر اکبر حیدری ان کی گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ انھوں نے وفد سے ایک سو نوے پونڈ کی رقم بطور قرض حسنہ ان کو دلوا دی جس سے انھوں نے امتحانی فیس ادا کرنے پر بیرسٹری کی سند حاصل کرلی ۔

حیدرآبادی وفد نے انگلستان سے واپس آکر یہ مسئلہ ریاستی کونسل میں منظوری کے لیے پیش کیا ۔ یہاں مہاراجہ کشن پرشاد مدارالمہام موجود تھے جو اقبال کے نہایت گہرے دوست تھے ۔ انھوں نے یہ قرضہ معاف کرا کے اسے عطیہ قرار دے دیا ۔ روئداد اجلاس باب حکومت ۱۶ امرداد ۱۳۴۰ فصلی سے ظاہر ہوتا ہے کہ :

''آفتاب اقبال صاحب کے خاندانی اعزاز کے لحاظ سے اراکین حیدرآباد نے اپنی زیر نگیں رقم سے ایک سو نوے پونڈ بطور قرض حسنہ جو صاحب موصوف کو اس غرض سے دیا تھا کہ یہ ایک معزز خاندان کا ہندوستانی طالب علم بحالتِ عسرت انگلستان میں پریشان حال نہ رہے ، اس کی

پا بحالی کرائی جانے کا مسئلہ حسبِ ریزولیشن فقرہ (۱۰)
منظورہ اجلاس بیست و ہشتم ڈیلی کیشن منعقدہ ۱۷ جنوری
۱۹۳۱ع بمقام لندن کونسل میں پیش ہونے پر بہ اتفاق
طے پایا کہ آفتاب اقبال صاحب کی مالی مشکلات کے مد نظر
قرضِ حسنہ معاف کیا جا کر عطیہ متصور کیا جائے۔''
(دستخط مہاراجہ کشن پرشاد ، صدر اعظم)

پہلی راؤنڈ ٹیبل کانفرنس بھی انھی دنوں لندن میں ہو رہی تھی۔ دسمبر ۱۹۳۰ع کے آخری ہفتے میں انڈین ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام اسٹرینڈ پیلس ہوٹل لندن میں بصدارت مسٹر ریمزے میکڈانلڈ کانفرنس کے شرکاء کو ایٹ ہوم دیا گیا۔ پروفیسر آفتاب اقبال نے صدر استقبالیہ کی حیثیت سے اپنے وطن ہندوستان کی طرفداری میں ایک زبردست تقریر کی۔ یہ تقریر لندن کے تمام اخباروں میں چھپی اور ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ معزز مہمانوں کی طرف سے سر محمد شفیع نے اس کا جواب دیا۔ سر اکبر حیدری اور سر ایڈورڈ میکلیگن سابق گورنر پنجاب ، جنھوں نے علامہ اقبال کے لیے نائٹ ہڈ کے خطاب کی سفارش کی تھی ، تقریر سننے والوں میں موجود تھے۔ جلسے کے اختتام پر سر ایڈورڈ میکلیگن تو آفتاب اقبال کو ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر علیحدہ لے گئے اور نہایت شفقت آمیز لہجے میں ان کو شاباش دی[1]۔ سر اکبر حیدری اگرچہ برطانوی حکومت کے حامی تھے اور یہ تقریر ان کے نصب العین کے خلاف تھی ، پھر بھی وہ آفتاب اقبال کے حسنِ بیان سے بہت متاثر ہوئے۔

اپنی قیام گاہ پر پہنچ کر انھوں نے ہائیڈ پارک ہوٹل 'نائٹ برج'

۱۔ ''علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی'' ، ص ۸۶ - ۸۷۔

لندن سے یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو جناب فخرالدین (فخر یار جنگ) کو ایک سفارشی خط لکھا کہ وہ اس ہونہار نوجوان کو دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ یا کسی دوسری جگہ کوئی اسامی دلانے میں مدد کریں - لیکن بد قسمتی سے اس وقت کوئی جگہ خالی نہ تھی، اس لیے وہ کوئی مدد نہ کر سکے -

آفتاب اقبال نے لاہور پہنچ کر ۲۹ مارچ ۱۹۳۱ء کو سٹیفلز ہوٹل ، دی مال سے سر اکبر حیدری کو ایک خط میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی مالی مشکلات ، والد کے عدمِ التفات ، جائداد سے محرومی وغیرہ کا شکوہ کرتے ہوئے انہیں سر اقبال کو ان کی مالی امداد پر آمادہ کرنے کی درخواست کی - چنانچہ سر اکبر حیدری نے اقبال کو لکھا :

"میں ایک نہایت نازک معاملے کے بارے میں آپ کو لکھنے کی جسارت کرتا ہوں - آپ کے صاحبزادے آفتاب اقبال نے لندن میں مجھ سے مدد کی درخواست کی اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں اس سے بہت متاثر ہوا - اس کی ناداری کی داستانیں وہاں کی مسلمان برادری میں اکثر زیرِ بحث رہتی ہیں - اس کی حالت پر تو مجھے ترس ہی آیا تھا ، لیکن میں اس الزام پر اب اور زیادہ دکھ محسوس کرتا ہوں جو لوگ اس شخصیت پر لگاتے ہیں جسے میں ہمیشہ ایک عظیم انسان اور ایک عظیم مسلمان تسلیم کرتا رہا ہوں - اپنے بیٹے سے آپ کی خفگی کی وجوہ مجھے معلوم نہیں مگر میں یہ کہنے کی جرأت کرتا ہوں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس کی بحالی پر غور فرمائیں اور اس وقت تک اس کی

مدد کریں جب تک وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ ہو جائے - آپ یقین فرمائیے کہ محض دوستانہ جذبے ہی نے مجھے یہ عریضہ پیش کرنے کی ہمت دلائی ہے -''

اس خط کا جواب سر محمد اقبال ، ایم ایل سی ، بیرسٹر ایٹ لاء ، لاہور نے ۲ مئی ۱۹۳۱ع کو دیا - خط کے سر تحریر پرائیویٹ اینڈ کانفی ڈنشل لکھا ہوا ہے مگر صدر حیدرآباد کی سرکاری فائلوں میں یہ اب تک موجود ہے - خط اس طرح شروع ہوتا ہے :

''مائی ڈیر سر اکبر !

میں آپ کے اس گرامی نامے کے لیے بے حد سپاس گزار ہوں ، جو ایک ہی لمحہ پہلے مجھے ملا ہے - یہ داستان اتنی طویل اور اذیت دہ ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی - مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کو تمام حقائق کا علم ہوتا تو آپ کو خط لکھنے میں بڑی مشکل پیش آتی - بلکہ میں نے خود دہلی میں آپ کی ملاقات سے گریز کیا - مبادا وہ ہماری گفتگو کا موضوع بن جائے اور وقتی طور پر میری دلی طمانیت قلب غارت ہو جائے - وہ جس گستاخی اور بد تمیزی سے میرے ساتھ اور خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ پیش آتا تھا ، اس کے باوجود میں اپنے وسائل سے بڑھ کر اس کی مدد کرتا رہا ہوں - کوئی باپ سکون کے ساتھ وہ بیہودہ اور دھمکی آمیز خطوط نہیں پڑھ سکتا جو اس نے ہمیں لکھے - اور جو کچھ وہ اب کر رہا ہے ، وہ اس بلیک میلنگ اسکیم کے سوا کچھ نہیں جو وہ کچھ عرصے سے اختیار کیے ہوئے ہے - بہر حال میں اب اس قابل نہیں

کہ اس کی کوئی مدد کر سکوں ۔ میں بوڑھا آدمی ہوں ۔ میری صحت بگڑ چکی ہے ۔ مجھے کہیں سے کچھ ملنے کی توقع نہیں ۔ دو چھوٹے بچوں کی پرورش میرے ذمے ہے ۔ اگر میں صاحبِ ثروت ہوتا تو ممکن ہے کچھ کرتا ، اگرچہ وہ مجھے کوئی چیز نہیں سمجھتا ۔ میرے حالات کا اندازہ میرے سوا کسی کو نہیں ۔ قدرت نے مجھے چند نعمتوں سے نوازا ہے ، باقیوں سے محروم رکھا ہے ۔ میں اسی میں مگن ہوں ۔ میرے لب کسی حرفِ شکایت سے آشنا نہیں ۔ شاید آپ پہلے آدمی ہیں جنھیں میں نے وہ کچھ لکھ دیا ہے ، جو اس سے پہلے کبھی نہیں لکھا ۔ مجھے اپنے مصائب و آلام کی نمائش سے نفرت ہے ۔ پھر دنیا بہ حیثیت مجموعی غیر ہمدرد ہے ۔ سر اکبر حیدری جیسی طبیعت کس کی ہے ، جس میں دل سوزی اور ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہے ۔ میں جانتا ہوں کہ آپ نے اس کی مدد کچھ تو اس بنا پر کی کہ اس نے آپ کو متاثر کیا اور کچھ میری وجہ سے ۔ آپ کی کریم النفسی سے اس کے سوا توقع بھی کیا ہو سکتی ہے ؟ مگر مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اسے عثمانیہ یونی ورسٹی میں کوئی مناسب جگہ دلوا دیں تو مجھ پر دوگونہ احسان ہوگا ۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں گے ۔ جہاں تک لیڈی حیدری کا تعلق ہے ، میں پچھلے دنوں مسز پائم کی کتاب ''لارنس آف انڈیا'' میں ان کے بارے میں پڑھ رہا تھا ۔''

اس خط کے جواب میں ۱۱ مئی ۱۹۳۱ع کو سر اکبر حیدری نے

سر محمد اقبال کے موقف کو سراہا اور آفتاب اقبال کا بوجھ نہ اٹھا سکنے کی ان کی مجبوری کو درست تسلیم کیا اور انھیں یقین دلایا کہ وہ عثمانیہ یونی ورسٹی میں ان کو کوئی جگہ دلوانے میں اپنی کوشش جاری رکھیں گے۔

اس خط کا جواب سر محمد اقبال نے ۱۴ مئی ۱۹۳۱ع کو دیا۔ اقبال کا یہ خط بھی حیدرآباد میں اصل حالت میں موجود ہے۔ انھوں نے تحریر فرمایا:

"ابھی ابھی آپ کا خط ملا، جس کے لیے میں بے حد شکر گزار ہوں۔ یہ نوجوان اب تک مبلغ ۷۰۰۰ روپے اپنے اوپر صرف کر چکا ہے۔ اس کے اپنے بیان کے مطابق اس رقم میں سے مبلغ ۵۰۰۰ روپے اس نے انگلینڈ سے ادھار لیے ہیں۔ میں نے ۱۰۰۰ روپیہ اس کی والدہ کو دیا۔ اس نے وہ سب بھی اس پر صرف کر دیا۔ وہ رقم اس کے علاوہ ہے جو اس نے خود اور اس کے والد نے لڑکے کو دی۔ اس کے یہاں پہنچنے سے ایک دو مہینے پہلے مجھ سے مطالبہ کیا گیا کہ میں اسے ۱۰۰۰ روپیہ ادا کروں۔ اس کے ہندوستان پہنچنے کے چند روز بعد انگلینڈ میں اس کے قرض خواہوں میں سے ایک کا مجھے پہلا خط موصول ہوا۔ اس کے باوجود وہ بلیک میل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً خط لکھتا رہتا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ اس کے آخری خط کی نقل آپ کو بھیج دیتا۔ مگر میں ایسا نہیں کر رہا۔ صرف اس لیے کہ کہیں آپ اس کی ہمدردی سے ہاتھ ہی نہ اٹھا لیں۔ فارسی کا مندرجہ ذیل

شعر میری موجودہ دماغی حالت پر صادق آتا ہے ۔

آں جگر گوشہ ہماں شد کہ من اول گفتم

کہ چو شوید لبش از شیر جگر خوارہ شود

پس نوشت ۔ میری خواہش ہے کہ آپ شملہ جاتے ہوئے بھوپال میں قدم رنجہ فرمائیں ۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال یہ خط لکھنے کے بعد بھوپال جانے کا قصد رکھتے ہوں گے اور چاہتے ہوں گے کہ سر اکبر حیدری سے وہاں ملاقات ہو جائے ۔

۲ فروری ۱۹۳۷ع کو ڈاکٹر اقبال نے سر اکبر حیدری کو ایک اور خط لاہور سے لکھا ، جس پر پرائیویٹ اور کانفیڈنشل لکھا ہوا ہے ۔ اس کے ساتھ ایک گمنام خط بھی منسلک تھا جو انہیں کسی نے بھیجا تھا ۔ مضمون یہ تھا :

"میں اس عریضے کے ساتھ ایک خط آپ کو بھیج رہا ہوں ، جو رات ہی مجھے ڈاک کے ذریعے موصول ہوا ہے ۔ چوں کہ لفافے کے اندر صرف یہی ایک پرچہ تھا جو مجھے ملا ، اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کس نے بھیجا ۔ خط کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب نے آپ کو کوئی خط لکھا تھا ، جس کا یہ جواب ہے ۔ میرا قیاس ہے کہ آپ کو معلوم ہے ۔ لکھنے والا میرے لیے بالکل اجنبی ہے اور کئی سال سے ۔ میرے لیے ناممکن ہے کہ میں بیان کر سکوں کہ ان برسوں میں وہ مجھ سے کس طرح پیش آتا رہا ہے ۔ بہ ہر حال یہ خط لکھنے سے میرا مقصود صرف یہ ہے کہ آپ اس نوجوان سے ہوشیار رہیں ، جو میرے لیے مصیبت کا باعث بنا ہوا ہے ۔ میں اسے تو باز نہیں رکھ سکتا

کہ وہ آپ کو یا میرے دوسرے دوستوں کو اس قسم کے بیہودہ خط لکھے۔ لیکن آپ کے اخلاقِ کریمانہ کی شہ پا کر وہ آپ کو اپنے اور میرے تعلقات ہموار کرنے کے لیے آکسا رہا ہے۔ یہ بات تو قطعاً ناممکن ہے۔ یقیناً وہ آپ سے روپیہ بٹورنا چاہتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ اس سے پہلے بھی آپ کی ہمدردی کو دھوکا دے چکا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ آئندہ کے لیے خط لکھنے میں اس کی حوصلہ افزائی نہیں کریں گے۔

امید ہے آپ صحت سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ براہِ کرم لیڈی حیدری کو میری نیک خواہشات پہنچا دیجیے۔''

اس خط کے جواب میں سر اکبر حیدری نے ۱۲ فروری ۱۹۳۷ع کو لکھا:

''میرے لیے یہ کوئی آسان بات نہیں کہ میں آپ کے عنایت نامے کا جواب لکھ سکوں، جس میں آپ نے مجھے بیہودہ خطوں سے بچنے اور خبردار رہنے کی ہدایت کی ہے۔ میں آپ کو دکھ پہنچانے کا ذمہ دار ہوں۔ یقین فرمائیے کہ اگر مجھے پہلے سے ان ناخوش‌گوار حالات کا علم ہوتا، جن کی آپ نے نشان دہی کی ہے، تو بلا شبہ میں اس اپیل کو نظر انداز کر دیتا۔ میں خطرے سے آگاہ رہنے والے آپ کے مشورے کے لیے بے حد ممنون ہوں اور پوری ہمدردی کے ساتھ اس امید کے اظہار کی جسارت کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کے نیک نام کو داغ دار کرنے والی ہر کوشش ختم کر دی جائے گی۔

امید ہے آپ کی صحت بہتر ہوگی اور آپ آرام اور سکون کی جد و جہد میں مصروف ہوں گے ۔"

یہ آخری خط ہے جو سر اکبر حیدری نے علامہ اقبال کو لکھا ۔ اس کے بعد مثل میں آفتاب اقبال کے چند خطوط ہیں جن میں مالی امداد کے لیے ان کی مساعی کی ناکامی کا شکوہ ہے ۔ یہ مارچ اور اپریل ۱۹۳۸ع میں لکھے گئے تھے ۔

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ع کو علامہ اقبال یہ کہتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے :

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ او

ان کے جیتے جی کوئی وظیفہ ریاست حیدرآباد کی طرف سے جاری نہ ہو سکا ۔ بلکہ شرم ناک حد تک ریاست کا روپیہ ریاست سے باہر بھیجنے کی سختی سے مخالفت کی گئی ۔ البتہ ان کے پسماندگان کی امداد کے سلسلے میں ڈاکٹر مظفر الدین قریشی ، صدر شعبۂ کیمیا جامعہ عثمانیہ کے توجہ دلانے پر نظام حیدرآباد نے ۱۵ رمضان ۱۳۵۷ھ کو یہ فرمان جاری کیا :

"ڈاکٹر اقبال کی قومی خدمات کے لحاظ سے ان کی بیوی (کریم بی بی) کے نام پچاس روپے ماہوار تا حیات اور کم سن لڑکے (جاوید اقبال) کے نام پچاس روپے ماہانہ تا ختمِ تعلیم اور لڑکی (منیرہ) کے نام پچاس روپیہ تا کتخدائی جاری کیا جائے ۔ مرحوم کا تعلق ہماری ریاست سے نہ ہونے کے باوجود ان کے پس ماندوں پر احسان کیا جاتا ہے ، تو ان کے فرزندِ کلاں (آفتاب اقبال) کو یک مشت رقم

دینہ چہ معنی دارد ۔ وہ بھی ایسے شخص کو جو قانونی
پریکٹس سے اپنی روزی کما رہا ہو ، لہذا اس کی ضرورت
نہیں ۔''

آفتاب اقبال کے ۲۹ اکتوبر ۱۹۳۹ء کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اسلامیہ کالج لاہور میں صدر شعبۂ انگریزی کی اسامی پر ملازمت مل گئی تھی ، لیکن وہ اپنی شادی اور گھر بنانے کے لیے امداد کے محتاج تھے ۔

ان کے ایک دوسرے خط سے ، جو ۳۰ ستمبر ۱۹۴۱ء کو لکھا گیا ہے ، معلوم ہوتا ہے کہ ریاست حیدرآباد سے لیڈی اقبال کو پچاس روپے سکہ حالی کا وظیفہ مقرر ہو گیا تھا ، لیکن آفتاب اقبال اس میں اضافے کے خواہش مند تھے ۔ لیکن انھیں دونوں امور کے سلسلے میں اخلاقاً نفی میں جواب دے دیا گیا ، کیوں کہ جنگِ عظیم دوم اور معاشی بحران کی وجہ سے ریاست ان دنوں سخت مشکلات سے دوچار تھی ۔

وقت کے ساتھ ساتھ آفتاب اقبال کی سرشت بھی بدلتی گئی ۔ اس میں شوریدہ سری کی جگہ متانت آتی گئی ۔ وہ نیک و بد کو سنجیدگی سے سوچنے لگے ۔ انھوں نے ۱۹۴۲ء میں لاہور ہائی کورٹ میں بہ حیثیت بیرسٹر پریکٹس شروع کر دی اور قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں مستقل اقامت اختیار کرلی ۔ قانونی قابلیت اور خوبصورت خطابت کی بدولت یہاں ان کی وکالت چمک اٹھی ۔ انھوں نے جالندھر کے ایک ٹھیکیدار میرزا روشن بیگ کی دختر رشیدہ بیگم سے شادی کرلی ۔ گھر بسایا ۔ اپنے بچوں کی تعلیم میں دل کے حوصلے نکالے اور نہایت کامیاب اور خوش حال زندگی بسر کی ۔ اب وہ اپنے

عظیم والد کے محاسن کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے اور ہمہ وقت رطب اللسان رہتے تھے۔ شاید مولانا میر حسن کے بچپن میں پڑھائے ہوئے ''پند نامہ عطار'' کا اثر اب ظاہر ہوا یا ممکن ہے یہ سجدۂ سہو ہو۔ بہ ہر حال اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہنا چاہیے۔

آفتاب اقبال جب تک زندہ رہے، کراچی میں یومِ اقبال کی تقریبات میں ان کی شرکت لازمی ہوتی تھی بلکہ ان کی موجودگی سے رونق دوبالا ہو جاتی تھی۔ لوگ ان کی تقریریں بڑے شوق سے سنتے تھے۔ یہ تقریریں اکثر علامہ اقبال کے کلام کی نہایت پرتاثیر توضیح ہوتی تھیں۔ کراچی کونسل کے ایک جلسے (۱۹۶۸ء) کا افتتاح کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا:

''آج کے اجتماع کا مقصد اس نابغۂ روزگار شخصیت کو خراجِ عقیدت پیش کرنا ہے جسے بجا طور پر پاکستان کا روحانی باپ کہا جا سکتا ہے۔ اقبال کو اس دارِ فانی سے گزرے تیس برس بیت چکے ہیں، لیکن روحانی طور پر وہ ہمیں اتنا ہی قریب محسوس ہوتے ہیں جتنا اپنی زندگی میں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم ان کے قریب تر آ گئے ہیں۔ آج سے نصف صدی قبل انھوں نے اپنے شاعرانہ تخیل کی سطح پر جو کچھ سوچا اور محسوس کیا، وہ آج ہمارے انفرادی اور اجتماعی تجربے کا حصہ بن چکا ہے۔ ان کی شخصیت اس عظیم پہاڑ کی طرح ہے جسے دامن کی پہاڑیوں نے دھندلا رکھا ہو۔ مگر قریب پہنچ کر آگے بڑھیے تو بلندی کے ساتھ ساتھ اس کی حقیقی عظمت اجاگر ہو جاتی

ہے - برِ صغیر پاک و ہند کی آنے والی مسلمان نسلیں خصوصی طور پر اور باقی دنیا عمومی طور پر اقبال کو ہم سے زیادہ واضح طور پر سمجھنے میں کامیاب ہوں گی جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے :

من نوائے شاعر فرداستم

اقبال جیسی غیر معمولی شخصیت کی عبقری صلاحیتوں کی دریافت کے لیے ہمیں ایک طویل مدت تک صبر آزما تحقیقی مطالعے کی ضرورت ہے ، جس سے ان کی شخصیت پر اثر انداز ہونے والے اخلاق ، سیاسی اور معاشرتی حالات و ماحول اور عوامل کا اندازہ ہو سکے - یہ ظاہر ہے کہ وہ وقت سے بہت پہلے پیدا ہوئے اور بامِ شہرت پر پہنچ کر ایسے وقت میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے جب ان کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی ، حالاں کہ یہ ایسا نازک وقت تھا جب عوام الناس کو اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے ان جیسے صاحب علم و دانش ، صاحبِ فکر اور صاحبِ کردار رہنما کی ضرورت تھی - انھوں نے اپنی بے پناہ جرأت اور جسارت کی بنا پر ہر مذہب ، سیاست اور معاشرتی اصلاحات کے ضمن میں نہ صرف اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا بلکہ اپنے ہی خوابوں کی مخالفت بھی مول لی ، جن سے وہ اخلاق تعاون کی توقع رکھتے تھے -''

یہ تقریر نہایت خوبصورت انگریزی میں تھی - بہت طویل اور اقبال کے با موقع اشعار سے مزین - وہ بولتے تھے تو ان کے منہ سے پھول جھڑتے تھے - ایسا محسوس ہوتا تھا کہ زبان و قلم کے وہی

جوہر جو زندگی بھر اقبال کو دکھ پہنچانے میں تیر و نشتر کا کام کرتے رہے ، اب ان کی روح کو خوش کرنے میں لگے ہیں ۔ گویا فصلِ گل ختم ہو جانے کے بعد بادِ بہاری کا پیام لا رہے ہیں ۔ ''قدر نعمت بعد از زوال'' شاید اسی کو کہتے ہیں ۔

آفتاب اقبال کی روح ۱۴ ۔ اگست ۱۹۷۹ع کو لندن میں قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور اب ان کا جسدِ خاکی کراچی کی سرزمین میں قبرستان سخی حسن کے مشرقی گوشے میں آسودۂ راحت ہے ۔ قبر کے تعویذ پر یہ عبارت کندہ ہے :

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

آفتاب اقبال

فرزندِ اکبر

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

تاریخِ پیدائش : ۲۳ ۔ جون ۱۸۹۸ع

تاریخِ وفات : ۱۳ ۔ اگست ۱۹۷۹ع''

یہی سب کچھ انگریزی میں بھی ہے ۔ تعویذ کے دائیں بائیں چاروں قل اور آیۃ الکرسی کندہ ہے ۔

(۵۵)

لاہور ، ۱۸ مارچ ۷ ۱ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

ایک عریضہ چند روز ہوئے لکھا تھا ۔ امید کہ ملاحظۂ عالی

سے گزر چکا ہوگا ۔ آج منشی محمد دین (یا دین محمد) ایڈیٹر اخبار "میونسپل گزٹ" لاہور (۱) میرے ہاں آئے ۔ انھوں نے اپنے اخبار میں میرے متعلق کچھ لکھا تھا جو اب تک میری نظر سے نہیں گزرا ۔ مگر معلوم ہوتا ہے ، جیسا کہ انھوں نے مفصل بیان بھی کیا ہے ، اسی مضمون کا ایک عریضہ بھی ایڈیٹر مذکور کی طرف سے سرکارِ والا کی خدمت میں لکھا گیا تھا ۔ اس عریضے کا جواب منشی محمد دین صاحب نے مجھے دکھایا ہے ، جس کو پڑھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی ۔ یہی والا نامہ عریضۂ ہذا کے لکھنے کا محرّک ہوا ۔ میں نے منشی محمد دین صاحب (صحیح دین محمد) سے یہی کہا جو سرکار نے اپنے والا نامے میں ارشاد فرمایا ہے ۔ ان کو معلوم نہ تھا کہ سرکار شاد میں اقبال بھی آبرو رکھتا ہے ۔ مگر جو کچھ انھوں نے بے غرضانہ کیا اس کا شکریہ ادا کرنا فرضِ عین تھا ۔ اور جو کچھ سرکار نے ان کے عریضے کے جواب میں لکھا ہے ، اس کے لیے بھی اقبال سراپا احساسِ تشکر و امتنان ہے ۔ اخباروں میں کئی دن سے یہ بات چکر لگا رہی ہے — میں نے سنا ہے پنجاب اور یوپی کے اکثر اخباروں اور مخبرِ دکن نے بھی لکھا ہے ، مگر سرکار کو میں نے عمداً اس بارے میں کچھ نہ لکھا ، زیادہ تر اس وجہ سے کہ اگر کوئی امکان اس قسم کا نکلے تو سرکار کی مساعی پر مجھے پورا اعتماد تھا ۔ اور علاوہ اس اعتماد کے حیدرآباد کے حالات کا مجھے مطلق علم نہ تھا ۔ انھی وجوہ سے باوجود اس بات کے کہ سرکار کے قریب اور ظلِ عاطفت میں رہنے کا خیال مدت سے دامن گیر ہے ۔ میں نے سرکار کی خدمت میں کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی ۔ میں نے اب تک اپنے معاملات میں ذاتی کوشش کو بہت کم دخل دیا ہے ۔ ہمیشہ اپنے آپ کو حالات کے اوپر چھوڑ دیا ہے اور نتیجے سے ، خواہ وہ کسی قسم کا

ہو ، خدا کے فضل و کرم سے نہیں گھبرایا ۔ اس وقت بھی قلب کی کیفیت یہی ہے کہ جہاں اس کی رضا لے جائے گی جاؤں گا ۔ دل میں یہ ضرور ہے کہ اگر خدا کی نگاہِ انتخاب نے مجھے حیدرآباد کے لیے چنا ہے تو اتفاق سے یہ انتخاب میری مرضی کے بھی عین مطابق ہے ۔ گویا بہ الفاظِ دیگر بندہ و آقا کی رضا اس معاملے میں کلی طور پر ایک ہے ۔ زیادہ کیا عرض کروں ، امید کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہوگا ۔

سراپا سپاس مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) منشی دین محمد لاہور کے پرانے اخبار نویس اور بڑے وضعدار بزرگ تھے ۔ ان کے والد مولوی فتح دین بسمل نے لاہور سے ''پنجاب پنچ'' کے نام سے ایک ظریفانہ اخبار جاری کیا تھا ، جو خاصا مقبول پرچہ تھا ۔ منشی دین محمد ۱۸۷۶ع میں پیدا ہوئے ۔ شاعری اور صحافت کا ذوق باپ سے ورثے میں پایا تھا ۔ انھوں نے پہلے اخبار ''صدائے ہند'' نکالا اور اس کے بند ہونے پر ہفتہ وار ''میونسپل گزٹ'' جاری کیا ۔ یہ اخبار زیادہ تر بلدیاتی مسائل پر لکھا کرتا تھا اور بلدیات ہی کی خبریں شائع کیا کرتا تھا ۔ حیدرآباد دکن میں کثیر تعداد میں جاتا تھا ۔ صدائے ہند کے دفتر میں مشاعرے بھی ہوتے تھے ۔ ۱۹۰۹ع میں ''مشاعرہ'' ہی کے نام سے ایک ماہوار گلدستہ بھی جاری کیا جس میں مشہور شاعروں اور اپنے مشاعروں میں پڑھی جانے والی غزلیں شائع کی جاتی تھیں ۔

منشی صاحب نے چند کتابیں بھی لکھیں ، جن میں ایک ناول

"دوستی" اور ۱۹۱۱ع کے دربار تاج پوشی کی تاریخ مشہور ہیں۔ آپ سیاحت بھی بہت کرتے تھے۔ دلی دکن تک جاتے تھے۔ کئی انجمنوں کے سیکریٹری اور صدر بھی تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں اخبار بند کر دیا تھا۔ ۱۹۳۵ع میں انتقال ہوا۔ علامہ اقبال سے تعلقِ خاطر کی بنا پر ان کی سرگرمیوں کے بارے میں اپنے اخبار کے صفحات پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے۔

(۵۶)

لاہور، ۱۰ اپریل ۱۷ع

سرکارِ والا تبار! تسلیم

یہ سن کر کمال مسرت ہوئی کہ سرکارِ والا حیدرآباد تشریف لے آئے۔ اقبال پھر مبارک باد عرض کرتا ہے۔ خدا کرے کہ یہ مبارک اور کئی مبارک بادوں کا پیش خیمہ ہو۔

سرکار نے بجا ارشاد فرمایا کہ انسان تدبیر کا مجاز اور اس پر معناً قادر ہے۔ مگر اس معاملے میں جس قدر تدابیر اقبال کے ذہن میں آسکتی ہیں ان سب کا مرکز ایک وجود ہے جس کا نامِ گرامی شاد ہے۔ تدبیر اور تقدیر اسی نام میں مخفی ہیں۔ پھر اقبال انشاء اللہ العزیز ہر حال میں شاد ہے۔ لاہور میں ہو یا حیدرآباد میں۔

اگر نزدیک و گر دورم غبارِ آں سرِ کویم (بیدل)

یہاں پنجاب اور یوپی کے اخباروں میں چرچا ہوا تو دور دور سے مبارک باد کے تار بھی اڑ گئے۔ اور اضلاع پنجاب کے اہلِ مقدمات جن کے مقدمات میرے سپرد ہیں، ان کو گونہ پریشانی ہوئی۔ بہ ہر حال مرضیٔ مولا از ہمہ اولیٰ۔ کل پنجاب کی مشہور انجمن

حمایت الاسلام لاہور جو سرکار کی فیاضی سے بھی مستفیض ہو چکی ہے ، اپنا سالانہ اجلاس کرے گی - بھوپال کے پرنس حمید اللہ خاں صدارت کے لیے آئے ہیں - اُن کا جلوس سنا بڑی دھوم دھام سے نکلے گا - بازاروں کی آرائش ہو رہی ہے -

کیا دل کش اور معنی خیز شعر کسی ایرانی شاعر کا ہے :

بزمے کہ در آں سفرہ کشد جلوۂ دیدار
کونین غبارے ست کہ از بال مگس ریخت

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

(۵۷)

لاہور - ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

ایک عریضہ اس سے پہلے ارسالِ خدمت کر چکا ہوں - امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا - 'مخبرِ دکن' سے معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد ہائی کورٹ کی ججی کے لیے چند نام حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے سامنے پیش کیے گئے ہیں جن میں ایک نام خاکسار کا بھی ہے - اس خیال سے کہ میرا نام اور ناموں کے ساتھ پیش ہوا ہے اور یہ ایک قسم کا مقابلہ ہے ، چند امور آپ کے گوش گزار کرنا ضروری ہے جن کا علم ممکن ہے سرکار کو نہ ہو - ممکن ہے کہ حضور نظام ان امور سے متعلق سرکار سے استفسار فرمائیں -

اس جگہ کے لیے فلسفہ دانی کی چنداں ضرورت نہیں ، تاہم یہ کہنا ضروری ہے کہ اس فن میں میں نے ہندوستان اور یورپ کے اعلیٰ ترین امتحان انگلستان (کیمرج) جرمنی (میونک) (کی) یونیورسٹیوں

کے پاس کیے ہیں ۔ انگلستان سے واپس آنے پر لاہور گورنمنٹ کالج میں مجھے فلسفے کا اعلیٰ پروفیسر مقرر کیا گیا تھا ۔ یہ کام میں نے ۱۸ ماہ تک کیا اور یہاں کی اعلیٰ ترین جماعتوں کو اس فن کی تعلیم دی ۔ گورنمنٹ نے بعد ازاں یہ جگہ مجھے آفر بھی کی مگر میں نے انکار کر دیا ۔ میری ضرورت گورنمنٹ کو کس قدر تھی ، اس کا اندازہ اس سے ہو جائے گا کہ پروفیسری کے تقرر کی وجہ سے میں صبح کچہری نہ جا سکتا تھا ۔ ججان ہائی کورٹ کو گورنمنٹ کی طرف سے ہدایت کی گئی کہ میرے تمام مقدمات دن کے پچھلے حصے میں پیش ہوا کریں ۔ چنانچہ ۱۸ ماہ تک اسی پر عمل درآمد ہوتا رہا ۔ مگر اس عہدے کے لیے جو حیدرآباد میں خالی ہوا ہے ، غالباً عربی دانی کی زیادہ ضرورت ہوگی ۔ اس کے متعلق یہ امر سرکار کے گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ عربی زبان کے امتحانات میں میں پنجاب میں اول رہا ہوں ۔ انگلستان میں مجھ کو عارضی طور پر چھ ماہ کے لیے لندن یونیورسٹی کا عربی کا پروفیسر مقرر کیا گیا تھا ۔ واپسی پر پنجاب اور الہ آباد کی یونیورسٹیوں میں عربی اور فلسفے میں بی ۔ اے اور ایم ۔ اے کا ممتحن مقرر کیا گیا اور اب بھی ہوں ۔ امسال الہ آباد یونیورسٹی کے ایم ۔ اے کے دو پرچے میرے پاس تھے ۔ پنجاب میں بی ۔ اے کی فارسی کا ایک پرچہ اور ایم ۔ اے فلسفے کے دو پرچے میرے پاس ہیں ۔ علاوہ ان مضامین کے میں نے پنجاب گورنمنٹ کالج میں علمِ اقتصاد ، تاریخ اور انگریزی بی ۔ اے اور ایم ۔ اے کی جماعتوں کو پڑھائی ہے اور حکامِ بالا دست سے تحسین حاصل کی ۔

تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی ایک عرصے سے جاری ہے ۔ علم الاقتصاد پر اردو میں سب سے پہلے مستند کتاب میں نے لکھی ۔

انگریزی میں چھوٹی چھوٹی تصانیف کے علاوہ ایک مفصل رسالہ فلسفۂ ایران پر بھی لکھا ہے جو انگلستان میں شائع ہوا تھا۔ میرے پاس اس وقت یہ کتابیں موجود نہیں ورنہ ایصالِ خدمت کرتا۔

باقی جو کچھ میرے حالات ہیں وہ سرکار پر بخوبی روشن ہیں۔ ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقہِ اسلام میں اس وقت ایک مفصل کتاب بہ زبان انگریزی زیرِ تصنیف ہے جس کے لیے میں نے مصر و شام و عرب سے مسالہ جمع کیا ہے جو انشاء اللہ بہ شرطِ زندگی شائع ہوگی اور مجھے یقین ہے کہ اپنے فن میں ایک بے نظیر کتاب ہوگی۔ میرا ارادہ ہے کہ اس کتاب کو تفصیلِ مسائل کے اعتبار سے ایسا ہی بناؤں جیسی کہ امام نسفی کی 'مبسوط' ہے جو ساٹھ جلدوں میں لکھی گئی تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ سرکار کا مزاج بہ خیر ہوگا۔ اس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

بندۂ قدیم مخلص محمدؐ اقبال، لاہور

(۵۸)

لاہور - ۳ مئی ۱۹۱۷ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم

ابھی اخبار 'دیش' میں سرکار کی علالت کی خبر پڑھی ہے۔ گونہ تردد ہے۔ اقبال کو خیرخیریت سے مطلع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ شفائے عاجل کرامت فرمائے اور چشمِ زخمِ روزگار سے محفوظ و مأمون رکھے۔

مخلص قدیم محمدؐ اقبال

(۵۹)

لاہور، ۱۹ مئی ۱۷ء

سرکار والا تبار! تسلیم مع آداب التعظیم

سرکار کا والا نامہ ملا جس سے اطمینان ہوا۔ یہ خط میرے اس عریضے کے جواب میں ہے جس میں میں نے سرکار کی علالت طبع کے متعلق استفسار کیا تھا۔ افسوس کہ ۴ ۱ اپریل کا لکھا ہوا خط مجھ تک نہ پہنچا۔ معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا۔

گم ہو وہ نگیں جس پہ کھدے نام ہمارا

بہ ہر حال یہ معلوم کرکے کمال مسرت ہوئی کہ سرکار کا مزاج اب خدا کے فضل و کرم سے رو بہ صحت ہے۔ آج کل لاہور میں بھی موسم عجیب و غریب ہے۔ مئی اور جون کے مہینوں میں لو کی شدت و حرارت ناقابلِ برداشت ہوا کرتی ہے مگر آج کل یہ حال ہے کہ تقریباً ہر روز آسمان ابرآلود رہتا ہے اور صبح کے وقت خاصی سردی ہوتی ہے۔ ''مغرب سے آفتاب نکلنے کا یہی مفہوم ہے۔''

اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و اسقام سے ہمیشہ محفوظ و مامون رکھے کہ آپ کی ذات نوعِ انسان کے لیے سرچشمۂ فیوض و برکات ہے۔ کل مولانا اکبر (الہ آبادی) کا خط آیا تھا۔ اس خط میں ایک لطیف مطلع انھوں نے لکھا ہے:

زباں سے قلب پر صوفی خدا کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام آیا ہے

میں فارسی مثنوی کے دوسرے حصے کی تکمیل میں مصروف ہوں۔ اس کا نام ''رموزِ بے خودی'' ہوگا۔ یونیورسٹی امتحانوں

کے کاغذات سے فرصت ہو گئی ہے ۔ امید کہ اب جلد ختم ہو جائے گا۔ حال میں ایک اردو غزل لکھی تھی ۔ اُس کے دو ایک شعر ملاحظے کے لیے لکھتا ہوں :

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
شیوۂ عشق ہے آزادی و دہر آشوبی
تو ہے زناریٔ بت خانۂ ایّام ابھی

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے ۔ امید کہ سرکار کا مزاج مبارک بہ خیر و عافیت ہوگا ۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

(۶۰)

لاہور - ۱۴ جون ۱۷ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم مع التعظیم

والا نامہ ملا جس کے لیے مرہونِ منت ہوں ۔ کاغذی ملاقات کا خاتمہ اُس کے یدِ قدرت میں ہے ۔ اُسے منظور ہو تو اقبال ہوگا اور آستانۂ شاد ۔ موقع تو ایک پیدا ہو گیا ہے ۔ ممکن ہے کہ سرکار کے جذبات نے اُسے پیدا کیا ۔ بہ ہر حال اگر مقدر ہے تو سرکار شاد تک اقبال کی ظاہری رسائی بھی ہو جائے گی ۔ باطنی اعتبار سے تو بندۂ درگاہ وہاں پہلے سے موجود ہے ۔

مولانا لسان العصر کا مطلع نہایت عمدہ لیکن سرکار کا یہ شعر

''شریعت کا طریقت کے لیے پیغام لایا ہے'' اس مطلع سے کم نہیں۔ ایک جہانِ معنی اس میں آباد ہے۔ آخر کیوں نہ ہو، ان رموز کے جاننے والوں میں سرکارِ عالی کا نمبر اول ہے۔ حیاتِ ملیہ کا راز اسی پیغام میں مخفی ہے۔ آپ نے اسے خوب پہچانا۔ ''للہ درک''۔

موسم کی حالت اب کے سال یہاں بھی عجیب و غریب ہے۔ دوچار روز گرمی ہوتی ہے، پھر بارش کم و بیش آ جاتی ہے اور ہوا میں کسی قدر خنکی پیدا کر جاتی ہے، اور لو کا تو امسال نشان تک نہیں۔

علمِ موسم کے ماہرین بہت بارش کی پیش گوئی کرتے ہیں اور ہونی بھی چاہیے کہ خون کی بارش نے جو دھبے چادرِ ہستی پر لگا دیے ہیں وہ دھل جائیں۔ میں سرکار کے لیے دست بدعا ہوں۔ انشاء اللہ تمام آرزوئیں برآئیں گی۔ ''دین'' اس فیاضی کا نتیجہ ہے جو آبا سے . . . آپ کو میراث میں پہنچی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ضرور سبک دوش کرے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہ خیر ہو گا۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

(۶۱)

لاہور، ۳۰ جون ۱۷ء

سرکارِ والا! تسلیم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ فارسی مثنوی یا قصیدہ لکھا گیا ہے۔ میں نے اسے شروع سے آخر تک پڑھا۔ چوں کہ سرکار نے

ترمیم و تنسیخ کے لیے ارشاد فرمایا تھا ، اس واسطے کسی کسی جگہ ترمیم کی جرأت کی ہے - طوالت کے خیال سے وجوہِ ترمیم نہیں لکھے - سرکار پر خود بخود روشن ہو جائے گا - چند اشعار کے گرد لکیر کھینچ دی ہے - ان کی اشاعت میرے خیال میں مناسب نہیں - کچھ اس وجہ سے کہ ''بر دار تواں گفت و بہ منبر نہ تواں گفت'' اور کچھ اس وجہ سے کہ آپ کی شانِ صداقت اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ آپ اپنی صفائی کے گواہ پیش کریں - اہلِ نظر کو یہ اشعار کھٹکیں گے - آئندہ سرکار کو اختیار ہے کہ ان کی اشاعت ہو یا نہ ہو - یہ اشعار صفحہ دس گیارہ پر ہیں - سرکار کے ارشاد کی تعمیل میں میں نے تقریظ کے طور پر چند اشعار اس قصیدے کی پشت پر لکھ دیے ہیں - آخر کے شعر میں ایک مشہور حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کی تشریح اسی جگہ کر دی ہے -

''ایاک نعبد'' تو کوچ کر گئے - اب تو عرش کے قریب ہوں گے یا وہاں تک پہنچ گئے ہوں گے - ایک اور بزرگ لاہور کے قریب ہیں - ذرا بارش ہو تو اُن کی خدمت میں حاضر ہو کر طالبِ دعا ہوں گا - اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلات کو دور کرے - وہاں کے حالات سن کر تعجب ہوتا ہے - مگر یہ چند روزہ باتیں ہیں - وہ وقت دور نہیں کہ سب کی آنکھیں کھل جائیں گی -

آپ مجھ ہی سے دریافت فرماتے ہیں کہ کب تک آستانۂ شاد پر حاضری ہوگی - اس کے متعلق کیا عرض کروں - سب کچھ نرنکار کے قبضۂ قدرت میں ہے - جب اسے منظور ہوگا حاضر ہوں گا - اس وقت کوئی صورت نظر نہیں آتی - آئندہ کا علم اقبال کو ہے نہ شاد کو -

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

(۶۲)

لاہور - ۱۶ جولائی ۱۷ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیمات

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں - امید کہ ملاحظۂ عالی سے گزرا ہوگا - کیا تقریظ کے اشعار سرکار کو پسند آئے ؟

حیدری صاحب قبلہ نے پھر حیدرآباد آنے کی دعوت دی ہے - چیف کورٹ لاہور بھی بند ہونے والا ہے - اور میرا دل بھی چند روز کی آوارگی چاہتا ہے - اس واسطے میں نے ان کی دعوت قبول کرلی - انشاء اللہ اگست یا ستمبر میں حاضر ہوں گا - کیا سرکار بھی ان مہینوں میں حیدرآباد میں قیام فرما ہوں گے یا کہیں اور تشریف لے جانے کا قصد ہے -

یہ استفسار کرنے کی اس واسطے جرأت کی کہ ایسا نہ ہو اقبال آستانۂ شاد پر حاضر ہو اور یہ کہتا ہوا واپس آئے -

چہ قدر طپیدہ باشد چو ترا نہ دیدہ باشد !

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

(۶۳)

لاہور ، ۲۷ جولائی ۱۷ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

والا نامہ مع تقاریظ ملفوفہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں - ان تقاریظ میں بیرسٹرانہ اعتبار سے کوئی نقص نہیں - بجنسہ واپس ارسال کرتا ہوں -

انشاء اللہ اگست کے مہینے میں حاضر ہوں گا - حیدری صاحب

کے خط کا انتظار ہے - ان کا جواب آنے پر کوئی تاریخ مقرر کروں گا اور سرکار کو بھی مطلع کروں گا - انشاء اللہ جس روز وہاں پہنچوں گا اسی روز آستانۂ شاد کا طواف ہوگا -

حیدری صاحب نے جس امر کے لیے مجھے دعوت دی ہے اس کے متعلق بھی سرکار سے وہیں مشورہ ہوگا - پہلے خیال تھا کہ عریضے میں سب کچھ عرض کروں مگر بعد غور یہی طے ہوا کہ بالمشافہ عرض کرنا مناسب و موزوں تر ہے - مجھے یقین ہے کہ سرکار اپنی جبلی فراست و سیاست سے بہت حد تک معلوم کر گئے ہوں گے کہ کیا امر ہے - میری ذاتی قوتِ فیصلہ ناتواں ہے - اس واسطے شاد کی رائے صحیح سے استمداد ضروری ہے -

زیادہ کیا عرض کروں - بارش نہیں ہوئی - لاہور آتش کدۂ آذر بن رہا ہے مگر اس آتش کدہ کا متصف لطف اللہ نہیں قہر اللہ ہے - عید کارڈ کا شکریہ - گزشتہ عید سرکار کو بھی مبارک ہو - میں روزے رکھتا ہوں مگر عید کے احساسِ مسرت سے محروم -

بندۂ درگاہ محمدؐ اقبال ، لاہور

(۶۴)

لاہور - ۲۴ اگست ۱۷ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

والا نامہ رجسٹرڈ آج مل گیا ہے جس کے لیے سراپا شکر و سپاس ہوں - جس خلوص سے سرکار نے مشورہ دیا ہے ، اقبال اس کے لیے شکر گزار ہے اور ہمیشہ رہے گا - انشاء اللہ سرکار کے مشورے پر عمل درآمد ہوگا کیوں کہ سرکار کی معاملہ شناسی کبھی

غلطی نہیں کر سکتی ، خصوصاً جب کہ اس کے ساتھ تلطف بھی ہو ۔

حیدری صاحب نے جیسا کہ میں نے گزشتہ عریضے میں عرض کیا تھا ، مجھے قانون کی پروفیسری پیش کی ہے ، اور یہ پوچھا ہے کہ اگر پرائیویٹ پریکٹس کی بھی ساتھ اجازت ہو تو کیا تنخواہ لو گے ۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میر مجلسی عدالت العالیہ کی خالی ہے ۔ نہ اس کے متعلق انھوں نے اپنے خط میں کوئی اشارہ کیا ہے ۔ لیکن اگر ایسا ہو جائے تو میں اسے قانون کی پروفیسری اور پرائیویٹ پریکٹس پر ترجیح دوں گا ۔ آپ سے حیدری صاحب ملیں تو برسبیل تذکرہ ان کی توجہ اس طرف دلائیں ۔ یعنی اگر سرکار ان سے یہ تذکرہ کرنا مناسب خیال کریں تو ممکن ہے کہ آپ کا ان سے پہلے اس امر کے متعلق تذکرہ آ بھی چکا ہو ۔ اگر ایسا اتفاق نہ ہوا ہو اور اگر سرکار اسے مناسب تصور فرمائیں تو اب کہ انھوں نے خود ملازمت کے لیے مجھے لکھا ہے ، اس قسم کے تذکرے کے لیے نہایت موزوں وقت معلوم ہوتا ہے ۔ بہ ہر حال یہ سب کچھ سرکار کی رائے پر منحصر ہے ۔ اقبال خواہ لاہور میں ہو خواہ حیدرآباد میں ، خواہ مریخ ستارے میں ، وہ غیر محسوس روحانی پیوند جو اس کو سرکار سے ہے ، انشاء اللہ العزیز قائم رہے گا ۔ نہ وقت اسے دیرینہ کر سکتا ہے نہ تعلقات اسے کمزور کر سکتے ہیں ۔ مجھے تو حیدرآباد آنے کی سب سے بڑی خوشی اس امر کی ہے کہ سرکار سے اکثر ملاقات ہوا کرے گی ، اور سرکار کے علمی و ادبی مشاغل سے گونہ رابطہ رہے گا ۔

باقی رہی اقبال کی بیرسٹری یا اور کوئی ہنر جو اس بے ہنر میں ہے ، وہ سب آپ کی خدمت کے لیے وقف ہے ۔ اگر یہ بندۂ ناچیز

وہاں قیام پذیر ہو گیا اور حالاتِ زمانہ نے مساعدت کی تو انشاء اللہ اقبال شاد کے کام آئے گا ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہ خیر ہو گا ۔

بندۂ درگاہ محمد[۳] اقبال

(۶۵)

لاہور ، ۷ ستمبر ۱۷ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

بندۂ درگاہ اقبال ۳۰ ۔ اگست کی شام کو یہاں سے روانۂ حیدرآباد ہونے والا تھا کہ ۲۹ کی شام کو بخار نے آ دبایا اور اس کے ایک دو روز بعد پیچش کا اضافہ ہوا ۔ ہفتہ بھر سخت تکلیف کا سامنا رہا ۔ آج خدا کے فضل و کرم سے اس قابل ہوں کہ سرکار اور حیدری صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھ سکوں ۔ ڈاکٹر صاحب ایک ہفتے تک اجازت نہیں دیتے اور میں نے بھی صحت کے خیال سے یہ بہتر سمجھا ہے کہ سفرِ حیدرآباد ملتوی کردوں ۔ یہاں تک کہ معاملۂ معلومہ خط و کتابت سے طے ہو جائے ۔ سو آج حیدری صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے اور جو مشورہ سرکار نے بہ کمال عنایت دیا تھا ، اسی کے مطابق میرے عریضے کا مضمون ہے ۔

اگر اللہ کو منظور ہوا اور معاملہ طے ہو گیا تو اقبال ہو گا اور آستانۂ شاد ۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہ خیر ہو گا ۔

بندۂ قدیم محمد[۲] اقبال

(٦٦)

لاہور ، ۹ اکتوبر ۲۷ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

عید کارڈ مرسلۂ سرکار مل گیا تھا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ حیدرآباد کے سفر کے لیے تیار تھا مگر علالت کی وجہ سے رک گیا ۔ جیسا کہ ایک عریضے میں پہلے عرض کر چکا ہوں ، حیدری صاحب کا تار پھر آیا تھا اور میں اکتوبر کی گیارہ کو یہاں سے چلنے کا قصد کر چکا تھا ، مگر ایک مقدمے کی وجہ سے پھر رکنا پڑا ۔ اس کے علاوہ حیدری صاحب کا خط بھی آیا کہ نومبر کے مہینے میں آؤ تو بہتر ہے ۔ غرض کہ اقبال کی عید ابھی نہیں آئی کیوں کہ یہ تو اس روز آئے گی جب آستانۂ شاد پر اس کا گزر ہوگا ۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہ ہمہ وجوہ بہ خیر ہوگا ۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

(٦٧)

لاہور ، ۲۷ اکتوبر ۲۷ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

نوازش نامہ مل گیا ہے ۔ سرکار نے جو کچھ لکھا ہے بالکل بجا اور درست ہے ۔ لیکن گرما کی تعطیلوں میں حیدرآباد کا سفر آسان تھا اور اب یہ سفر قریباً دو ہزار روپیہ کے نقصان کا مترادف ہے ۔ اگر حیدری صاحب کے خطوط سے کوئی امید خاص میرے دل میں پیدا ہوتی تو میں اس نقصان کا متحمل ہو جاتا لیکن اس وقت تک جو خطوط ان کی طرف سے آئے ہیں ان میں کوئی خاص بات نہیں ۔

سوائے اس کے کہ انھوں نے مجھ سے تنخواہ کے بارے میں استفسار کیا تھا جس کا جواب میں نے اُن کو دے دیا تھا ۔ علاوہ اس کے مجھے اور ذرائع سے معلوم ہوا کہ ابھی میری وہاں ضرورت بھی نہیں ۔ حیدری صاحب اس وقت مجھے صرف اس واسطے بلاتے ہیں کہ یونی ورسٹی سے متعلق مجھ سے گفتگو کریں اور نیز ملاقات کے لیے اور کوئی غرض ان کے خطوط سے معلوم نہیں ہوتی ۔ محض اس غرض سے کہ وہ مجھ سے یونی ورسٹی اسکیم کی مفصل گفتگو کر سکیں ، یا محض ان کی ملاقات کے لیے ، میں اپنے موجودہ حالات میں اس قدر اخراجات کا متحمل نہیں ہو سکتا ۔ چنانچہ میں نے نہایت صاف دلی سے ان کی خدمت میں یہ لکھ بھی دیا ہے ۔ گرمی کی تعطیلوں میں آتا تو صرف آمد و رفت کے اخراجات تھے ۔ انکم کے فقدان کا اندیشہ نہ تھا ۔ اب جب کہ عدالتیں کھل گئی ہیں تو صورتِ حالات مختلف ہو گئی ہے ۔ اُس وقت میرا یہ خیال تھا کہ اگر وہاں کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو کم از کم سرکار کے آستانے کی حاضری ہی سہی ۔ لیکن اب ان حالات میں جب کہ حیدری صاحب کے خطوط کسی قسم کی اُمید پیدا نہیں کرتے ، بلکہ محض تفننِ طبع کے لیے حیدرآباد کی دعوت دیتے ہیں ، اس قدر نقصان برداشت کرنا میرے امکان سے باہر ہے ۔

اُن کا تار پھر آیا تھا کہ آؤ اور میں نے اُن کو تار دیا تھا کہ اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں آ سکوں گا ۔ اس کے بعد انھوں نے صحیح تاریخ روانگی بذریعہ تار مانگی اور میں نے جواب دیا کہ گیارہ اکتوبر کو یہاں سے سفر کروں گا ۔ لیکن بعد میں ایک مقدمے کی وجہ سے رک گیا ۔ چنانچہ میں نے ان کی خدمت میں عریضہ لکھا ہے کہ ایک مقدمے کے لیے ، جس کو میں نے قبول کر لیا ہے ، ۱۵ - اکتوبر کے روز مجھے لاہور میں ہونا چاہیے ۔ اس واسطے گیارہ

کو یہاں سے روانہ نہ ہو سکوں گا ۔ اس کے بعد مجھے حیدری صاحب کا خط ملا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ اکتوبر کے بجائے نومبر میں آئیے ۔ نومبر میں حیدرآباد کا سفر کرنا مذکورۂ بالا وجوہ سے مشکل معلوم ہوتا ہے ۔ بہ ہر حال اگر ممکن ہوا تو میں وہاں پر حاضر ہوں گا ۔ میں نے طویل داستان لکھ کر ناحق سرکار کی سمع خراشی کی ہے ۔ لیکن اس دلچسپی کے بھروسے پر جو سرکار کو از روئے اخلاقِ کریمانہ میرے معاملات سے ہے ، میں نے یہ داستان لکھنے کی جرأت کی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار کی فیاضی مجھے معاف فرمائے گی ۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہ ہمہ وجوہ بہ خیر ہو گا ۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال ، لاہور

(٦٨)

لاہور ، ۲۲ نومبر ۱۷ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

حامل رقعہ مولوی سید ابراہیم ہیں ۔ یہ حیدرآباد جاتے ہیں اور مجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اُن کو ایک معرفی نامہ دوں ۔ آدمی ہوشیار ہیں اور قابل ۔ فارسی کی لیاقت عمدہ ہے اور انگریزی بی ۔ اے تک پڑھی ہے ۔ حیدرآباد میں اُن کے ایک بھائی ہیں ۔ اُن سے ملنے کے لیے دکن کا سفر کرتے ہیں ۔ آپ کے آستانے پر حاضر ہونے کا شرف حاصل کرنا ان کی ایک آرزو ہے ۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہ خیر ہو گا ۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال ، لاہور

(۶۹)

لاہور، ۲۹ دسمبر ۱۷ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم

بندۂ درگاہ کو بہت روز سے سرکار کی خبرخیریت معلوم نہیں ہوئی - مولوی ظفر علی خاں کے اخبار میں ایک غزل لاجواب نظر سے گزری - اسی کو نصف ملاقات تصور کیا گیا - امید کہ سرکار کا مزاج بہ خیر ہوگا -

خیریت سے مطلع فرمائیے -

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال، لاہور

(۷۰)

لاہور، ۲۰ جنوری ۱۸ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم

نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں - یہ معلوم کرکے تعجب ہوا کہ مولوی ظفر علی خاں صاحب نے آپ کے کلام میں بے جا تصرف کیا - کئی روز سے اُن سے ملاقات نہیں ہوئی - پیغام پہنچا دوں گا - تصوف پر جو مضامین انھوں نے لکھے یا لکھ رہے ہیں اُن سے میرا کوئی تعلق نہیں - نہ میں نے آج تک کوئی مضمون اس بحث پر اُن کے اخبار میں لکھا - نہ ان کو نہ کسی اور کو لکھنے کی تحریک کی - مولوی صاحب سے میرے قدیمی تعلقات ہیں - محض اس بنا پر بعض لوگ یہ گمان کر بیٹھے کہ مضامین میری تحریک سے لکھے جاتے ہیں، حالاں کہ امرِ واقعہ یہ ہے کہ ان کے مضامین کے اکثر امور سے مجھے سخت اختلاف ہے اور

کئی دفعہ مولوی صاحب سے اس بارے میں مباحثہ بھی ہو چکا ہے۔
خواجہ (حسن نظامی) صاحب کو یہی بد ظنی تھی مگر کچھ عرصے
کے بعد جب ان کی بدگمانی رفع ہو گئی تو انھوں نے مجھے معذرت
کا خط لکھا جس کے جواب میں میں نے انہیں مزید یقین دلایا کہ
اس بحث سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں نے دو سال کا عرصہ ہوا
تصوف کے بعض مسائل سے کسی قدر اختلاف کیا تھا، اور وہ
اختلاف ایک عرصے سے صوفیائے اسلام میں چلا آتا ہے، کوئی نئی
بات نہ تھی، مگر افسوس ہے کہ بعض ناواقف لوگوں نے میرے
مضامین کو تصوف کی دشمنی پر محمول کیا۔ مجھے تو اس اختلاف کے
ظاہر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ محض اس وجہ سے اپنی پوزیشن
کا واضح کرنا ضروری تھا کہ خواجہ صاحب نے مثنوی 'اسرارِ خودی'
پر اعتراض کیے تھے۔ چونکہ میرا عقیدہ تھا اور ہے کہ اس مثنوی
کا پڑھنا اس ملک کے لوگوں کے لیے مفید ہے، اور اس بات کا
اندیشہ تھا کہ خواجہ صاحب کے مضامین کا اثر اچھا نہ ہوگا، اس
واسطے مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ورنہ
کسی قسم کے بحث مباحثے کی مطلق ضرورت نہ تھی۔ نہ بحث کرنا
میرا شعار ہے۔ بلکہ جہاں کہیں بحث ہو رہی ہو وہاں سے گریز
کرتا ہوں۔ غرض کہ سرکار بھی مطمئن رہیں۔ مجھے اس بحث سے
جو ہو رہی ہے، کوئی ہمدردی نہیں اور اس کی اکثر باتوں سے بالکل
اختلاف ہے۔ مولوی ظفر علی خاں سے میں نے بارہا کہا کہ یہ
بحث نتیجہ خیز نہیں اور نہ عوام بلکہ اکثر خواص کو بھی کوئی
دلچسپی نہیں، مگر ہر آدمی اپنے خیالات کا بندہ ہے۔ میرے کہنے
پر انھوں نے عمل نہ کیا۔ اس واسطے میں بھی خاموش ہوں۔

حیدری صاحب تو اقبال کو بلاتے بلاتے رہ گئے۔ یونی ورسٹی

کے کاغذات ان کی طرف سے کبھی کبھی آ جاتے ہیں کہ یہیں سے مشورہ لکھوں ۔ ادھر سے مولوی عبدالحق صاحب اصطلاحاتِ علمیہ کی ایک طویل فہرست ارسال کرتے ہیں کہ اُن کے تراجمِ اردو پر تنقید کرو ۔ گویا ان بزرگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اقبال کو کوئی اور کام نہیں ۔ ترجمہ کرنے والوں کو معقول تنخواہیں دے کر بلایا ہے تو یہ کام بھی اُنھی سے لینا چاہیے ۔ اصل میں یہی حصہ ان کے کام کا مشکل ہے ۔

میرا جذبِ دل تو بوڑھا ہو گیا ۔ آپ کا جذبہ تو بفضلہ ابھی جوان ہے اور ہمیشہ رہے گا ۔ پھر کیوں اقبال کو وہاں نہیں کھینچ لیا جاتا ؟ کیا حضور نظام کے ساتھ آپ دہلی نہ تشریف لائیں گے ؟ اُمید کہ سرکار کا مزاج بہ خیر ہو گا ۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال ، لاہور

(۷۱)

لاہور ۔ یکم فروری ۱۸ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

ایک عریضہ بہ جواب والا نامۂ سرکار ارسالِ خدمت کر چکا ہوں ۔ پرسوں رات خواب میں دیکھا کہ سرکار کی طرف سے ایک والا نامہ ملا ہے جس کی ہیئت و صورت ایسی ہے جیسے کوئی خریطۂ شاہی ہو ۔ تعبیر اس خواب کی تو معلوم نہیں مگر خواب کو امرِ واقعہ سمجھ کر اس عریضے کا جواب لکھتا ہوں ، گو مضمونِ خریطہ اب ذہن سے اتر گیا ہے ۔ شاد کی طرف سے اقبال کو شاہی خریطہ آئے ، یہ بات خالی از معنی نہیں ۔ انتظار شرط ہے ۔ اور اللہ کی

رحمت ہمارے خیالوں سے وسیع تر ہے۔ حضور نظام علی گڑھ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں سے نواب اسحاق خاں صاحب سیکرٹری کالج کا تار مجھے بھی آیا تھا کہ حضور کے خیرمقدم میں چند اشعار یہاں آکر پڑھو۔ یہ ایک بہت بڑی عزت تھی، مگر افسوس کہ علالت نے مجھے اس سے محروم رکھا۔ امید تھی کہ سرکار بھی ان کے ہمراہ تشریف لائیں گے مگر یہ امید بھی پوری نہ ہوئی۔ کیا عجب کہ ایک ہی وقت میں بہت سی امیدیں پوری ہو جائیں۔

کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنھیں دماغِ سکندری

انگلستان کے پروفیسر نکلسن جنھوں نے دیوانِ شمس تبریزؒ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے (''کشف المحجوب'' حضرت علی ہجویریؒ کا بھی انھی بزرگ نے انگریزی ترجمہ کیا ہے) مجھ سے ''اسرارِ خودی'' کا انگریزی ترجمہ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں مگر کوئی نسخہ مثنوی کا ان کے پاس نہیں۔ جو ہے انھوں نے کہیں سے عاریتاً لیا ہے۔ آج ان کا خط آیا ہے جس میں وہ مثنوی کا نسخہ مانگتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ میرے پاس اس کا کوئی نسخہ نہیں، سوائے ایک نسخے کے جس پر میں نے بہت سی ترمیم کر رکھی ہے جو دوسرے ایڈیشن کے لیے ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے سرکار کی خدمت میں چند نسخے ارسال کیے تھے۔ غالباً آپ نے اپنے احباب میں تقسیم کر دیا ہوگا (کر دیے ہوں گے)۔ اگر کوئی کاپی باقی رہ گئی ہو اور سرکار کو اس کی ضرورت نہ ہو تو مرحمت فرمائیے۔ میں نہایت شکر گزار ہوں گا۔ اور پروفیسر صاحب کو لکھ دوں گا کہ نسخہ سرکار سے دست یاب ہوا ہے۔

اس مثنوی کا دوسرا حصہ ''رموزِ بے خودی'' زیرِ طبع ہے۔ فروری یا مارچ میں شائع ہو جائے گا۔ آپ کے ملاحظے کے لیے ارسال ہوگا۔ تیسرے حصے کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ یہ ایک قسم کی نئی ''منطق الطیر'' ہوگی۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بہ خیر و عافیت ہوگا۔ کل مولانا اکبر (الہ آبادی) کا خط آیا تھا۔ خوب شعر کہتے ہیں۔ انشاء اللہ میں بھی مارچ میں ایم۔ اے کا امتحان زبانی لینے کے لیے الہ آباد جاؤں گا اور مولانا کی ملاقات سے شرف اندوز ہوں گا۔

سید ناظرالحسن صاحب ایڈیٹر ''ذخیرہ'' کے خط سے کبھی کبھی سرکار کی خیر و عافیت معلوم ہو جاتی ہے۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال، لاہور

(۷۲)

لاہور، ۱۰- اپریل ۱۸ع

سرکارِ والا تبار! تسلیم مع التعظیم

والا نامہ[۱] مل گیا تھا جس کے لیے شکر گزار ہوں۔ آپ کی اور بچوں کی علالت کی خبر معلوم کرکے تردد ہوا مگر امید ہے کہ اس وقت خدا کے فضل و کرم سے مع الخیر ہوں گے۔

بمبئی میں قبل از وقت گرمی ہے تو پنجاب میں بعد از وقت سردی۔ اپریل کا پہلا ہفتہ گزر گیا اور اس وقت تک لوگ کمروں

۱- شاد۔ خط نمبر ۲۲۔

میں لحاف لے کر سوتے ہیں۔ دو چار روز سے بارش بند ہو گئی ورنہ اس سے پیشتر تقریباً ہر روز ابر آتا اور برس جاتا۔ بیماری کا بھی بعض مقامات میں زور ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہو۔

میرے مقدر کے دانوں کی آپ کو تلاش ہے تو ممکن ہے مل جائیں۔ اگرچہ بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ سرکار مدار المہام ہوتے تو اس قدر جستجو گوارا کرنے کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ اگر زمانے نے مجھے آپ کے آستانے پر لا ڈالا تو میری عین سعادت مندی ہے۔ اس وقت دوستانہ و نیاز مندانہ مہر و وفا کا ثبوت دے سکوں گا۔

مولوی ظفر علی خاں حیدرآباد طلب کر لیے گئے۔ آج میں نے اخبار میں دیکھا کہ وہ وہاں پہنچ گئے۔ نہایت قابل آدمی ہیں اور اُن کا ذہن مثل برق کے تیز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی علمی قابلیت سے ریاست کو بہت فائدہ ہو گا۔

دو تین روز میں مثنوی "رموزِ بے خودی" یعنی "اسرارِ خودی" کا دوسرا حصہ خدمتِ عالی میں مرسل ہو گا۔ کتاب چھپ کر تیار ہے۔ آپ کے لیے جلد بانٹنے (باندھنے) کو دی ہے۔ جس روز جلد گر کے پاس سے آئی اُسی روز ارسالِ خدمت ہو گی۔ خواجہ حسن نظامی ایک روز کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔ اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ وہ زیادہ دیر تک ٹھہر نہ سکتے تھے۔ اس واسطے زیادہ باتیں نہ ہو سکیں۔ امید کہ آپ کا مزاج بہ خیر ہو گا۔

مخلص محمدؐ اقبال، لاہور

(۷۳)

لاہور ، ۱۱ جون ۱۸ء

سرکارِ والا تبار !

آداب عرض کرتا ہوں -

والا نامہ ایک عرصے کے بعد ملا - کئی دن گزر گئے میں نے ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا اور ساتھ ہی اس کے ایک نسخہ مثنوی ''رموزِ بے خودی'' کا بھی ڈاک میں ڈالا تھا مگر نہ خط کا جواب ملا نہ مثنوی کی رسید - آج بعد از انتظارِ شدید سرکار کا والا نامہ ملا - مگر مثنوی کی رسید اس میں بھی نہیں - اقبال کے دل سے شاد کی یاد کیونکر فراموش ہو سکتی ہے - کاش آپ سے ملاقات ہوتی اور کچھ عرصے کے لیے آپ سے مستفید ہونے کا موقع ملتا - لیکن کوئی بات اپنے بس کی نہیں - سرکار کی صاحب زادی کی علالت کی خبر سن کر متردد ہوا ہوں - اللہ تعالٰی صحت عاجل کرامت فرمائے -

انشاء اللہ کل صبح کی نماز کے بعد دعا کروں گا - کل رمضان کا چاند یہاں دکھائی دیا - آج رمضان المبارک کی پہلی ہے - بندۂ روسیاہ کبھی کبھی تہجد کے لیے اٹھتا ہے اور بعض دفعہ تمام رات بیداری میں گزر جاتی ہے - سو خدا کے فضل و کرم سے تہجد سے پہلے بھی اور بعد میں بھی دعا کروں گا کہ اس وقت عبادتِ الٰہی میں بہت لذت حاصل ہوتی ہے - کیا عجب کہ دعا قبول ہو جائے - باقی حالات بدستور ہیں - گرمی کا زور ہے ، بارش امید ہے جلد شروع ہوگی - طالع کی یہ پریشانیاں بڑھ رہی ہیں - اللہ تعالٰی سب کو اطمینان نصیب کرے اور عزت و آبرو محفوظ رکھے - ع اس دور میں آبرو بہت . . . (امیر)

زیادہ کیا عرض کروں سوائے دعائے بلندیِ مراتب کے -

آپ کا مخلص محمدؐ اقبال

(۷۴)

لاہور، ۱۱ جولائی ۱۸ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم

آج سید ناظر الحسن صاحب ایڈیٹر رسالہ ''ذخیرہ'' کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادۂ بلند اقبال کئی دن بخار میں مبتلا رہ کر انتقال کر گئے اور آپ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کا دل بڑا زخم خوردہ ہے۔ اللہ تعالٰی اپنا فضل و کرم کرے۔ مگر شاد کو تسلیم کی تلقین کون کر سکتا ہے۔

اقبال محض ایک دل رکھتا ہے جس کو آپ سے اخلاص ہے۔ اس دل کی ہمدردی پیش کرتا ہے اور آپ کے لیے دست بدعا ہے۔

مخلص محمد اقبال، لاہور

(۷۵)

لاہور، ۲۱ فروری ۱۹ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم

تار مرسلہ سرکار عالی آج صبح ملا۔ سیتا رام صاحب سے میں پہلے آشنا نہ تھا۔ نہ اُن کا نام بحیثیت ایڈیٹر کے کبھی سنا تھا۔ لالہ دینا ناتھ ایڈیٹر اخبار ''دیش'' کو بلوا کر بھی دریافت کیا ہے۔ اُن کو بھی کوئی حالات سیتا رام صاحب کے معلوم نہ تھے اور نہ انھوں نے پیشتر اس کے کبھی ان کا نام سنا تھا۔ مگر تحقیق سے جو کچھ ان کو معلوم ہوا عرض کرتا ہوں۔

لالہ سیتا رام صاحب ایف۔ اے تک تعلیم پائے ہوئے ہیں۔ ایف۔ اے کا امتحان پاس نہیں کیا۔ ''کھتری پترکا'' نام سے ایک

اخبار نکالنے کا قصد رکھتے تھے - ابھی تک یہ اخبار نکلا نہیں ہے - لالہ کاشی رام ایڈیٹر اخبار ''بلاٹن'' ان کے رشتہ دار ہیں اور ان کے ایک بھائی اننت رام بیرسٹر ہیں جن سے میں واقف نہیں ہوں - باقی ان کے پرائیویٹ کیریکٹر و وسائل کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا -

اگر مزید تحقیقات کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے اور تحقیق کی جائے گی - بندے کی خدمات سرکار عالی کے لیے ہر وقت حاضر ہیں - باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے - امید ہے جناب کا مزاج بخیر ہوگا - یہاں کے حالات بدستور ہیں -

مخلص محمدؐ اقبال

تار کا جواب عرض کر چکا ہوں - محمدؐ اقبال

(۷۶)

لاہور ، ۲۶ فروری ۱۹ء

سرکار عالی ! تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے - اس سے پہلے سرکار کا جو نوازش نامہ آیا تھا اس کا جواب بھی عرض کر دیا تھا - مگر نہ معلوم سرکار تک کیوں نہ پہنچا - تار کا جواب بھی عرض کر دیا تھا - بعد میں ایک مفصل عریضہ بھی سیتا رام صاحب کے متعلق لکھ دیا تھا - خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھا ہوں اور شاد کے لیے ہمیشہ دست بدعا ہوں - دل تو ملاقات کے لیے تڑپتا ہے مگر حالات پر نہ شاد کو قدرت ہے نہ اقبال کو - امور کے فیصلے آسمان پر ہوتے ہیں ، زمین پر محض ان کا اشتہار دیا جاتا ہے -

دیکھیں اس امر کے فیصلے کا اشتہار کب ہوتا ہے۔

۲۸ فروری کو دہلی جانے کا قصد ہے۔ وہاں سے ممکن ہوا تو سرکارِ خواجہ میں بھی حاضر ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ خواجہ حسن نظامی رفیقِ راہ ہوگئے تو کیا عجب کہ:

دلِ بیتاب جا پہنچے دیارِ پیرِ سنجر میں
میسّر ہے جہاں درمانِ دردِ ناشکیبائی

امیر حبیب اللہ والیِ افغانستان(۱) کی خبر آپ نے سن لی ہوگی۔ جلال آباد میں کسی نے انھیں قتل کر دیا۔ لاہور میں تو یہ خبر پہلے سے مشہور تھی۔ کل اخبارات میں اس کا اعلان ہوا۔ بطنِ گیتی میں بھی نہ معلوم کیا کیا حوادث پوشیدہ ہیں۔ مرزا غالب خوب کہہ گئے:

اے سبزۂ سرِ رہ از جورہا چہ نالی
در کیشِ روزگاراں گل خوں بہا ندارد

زیادہ کیا عرض کروں، دعا کرتا ہوں۔ امید کہ سرکار کا مزاج بمع جمیع لواحقین و متوسلین بخیر ہوگا۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) افغانستان کے امیر عبدالرحمٰن ۳۔ اکتوبر ۱۹۰۱ع کو رات کے تین بجے ستاون برس کی عمر پا کر فوت ہوئے تو ان کی جگہ امیر حبیب اللہ خان کابل کے تخت پر بیٹھے۔ یہ وہی امیر حبیب اللہ خاں ہیں جنھوں نے ۱۹۰۷ع میں شمالی ہند کی سب سے

بڑی تعلیمی انجمن حمایت اسلام لاہور کی دعوت پر لاہور آ کر اسلامیہ کالج کا سنگِ بنیاد رکھا تھا ۔ انھی کے نام پر اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کا شاندار حبیبیہ ہال اب تک قائم ہے ۔

انگریزوں نے بھی امیرِ کابل پر ڈورے ڈالنے شروع کیے ۔ حضرت اکبر الہ آبادی کا یہ شعر اسی زمانے کی یادگار ہے :

انار آتے جو کابل کے تو پڑتے سب کے حصے میں
امیر آئے تو ہم کو کیا ، مزے ہیں لارڈ منٹو کے

اسی سیاحت کے دوران میں امیر حبیب اللہ خاں ۱۶ جنوری ۱۹۰۷ء کو علی گڑھ کالج کے معائنے کو تشریف لے گئے ۔ مخالفوں نے طلبائے کالج کی لامذہبی کی داستانیں سنا کر بادشاہ کے کان بھر رکھے تھے ۔ شاہ مرحوم نے دینیات کا امتحان خود لینا شروع کیا ۔ مولانا عباس علی کی قیادت میں پہلے شیعہ طلبا کی ایک جماعت پیش ہوئی ۔ ان سے شاہ مرحوم خود سوال کرتے اور جواب لیتے ۔ پھر سُنّی طلبا کی باری آئی ۔ آپ نے ان سے بھی بہت سے امور دریافت کیے اور شافی جواب حاصل کیے ۔ پھر ایک طالب علم کو اپنے قریب بلا کر فرمایا کہ قرآن مجید میں سے کچھ یاد ہو تو سناؤ ۔ امیر مرحوم نے جس لڑکے کو قرآن مجید سنانے کی فرمائش کی ، وہ طالب علم خوش الحان حافظ نکلا ۔ اس نے مصری لہجے میں سورۂ آل عمران کا ایک رکوع پڑھ کر سنانا شروع کیا ۔ اعلیٰ حضرت پر رقّت طاری ہوگئی اور یہ کیفیت ہوئی کہ رکوع ختم ہونے تک ڈاڑھی آنسوؤں سے تر تھی ۔ پھر اعلیٰ حضرت اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے ۔ بار بار جوش سے فرماتے تھے : ”بدگو جو کچھ کہتے ہیں جھوٹ ہے ، غلط ہے ، افترا ہے ، بہتان ہے ۔ اب علی گڑھ کی طرف سے

مفتریوں کی زبان بند کرنے کے لیے سب سے پہلے میں موجود ہوں ۔''[1]

(۷۷)

لاہور ، ۲۹ مارچ ۹ ۱ ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

والا نامہ معہ کتابوں کے ایک پیکٹ کے مل گیا ہے جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے ۔ مثنوی آئینۂ وحدت بلحاظ زبان اور خیالات کے بالخصوص پسند ہے :

اللہ کرے حُسنِ رقم اور زیادہ

دہلی تو گیا تھا اور دو دفعہ حضرت خواجہ نظام الدین کی درگاہ پر بھی حاضر ہوا تھا ، مگر افسوس کہ ''پیرِ سنجر'' کے دربار میں حاضر نہ ہو سکا ۔ انشاء اللہ پھر جاؤں گا اور اس آستانے کی زیارت سے شرف اندوز ہو کر واپس آؤں گا ۔

خواجہ حسن نظامی صاحب نے بہت اچھی قوالی سنائی ۔ سرکار بہت یاد آئے ۔ خدا کرے کہ ملاقات ہو اور بہت سی باتیں ہوں جن کے اظہار کے لیے دل تڑپتا ہے ۔ افسوس کہ حیدرآباد دور ہے اور اقبال کا عزم کمزور و ناتواں ہے ، ورنہ کم از کم چھ ماہ میں ایک دفعہ تو آستانۂ شاد پر حاضر ہوا کرے ۔ کئی دن سے ایک مصرع ذہن میں گردش کر رہا ہے ۔ اس پر اشعار لکھیے یا اس پر مصرع لگائیے ۔ مولانا گرامی کی خدمت میں بھی یہ مصرع ارسال کیا ہے اور مولانا اکبر کی خدمت میں بھی لکھوں گا :

۱- اعمال نامہ سر سید رضا علی ، ص ۱۳۸ ۔

این سرّ خلیل است باذر نتواں گفت

امید کہ سرکار کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا اور جملہ متعلقین اور متوسلین اچھے ہوں گے۔

مخلص قدیم محمدؐ اقبال، لاہور

(۷۸)

لاہور، ۲۵ اپریل ۱۹ع

سرکار والا مرتبت! تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ سرکار عالی مع اقربا و احباب خیریت سے ہیں۔ بندۂ درگہ بھی خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہے۔ سرکار نے اقوام ہند کے متعلق جو کچھ بھی فرمایا بجا ہے۔ جو مسائل انسان حل نہ کر سکے اب معلوم ہوتا ہے قدرت خود انہیں حل کرنا چاہتی ہے۔ یہاں کے حالات ملاقات ہو تو عرض کروں۔ تحریر سے ادا نہیں ہو سکتے۔

آج آٹھ دن سے مارشل لا یعنی قانون عسکری یہاں جاری ہے۔ پنجاب کے بعض دیگر اضلاع میں بھی گورنمنٹ یہی قانون جاری کرنے پر مجبور ہوئی ہے۔ جن لوگوں نے قصور امرتسر وغیرہ میں قانون اپنے ہاتھ میں لیا ان کو گرفتار کیا گیا ہے اور ان پر مقدمات چلائے گئے ہیں۔ کل سے ان کا ٹرائل بھی شروع ہے۔ اللہ تعالٰی اپنا فضل و کرم کرے۔ مگر خواجہ حافظ کا شعر تسکین کا باعث ہے۔

ہاں مشو نومید چوں واقف نہ ای از سرّ غیب
باشد اندر پردہ بازی ہائے پنہاں غم مخور

میرا ارادہ ''راماین'' کو اردو میں لکھنے کا ہے۔ سرکار کو معلوم ہو گا، مسیح جہانگیری نے ''راماین'' کے قصے کو فارسی میں نظم کیا ہے۔ افسوس ہے وہ مثنوی کہیں سے دستیاب نہ ہوئی مگر سرکار کے کتب خانے میں ہو تو کیا چند روز کے لیے عاریۃً مل سکتی ہے؟ میرے خیال میں اس کا تتبع کرنا بہتر ہو گا۔

اس کے متعلق اور مشورہ سے بھی سرکار دریغ نہ رکھیں۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں۔

خیریتِ مزاج سے آگاہ فرمایا کیجیے۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال، لاہور

(۷۹)

لاہور - ۱۷ ستمبر ۱۹ع

سرکار والا تبار! تسلیمات عرض

عید کارڈ موصول ہو گیا تھا، جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے۔ پنجاب میں عید اس سال بہت سی قربانیاں لے کے گئی۔ تاہم مبارک ہے کہ انشاء اللہ نتائج مبارک ہوں گے۔ آمید کہ مع اعزّہ و اقربا ہر طرح خیر و عافیت سے ہوں گے۔ ملاقات کو جی ترستا ہے مگر کیونکر ہو؟ گزشتہ سرما میں دہلی گیا تھا۔ خواجہ حسن نظامی سے ملاقات ہوئی۔ قوالی کی صحبت ہوئی۔ آپ بہت یاد آئے۔

''زمانہ'' کے گزشتہ نمبر میں سرکار کی ایک نظم نظر سے گزری۔ معنوی ملاقات تو ہو گئی، ظاہری باقی ہے۔ خدا کو منظور ہوا تو اس کا وقت بھی آ جائے گا۔ عثمانیہ یونی ورسٹی کا آغاز ہو گیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ کے اسکالر شپ اور قلمی قدردانیوں سے ارکان یونی ورسٹی کو طرح طرح کے فائدے ہوں گے - بھلا یہ دو شعر کیسے ہیں ؟ بنظرِ اصلاح ملاحظہ فرمائیے :

بہ یزداں روز محشر برہمن گفت
فروغِ زندگی تابِ شرر بود
و لیکن گر نہ رنجی با تو گویم
صنم از آدمی پاینده تر بود

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال

(۸۰)

لاہور ، ۷- اکتوبر ۱۹ ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

والا نامہ کل شام موصول ہوا - مثنوی ''خمار شاد'' کی کاپیاں بھی وصول ہوئیں - چند احباب اس وقت بیٹھے ہوئے تھے ، ان میں تقسیم ہو گئیں - بات یہ ہے کہ علمی دنیا میں کیا اور سوشیل اعتبار سے کیا ''خماری شاہ''[۱] ایک خاص آدمی ہیں جن کے افکار سے ہر آدمی کو دلچسپی ہے -

خدا کا فضل و کرم ہے کہ اس وقت بہمہ وجوہ خیریت ہے اور خدا کا شکر ہے کہ سرکار والا بھی معہ متعلقین و متوسلین

۱- ''خماری شاہ'' کا خطاب مہاراجہ کشن پرشاد شاد کو خواجہ حسن نظامی نے عطا کیا تھا -

مع الخیر ہیں ۔ سر سید علی امام اگر آپ کو اخِ معظم کہتے ہیں تو حقیقتِ حال کا اظہار کرتے ہیں ۔ واقعے میں ایسا ہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ کے اور ان کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہیں گے ۔ سید علی امام سے جہاں تک مجھے واقفیت ہے ، وہ نہایت نکتہ رس اور تعلقات کو نباہنے والے آدمی ہیں ۔ عام زندگی میں ان کا بے تکلفانہ انداز اور سادگی نہایت دلفریب ہے اور یہ خصوصیات مجھے یقین ہے دکن کی آب و ہوا کا بخوبی مقابلہ کر سکیں گے ۔

اب کے موسم گرما یہیں لاہور میں گزرا ۔ کشمیر جانے کا قصد تھا مگر یارانِ طریقت ہم سفر نہ ہوسکے ۔ اکیلے سفر کرنا اقبال سے ممکن نہیں : ع

اکیلے لطفِ سیرِ وادیِ سینا نہیں آتا

آج تعطیلاتِ گرما ختم ہو گئیں ۔ موسمِ سرما کا آغاز ہے ۔ لاہور میں چہل پہل ہے اور رونق شروع ہو رہی ہے ۔ کالج کے طلبہ معمور ہوگئے ۔ بازاروں میں طلبہ کے جھنڈ پھر نظر آنے لگے ۔ غرض کہ خدا خدا کرکے گرمی کا خاتمہ ہوا ۔ زیادہ کیا عرض کروں ۔ سرکار نے یہ کیا لکھا کہ "نہ آپ آتے ہو نہ مجھے بلاتے ہو" ۔ اقبال ایک مدت سے منتظرِ امام ہے ۔ کئی سال پیشتر عرض کر چکا ہے : ع

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں

سرکار ظہورِ امام کی خبر دیتے ہیں ۔ پھر کیا عجب ہے کہ اقبال کی دیرینہ ارادت اور خاری شاہ کی کشش متحد ہو کر کام کر جائیں اور اقبال ، جو معنوی اعتبار سے پہلے ہی شاد کا آستانہ نشیں ہے ، صوری اعتبار سے بھی حاضر ہو جائے ۔ اقبال کی کشش تو

ایک عرصے سے قوت کھو چکی ہے ۔ شاد کی کشش کا امتحان باقی ہے ۔ امید کہ مزاج عالی بخیر و عافیت ہوگا ۔

بندۂ درگاہ مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

(۸۱)

لاہور ، ۱۵ دسمبر ۱۹ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

والا نامہ کل شام موصول ہوا ، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ اس سے پہلے سرکار کا کوئی نوازش نامہ نہیں ملا ۔ بلکہ میں اپنے عریضے کے جواب کا منتظر تھا ۔ الحمد للہ کہ خدا کے فضل و کرم سے ہر طرح خیریت ہے ۔ سردی کا خوب زور ہے ۔ جشنِ صلح کی تیاریاں بھی ہیں ۔ آج رات سرکاری عمارتوں پر چراغاں کیا جائے گا ۔

لاہور کے مسلمانوں نے ایک عام جلسے میں یہ قرار دیا ہے کہ جشنِ صلح میں شرکت نہ کی جائے ۔ میں بھی اس جلسے میں شریک تھا ۔ پولیٹکل جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا کرتا ۔ اس جلسے میں اس واسطے شریک ہوا کہ ایک بہت بڑا مذہبی مسئلہ زیر بحث تھا ۔

حیدرآباد کے نئے دور کے . . . آپ کی مساعی بار ور کرے ۔ دیکھیں برار کی گھتی نئی وزارت سے سلجھتی ہے یا نہیں ؟ کیا عجب کہ اقبالِ آصف جاہی اپنا کام کر جائے اور حضور نظام کی یہ آرزو پوری ہو ۔ آمین !

آپ کی زیارت کو دل بہت چاہتا ہے مگر بقول سرکار کے ''دکن کا انقلابی دور'' آپ کی کشش سے متحد ہو جائے تو شاید کوئی صورت

مصافحہ و معانقہ کی بھی پیدا ہو جائے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ بظاہر کوئی امید نظر نہیں آتی۔ خاک پنجاب دامن گیر معلوم ہوتی ہے۔

مولانا اکبر آج کل دہلی کے حجرۂ رین بسیرا[1] میں مقیم ہیں۔ انشاء اللہ ۲۳۔ دسمبر کو میں بھی ان کی زیارت کے لیے دہلی جاؤں گا۔ . . . دھوم دھام کے جلسے ہیں یعنی کانگریس اور لیگ کا . . . . ریشنز کمیٹی کی صدارت کے لیے مجھ سے کہا گیا تھا۔ لیکن دور رہتا ہوں۔ اس کے علاوہ مولانا اکبر کی کشش دہلی کھینچ رہی ہے: ع

بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار کا مزاج مع الخیر ہوگا۔

بندۂ درگاہ محمدؐ اقبال، لاہور

(۸۲)

لاہور، ۱۱۔ اکتوبر ۲۱ء

سرکارِ والا تبار! تسلیم

سالِ گزشتہ نقرس نے بہت پریشان و مضمحل رکھا۔ امسال اگست میں ایک مقدمے کے لیے کشمیر جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں سے اسی مرض میں مبتلا ہو کر واپس آیا۔ اب خدا کے فضل و کرم سے اچھا ہوں، گو طبیعت میں وہ چستی و چالاکی باقی نہیں رہی جو پہلے تھی۔

۱۔ خواجہ حسن نظامی اپنی قیام گاہ کو ''رین بسیرا'' کہا کرتے تھے۔

گزشتہ ہفتے ایک لوکل اخبار میں سرکار والا کا ایک مضمون حالاتِ حاضرہ پر دیکھنے میں آیا ۔ قصد کر رہا تھا کہ عریضہ لکھوں مگر معلوم ہوتا ہے کہ سرکار نے اپنی باطنی آنکھ سے میرے جذباتِ دلی کو دیکھ لیا اور خط لکھنے میں تقدیم کرنے سے مجھے شرمندۂ احسان کر دیا ۔ خدا تعالیٰ شاد کو شاد و آباد رکھے ۔ شاد کا اقبال کیونکر سو سکتا ہے ، ”لا تاخذہ سنۃ ولا نوم“ ۔ یہ بات محض شاعرانہ استعارہ نہیں ۔ انشاء اللہ سرکار کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی :

زمانہ پیشِ نگاہم گذشت و می گذرد
چو سرو خیمۂ ہستی کنارِ جو زدہ ام

سرکار نے میرا ترجمہ ”گایتری“ پسند فرمایا (۱) میرے لیے یہ بات سرمایۂ فخر و امتیاز ہے ۔ افسوس کہ سنسکرت الفاظ کی موسیقیت اردو زبان میں منتقل نہیں ہو سکتی ۔ بہرحال غالباً اصل کا مفہوم اس میں آ گیا ہے ۔ زمانے نے مساعدت کی تو ’گیتا‘ کا اردو ترجمہ کرنے کا قصد ہے ۔ فیضی کا فارسی ترجمہ تو حضور کی نظر سے ضرور گزرا ہوگا ۔ فیضی کے کمال میں کس کو شک ہو سکتا ہے مگر اس ترجمے میں اس نے ’گیتا‘ کے مضامین اور اس کے اندازِ بیان کے ساتھ بالکل انصاف نہیں کیا ۔ بلکہ میرا تو یقین ہے کہ فیضی ’گیتا‘ کی روح سے ناآشنا رہا ۔

ناگپور میں ایک بزرگ مولانا تاج الدین (۲) نام ہیں ۔ کیا سرکار نے کبھی ان کا نام سنا یا ان کی زیارت کی ؟ حکیم اجمل خان صاحب دہلوی سے ان کی بڑی تعریف سنی ہے اور لاہور کے ایک اور دوست بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں ۔ ان کی خدمت

میں حاضر ہونے کا قصد ہے - دیکھیے کب لاہور کی زنجیروں سے خلاصی ملتی ہے - چشتی سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں - چوبیس گھنٹے میں بیشتر حصہ مجذوبانہ حالت میں رہتے ہیں - مگر سنا ہے کہ رات کے دو بجے کے بعد سے صبح تک ان کے فیضان کا دروازہ کھل جاتا ہے - حیدر آباد میں کوئی مولوی یا منشی محمد اسمعیل صاحب ان کے پیر بھائی ہیں - شاید سرکار کو معلوم ہو - غرض کہ جن جن ذرائع سے معلوم ہوا آدمی قابلِ زیارت ہیں -

حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے اس شعر نے :

"ملنا تو بہت دور نشاں تک نہیں پایا__الخ

میرے دل پر بہت اثر کیا - ان کے کلام کی سادگی سے ان کے فطری جوہر پر روشنی پڑتی ہے - اللھم زد فزد -

حیدری صاحب نے گزشتہ سال مجھے حیدر آباد طلب کیا تھا - لکھتے تھے کہ عثمانیہ یونی ورسٹی میں قانون کے پروفیسر بن جاؤ اور پریکٹس کرنے کی بھی اجازت دیتے تھے - مگر افسوس کہ حالات نے مجھے ان کی آفر نا منظور کرنے پر مجبور کیا -

زیادہ کیا عرض کروں ، امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا - سرکار عالی کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو تو اقبال اب کہاں یاد ہوگا - میری طرف سے ان کو دعا کہیے -

بندۂ درگاہ محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) گایتری کا یہ ترجمہ بانگ درا کے صفحات ۳۰ - ۳۱ پر

''آفتاب'' کے زیرِ عنوان موجود ہے - مگر ۱۹۰۲ع میں جب یہ نظم پہلے پہل ''مخزن'' میں شائع ہوئی تو اس کے ساتھ اقبال کا ایک مختصر سا تمہیدی شذرہ بھی تھا جو بانگ درا کی اشاعت کے وقت حذف کر دیا گیا اور وہ حسب ذیل ہے :

''ذیل کے اشعار رگ وید کی ایک نہایت قدیم اور مشہور دعا کا ترجمہ ہیں ، جس کو گایتری کہتے ہیں - یہ دعا اعترافِ عبودیت کی صورت میں گویا ان تاثرات کا اظہار ہے ، جنھوں نے نظامِ عالم کے حیرت ناک مظاہر کے مشاہدے سے اول اول انسانِ ضعیف البنیان کے دل میں ہجوم کیا ہوگا - اس قسم کی قدیم تحریروں کا مطالعہ علم ملل والنحل کے عالموں کے لیے انتہا درجے کا ضروری ہے ، کیونکہ ان سے انسان کے روحانی نمو کے ابتدائی مراحل کا پتہ چلتا ہے - یہی وہ دعا ہے جو چاروں ویدوں میں مشترک پائی جاتی ہے اور جس کو برہمن اس قدر مقدس سمجھتا ہے کہ بے طہارت اور کسی کے سامنے اس کو پڑھتا تک نہیں - جو لوگ محققین السنۂ شرقیہ کی تصانیف سے واقف ہیں ان کو معلوم ہے کہ سرولیم جونس مرحوم کو اس دعا کے معلوم کرنے میں کس قدر تکلیف اور محنت برداشت کرنی پڑی تھی - مغربی زبانوں میں اس کے بہت سے ترجمے کیے گئے ہیں ، لیکن حق یہ ہے کہ زبان سنسکرت کی نحوی پیچیدگیوں کی وجہ سے السنۂ حال میں وضاحت کے ساتھ اس کا مفہوم ادا کرنا نہایت مشکل ہے - اس مقام پر یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری

معلوم ہوتا ہے کہ اصل سنسکرت میں لفظ ''سوتر'' استعمال
کیا گیا ہے، جس کے لیے اردو (لفظ) نہ مل سکنے کے
باعث ہم نے لفظ ''آفتاب'' رکھا ہے۔ لیکن اصل میں اس
لفظ سے مراد اس آفتاب کی ہے جو فوق المحسوسات ہے
اور جس سے یہ مادی آفتاب کسبِ ضیا کرتا ہے۔ اکثر
قدیم قوموں نے اور نیز صوفیا نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو
نور سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن شریف میں آیا ہے:
''اللہ نور السمٰوات و الارض'' اور شیخ محی الدین ابن
عربی فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ ایک نور ہے جس سے تمام
چیزیں نظر آتی ہیں، لیکن وہ خود نظر نہیں آتا''۔ علیٰ
ہذا القیاس افلاطون الٰہی کے مصری پیروؤں اور ایران کے
قدیم انبیا کا بھی یہی مذہب تھا۔ ترجمے کی مشکلات سے
ہر شخص واقف ہے لیکن اس خاص صورت میں دقت اور
بھی بڑھ گئی ہے کیونکہ اصل آواز کی موسیقیت اور وہ
طمانیت آمیز اثر، جو ان کے پڑھنے سے دل پر ہوتا ہے،
اردو زبان میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ گایتری کے مصنف
نے ملک الشعرا ٹینی سن کی طرح اپنے اشعار میں ایسے
الفاظ استعمال کیے ہیں جن میں حروفِ علت اور صحیح قدرتی
ترتیب سے ایک ایسی لطیف موسیقیت پیدا ہو جاتی ہے،
جس کا غیر زبان میں منتقل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔
اس مجبوری کی وجہ سے میں نے اپنے ترجمے کی بنیاد اس
سوکت (گفتارِ زیبا) پر رکھی ہے جس کو سوریا نرائن
اپنشد میں گایتری مذکور کی شرح کے طور پر لکھا گیا
ہے۔ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ سنسکرت دان اصحاب اس

پر وہی رائے قائم کریں گے ، جو چیپ مین نے پوپ کا ترجمہ ہومر پڑھ کر قائم کی تھی ۔ یعنی شعر تو خاصے ہیں لیکن یہ گایتری نہیں ہے ۔"

(۲) بابا تاج الدین ناگپوری تاج الاولیا کہلاتے ہیں ۔ آپ کے والد کا نام سید بدر الدین تھا ۔ سادات ِ حسنی و حسینی سے ہیں ۔ آپ کے آبا و اجداد عرب سے آ کر مدراس میں آباد ہوئے ۔ وہاں سے فوج میں ملازم ہو کر ناگپور کامٹی آ گئے ۔ بابا صاحب ۱۲۶۸ھ میں پیدا ہوئے ۔ "چراغ دین" (۱۲۶۸) آپ کا تاریخی نام ہے ۔ آپ شکم ِ مادر ہی میں تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ دو اڑھائی برس کے ہوئے تو والدہ بھی آپ کو خدا کے سپرد کرکے رخصت ہو گئیں ۔ نانا نے سر پر دست ِ شفقت رکھا اور مکتب میں بٹھایا مگر آپ کا رجحان بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کی طرف تھا ۔ سیر و تفریح سے کوئی دلچسپی نہ تھی ۔

بڑے ہو کر آپ نے بھی اپنے بزرگوں کی روایت کے مطابق فوجی ملازمت اختیار کی مگر دیکھا گیا کہ آپ کم گو اور کم آمیز تھے ۔ کم کھاتے اور کم سوتے تھے ۔ تلاوت ِ قرآن مجید آپ کا محبوب مشغلہ تھا ۔ عبادت ، ریاضت اور مجاہدہ آپ کی فطرت ِ ثانیہ بن چکا تھا ۔ روحانی سرشاریوں میں جسمانی تقاضوں کو بھلا دیا تھا ۔ رفتہ رفتہ آپ کا جسم بھی روحانی انوار کی جلوہ گاہ بن گیا اور آپ مرکز ِ جذب و کشش ہو گئے ۔ جن دنوں آپ کی پلٹن ساگر ستھالی میں تھی ، آپ حضرت داؤد مکی ساگری کے مزار پر رات کو جاتے اور صبح تک اللہ اللہ کرتے رہتے ۔ یہاں تک کہ آپ کے باطن میں ایک تغیر ِ عظیم رونما ہوا ۔ حضرت داؤد مکی چشتیہ صابریہ سلسلے

کے بزرگ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے خلیفہ تھے -

جب محویت و بے خودی اور استغراق کا عالم ترقی کر گیا تو آپ نے ملازمت ترک کر دی اور کچھ دن ناگپور اور کامٹی میں قلندرانہ گھومتے رہے - پھر یکایک ایک طویل عرصے کے لیے غائب ہو گئے - یہ زمانہ آپ نے جنگلوں میں گزارا جہاں بھیل اور گونڈ جیسی وحشی قومیں آباد تھیں - وہ لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے اور پوجنے لگے مگر آپ نے ان کو راہِ حق دکھائی - ایک مدت بعد پھر ناگپور میں نمایاں ہوئے - یہاں ہجوم سے تنگ آ کر پاگل خانے میں چلے گئے مگر وہاں بھی دربار قائم ہو گیا - رگھو راؤ راجہ آپ کا معتقد ہو گیا - وہ آپ کو پالکی میں سوار کرکے پاگل خانے سے اپنے محل شکر درہ میں لے گیا - وہاں بھی زائرین نے پیچھا نہ چھوڑا - آپ نے جنگل کے قریب واکی گاؤں میں جو دریا کے کنارے واقع تھا ، ڈیرہ جما لیا - ایک حصے کو شفاخانہ قرار دیا ، ایک حصے کو مسجد اور مدرسہ بنا دیا - طالبانِ حق ہر وقت جمع رہنے لگے - جنگل میں منگل ہو گیا - آپ کا چلہ خانہ ، مسجد ، شفاخانہ اور مدرسہ آج بھی واکی گاؤں میں موجود ہیں -

اکثر مشاہیرِ ہند آپ کی آستان بوسی کو آتے تھے - گاندھی جی نے کئی مرتبہ آپ کے درشن کیے - مولانا محمد علی ، مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر سید محمود وزیر بہار بھی حاضرِ دربار ہوئے - مہاراجہ سر کشن پرشاد اور دیگر والیانِ ریاست بھی زیارت کو آئے - علما ، مشائخ ، فقرا اور اہلِ کشف و کرامات کے علاوہ مسلمان ، ہندو ، پارسی ، سکھ ، عیسائی اور شودر غرض ہر مذہب و ملت کے لوگ بلا امتیاز فیض یاب ہوئے - علامہ اقبال باوجود خواہش کے ان کی

زیارت کے لیے وقت نہ نکال سکے۔

۲۶ محرم الحرام ۱۳۴۴ھ/۱۷ - اگست ۱۹۲۵ع کو جان جاں آفریں کے سپرد کی۔ آپ نے قبر کے لیے جو جگہ پسند فرمائی تھی، وہ تاج آباد کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں کا حلقہ بہت وسیع ہے جو ہندوستان اور پاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کراچی میں آپ کا عرس ہر سال منایا جاتا ہے۔

(۸۳)

لاہور، ۲۷ - اکتوبر ۲۱ع

سرکار والا تبار! تسلیم

نوازش نامہ مع سفر نامۂ ناگپور (۱) ملا، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ میں نے اس چھوٹی سی کتاب کو بڑی مسرت سے پڑھا اور سرکار کی عقیدت سے دل کو ایک قسم کی روحانی بالیدگی ہوئی۔ میرا قصد بھی ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا ہے۔ بعض وجوہ سے تجدیدِ بیعت کی ضرورت پیش آئی ہے۔ سنتا ہوں کہ وہ مجذوب ہیں مگر آج کل زمانہ بھی مجاذیب کا ہے۔ بہرحال اگر مقدر میں ہے تو انشاء اللہ ان سے مشکل کا حل ہو گا۔ آج خواجہ سید حسن نظامی صاحب کو بھی خط لکھا ہے۔ اگر وہ بھی ہم سفر ہو گئے تو مزید لطف رہے گا۔ امید ہے کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہو گا۔ میں آج پیچش کی وجہ سے صاحبِ فراش ہوں۔ اسی مختصر عریضے پر اکتفا کرتا ہوں۔

مخلص محمدؐ اقبال

تعلیقات

(۱) اس سفر نامے کا دوسرا نام ''آنکھ والا آنکھ والے کی تلاش میں'' ہے اور اس میں بابا تاج الدین ناگپوری کا ذکر نہایت عقیدت سے کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا اسلوبِ بیان دلچسپ ہے۔

(۸۴)

لاہور، ۳ فروری ۲۲ء

سرکار والا تبار! تسلیم

نوازش نامہ ملا، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

یہاں بھی شہزادۂ عالی مقام کی آمد آمد ہے۔ فروری کے آخر میں لاہور میں جلوہ افروز ہوں گے۔ ان کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ چند روز ہوئے مولانا گرامی لاہور آئے ہوئے تھے۔ ان سے چند روز صحبت رہی اور شعر و اشعار کا خوب چرچا رہا۔ آپ کا تذکرہ بھی متعدد دفعہ رہا۔ سرکار کی ایک فارسی غزل میرے پاس تھی۔ اس کے اشعار سے لطف اندوزی ہوتی رہی۔

مولانا شاہ تاج الدین کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ البتہ پیغام مراقبے کے ذریعے سے بھیجا ہے مگر اقبال کے ٹیلی فون کی مشین ناقص ہے۔ دیکھیں پیغام وہاں پہنچا بھی ہے یا نہیں۔ مجھے یہ سن کر مسرت ہوئی کہ حضور نظام آپ کے ہاں تشریف لائے ہیں:

قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ امید ہے کہ سرکار والا کا مزاج مع الخیر ہوگا۔ شاید کچھ عرصے کے لیے مجھے

ہندوستان سے باہر جانا پڑے ۔ مفصل پھر عرض کروں گا ۔

دعا گوئے دولت ، محمدؐ اقبال ، لاہور

(۸۵)

لاہور ، ۲۲ فروری ۲۲ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

والا نامہ مل گیا ہے ، جسے پڑھ کر بے اندازہ مسرت ہوئی ۔ اگرچہ میرا ٹیلی فون خراب ہے اور اُدھر شانِ بے نیازی ہے ، تاہم جواب کی توقع ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ جواب پہنچے گا ، اور کیا عجب کہ آپ تک پہلے پہنچے ۔

ہندوستان سے باہر سفر کرنے کے متعلق عرض ہے کہ عہد نامۂ سیورے (۱) کی رُو سے ایک کمیشن مقرر ہوگی جو مقاماتِ مقدسہ کے متعلق تنازعات کا فیصلہ کرے گی ۔ اس کمیشن کے دو ممبر مسلمان ہوں گے ۔ گورنمنٹ نے مجھے مقرر کرنے کا ارادہ کیا تھا اور مجھ سے میرا عندیہ دریافت کیا تھا مگر مالی مشکلات سے مجبور ہو کر مجھے یہ آفر نامنظور کرنی پڑی ۔ یہ رائل کمیشن ہوگی اور رائل کمیشن کے ممبروں کو قاعدے کی رو سے سوائے اخراجات سفر کے اور کوئی معاوضہ نہیں ملتا ۔ چونکہ میں دولت مند آدمی نہیں اور یہ کام قریباً دو سال رہے گا اور اجلاس کے لیے ہر سال فلسطین جانا پڑے گا ، اس واسطے مجبوراً بادلِ ناخواستہ مجھے انکار کرنا پڑا ۔ سید حسن امام (۲) بھی ایک ایسی ہی کمشن پر گئے تھے مگر وہ وسائلِ مالی کے اعتبار سے اس کام کو نبھا سکتے تھے ۔ میرے

حالات مختلف ہیں ۔ مجھ سے ایک بہت بڑی مالی قربانی کے بغیر ، جس کا میں حالاتِ موجودہ میں متحمل نہیں ہو سکتا ، یہ کام نہیں ہو سکتا ۔ سرکار نے فراستِ باطنی سے معلوم کر لیا کہ حج و زیارات کے لیے سفر ہے ۔ حج کے لیے نہیں تو زیارات کے لیے ضرور ہے مگر افسوس کہ میں اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا ۔ بہت سوچ بچار کے بعد آخر پرسوں میں نے جواب دے دیا ہے ۔ ممکن ہے کہ گورنمنٹ کی طرف سے پھر اصرار ہو ، لیکن میں نے تمام مشکلات کا حل صحیح صحیح لکھ دیا ہے ۔

پنجاب کی طرف ایک دفعہ پھر سفر ہو جائے تو اہلِ پنجاب کی اس سے بڑھ کر عزت اور کیا ہو سکتی ہے ۔ اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ آپ کا گزشتہ سفر لاہور کے لوگوں کو اب تک یاد ہے ۔ اور کیوں نہ یاد رہے کہ سرکار والا کی وسعتِ اخلاق و لطف و کرم ایسی چیزیں نہیں جن کا نقش قلوب سے بآسانی محو ہو سکے ۔

اگر شاہ تاج الدین صاحب کا پیغام مجھ تک پہلے پہنچ گیا تو انشاء اللہ عرض کروں گا ۔ ایک اور جگہ سے بھی ایسے ہی پیغام کی توقع ہے ۔ غرض کہ اقبال شاد سے غافل نہیں رہ سکتا ۔

امید کہ سرکارِ عالی مع الخیر ہوں گے ۔

بندۂ درگاہ محمدؐ اقبال ، لاہور

تعلیقات

(۱) اس عہدنامے اور کمیشن کے بارے میں ۹ فروری ۲۲ء کو اقبال نے ایک خط مولانا گرامی کو بھی لکھا تھا ، جس کی مندرجہ ذیل سطور شاید اس پر کوئی مزید روشنی ڈال سکیں :

"ترکوں کے ساتھ اتحادیوں کا جو عہد نامہ ہوا تھا، اس کی رُو سے مقاماتِ مقدسہ فلسطین و شام کے لیے ایک کمیشن مقرر ہونے والی ہے، جس کے ممبر مسلمان، عیسائی و یہودی ہوں گے۔ گورنمنٹ نے مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا میں اس کمیشن کا ممبر بننا قبول کر سکتا ہوں؟ اس کمیشن کے اجلاس مقام یروشلم میں ہوں گے اور دو تین سال میں متعدد بار یہاں سے یروشلم جانا پڑے گا۔ بعد کامل غور آج میں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ میں اس میں شریک نہیں ہو سکتا۔ گورنمنٹ کی خدمت میں بھی آج جواب لکھ دیا جائے گا۔ انکار کے وجوہ مفصّل پھر عرض کروں گا، جب ملاقات ہو گی۔ خط میں لکھنا مناسب نہیں۔"

اس کمیشن کے ارکان کی نامزدگی، ہیئتِ ترکیبی اور وظائف پر روشنی ڈالتے ہوئے ٹائن بی "سروے آف انٹرنیشنل افیئرز" (۱۹۲۵ع) جلد اول، مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لنڈن، ۱۹۲۷ع کے صفحہ ۳٦۵ پر لکھتا ہے:

"دفعاتِ انتداب کے مطابق (دفعہ ۱۳ و دفعہ ۱۴) فلسطین کے مقاماتِ مقدسہ کے سلسلے میں (جن میں سے بعض مسلمانوں، مسیحیوں اور یہودیوں کے نزدیک یکساں مقدس ہیں) پوری ذمہ داری انتدابی مملکت نے سنبھال لی ہے اور وہ اس معاملے میں صرف جمعیتِ اقوام کے روبرو جواب دہ ہوگی۔ ایک کمیشن اس غرض سے مقرر کیا جائے کہ وہ مقاماتِ مقدسہ کے متعلق فلسطین کی تمام

مذہبی ملتوں کے حقوق و دعاوی کا مطالعہ کرے ، ان کی حدبندی اور تعیّن کر دے - یہ کمیشن انتدابی مملکت مقرر کر دے گی - کمیشن کے ارکان کی نامزدگی کا طریقہ ، کمیشن کی ہیئتِ ترکیبی اور اس کے وظائف جمعیتِ اقوام کی کونسل سے منظور کرائے جائیں گے - اس کے بعد کمیشن مقرر کیا جا سکے گا یا وہ اپنے وظائف کا آغاز کر سکے گا . . . -"

مگر بعد میں حالات ایسی صورت اختیار کرتے گئے کہ یہ کمیشن بن ہی نہ سکا -

(۲) سید حسن امام ، پٹنہ (بہار) کے مشہور نواب سید امداد امام اثر کے چھوٹے فرزند تھے - ۳۱- اگست ۱۸۷۱ع کو پیدا ہوئے - بیرسٹری کرنے کے بعد پریکٹس شروع کی - ۱۹۱۲ع میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے - ۱۹۱۶ع میں ججی سے مستعفی ہو کر پھر پریکٹس شروع کردی - قوم پرست مسلمان تھے - اپنے علم و فضل ، اپنی عقل و فہم ، اپنی روشن دماغی اور اصابت رائے سے ملک و قوم کو بہت فائدہ پہنچایا - ۱۹- اپریل ۱۹۳۳ع کو انتقال فرمایا -

(۸٦)

لاہور ، ۱۱- اکتوبر ۲۲ع

سرکارِ والا تبار !

اقبال تسلیمات عرض کرتا ہے -

کچھ عرصہ ہوا عرض کیا تھا کہ خاکسار نے جو پیغام مولانا شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا ، اس کا جواب

سرکارِ والا کی خدمت میں پہلے پہنچے گا ۔ اخباروں سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مطلوبہ جواب سرکار عالی تک پہنچ گیا ہے ، لیکن اقبال حضور سے سننے کا مشتاق ہے ۔

تصدیق ہو جائے تو مزید عرض کروں گا ۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج مع متعلقین بخیر و عافیت ہوگا ۔ جواب کے لیے چشم براہ ہوں ۔

بندۂ مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

اسمہٗ

صدرِ اعظم گشت شادِ نکتہ سنج
ناوکِ او دشمناں را سینہ سفت
سالِ ایں معنی سروشِ غیب داں
جانِ سلطاں مرکشن پرشاد گفت

۱۳۴۱ھ

مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

(۸۷)

لاہور ، ۲۶- اکتوبر ۲۲ء

سرکارِ والا تبار ! تسلیمات

نوازش نامہ مل گیا ہے ، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ اخبارات میں تو (خالصہ ، ایڈوکیٹ ، و پیسہ اخبار وغیرہ) وہی دیکھا ہے جو میں نے عرض کیا تھا ۔ مگر پرسوں سر محمد شفیع صاحب سے معلوم ہوا کہ ابھی آخری فیصلہ نہیں ہوا ۔

سر محمد شفیع علی گڑھ گئے تھے ۔ وہاں مسٹر حیدری بھی موجود

تھے - یہ روایت کی کہ ابھی کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا - مسٹر موصوف کی زبان ہی سے نقل کرتے تھے - بہر حال اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے امید ہے کہ حسبِ مراد ہوگا - دکن میں سوائے شاد کے اور ہے کون ؟ رات پھر ایک اور پیغام حضرت تاج کی خدمت با برکت میں بھیجا گیا ہے - گزشتہ ہفتے میں دو نیاز نامے سرکار والا کی خدمت میں ارسال کر چکا ہوں - آج یہ تیسرا نیازنامہ ہے - اقبال ممکن نہیں کہ شاد کو فراموش کر سکے اور حضرت شاد کو یوں بھی کوئی شخص آسانی سے فراموش نہیں کر سکتا -

بادشاہ ہیں ، رموز مملکت کو خوب سمجھتے ہیں - ہم فقیروں کے نزدیک تو مصلحت یہی ہے اور یہی تقاضا حالات حاضرہ کا بھی ہے کہ شاد دکن کے مدار المہام ہوں - کیا عجب کہ یہی تقاضائے وقت و حالات تقدیر الٰہی کے بھی مطابق ہو -

امید کہ مزاجِ عالی بخیر ہوگا -

مخلص محمد اقبال

(۸۸)

لاہور ، ۱۱ نومبر ۲۲ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

دو والا نامے ملے جن کے لیے سراپا سپاس ہوں - میں عریضہ لکھنے ہی کو تھا کہ دوسرا نوازش نامہ سرکار عالی کا موصول ہوا - بابا تاج کے پیغام سے میری مراد معشوق کامرانی کا خیال ہے - جب سرکار کو یہ پیغام موصول ہو تو دربار تاج میں تشریف لے جائیے -

فی الحال سرکارِ والا کا تامل بالکل بجا ہے اور جو کچھ سرکار

نے جمال صاحب کو لکھا ہے مناسب ہے ۔ میں نے جو عرض کیا تھا کہ بابا تاج کا پیغام مجھ سے پہلے سرکار کی خدمت میں پہنچے گا ، اس سے مراد . . . ہے ۔

زیادہ کیا عرض کروں ، امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔

مخلصِ شاد محمدؐ اقبال

(۸۹)

دسمبر

سرکار والا تبار ! تسلیم

دعوتی رقعہ سرکارِ والا کی طرف سے چند روز ہوئے پہنچا ۔ عزت افزائی کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ کاش اس کارِ خیر میں شریک ہو سکتا ۔

لاہور سے حیدر آباد بہت دور ہے ۔ تاہم امید . . . . کہ کبھی اقبال کے جمود کا خاتمہ کر دے . . . . خدائے تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ رکھے اور تمام آرزوئیں بر آئیں ۔ لاہور میں عجیب موسم ہے ۔ دوپہر کو گرمی اور رات کو خوب سردی ۔ . . . اس عجیب و غریب موسم نے مجھے کئی روز تک بیمار رکھا ۔ کل سے کسی قدر آرام ہے اور سرکار والا کی صحت و سلامتی کا . . . . معاملہ معلومہ . . . تو سرکار کے حسبِ مراد ہوگا ۔ میں بھی کئی دنوں سے دست بدعا ہوں ۔ دیگر حضرات سے استمداد کا خواست گار ۔

امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا ۔

مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

(۹۰)

لاہور ، ۲۹ دسمبر ۲۲ع

سرکار والا تبار ! تسلیم

والا نامہ مل گیا تھا ، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں - الحمد للہ کہ سرکار عالی کو . . . . فرض سے سبکدوشی ہوئی - انشاء اللہ باقی فرائض بھی بوجوہِ احسن انجام پذیر ہوں گے - سرکار نے جو کچھ حیدر آباد کے لڑکوں کے متعلق ارشاد فرمایا بالکل بجا ہے - فی زمانہ شرفائے ہند کی لڑکیوں کے بر کا معاملہ بہت نازک ہو گیا ہے - پنجاب کی حالت حیدر آباد سے نسبتاً بہتر ہے - گو دور دراز کے رشتوں میں دقتیں ہیں - صاحب زادیوں کے متعلق اگر ضروری کوائف سے مجھے آگاہی ہو جائے تو شاید میں کوئی مفید مشورہ عرض کر سکوں گا - ایک آدھ موقع میرے خیال میں ہے - لیکن چونکہ معاملہ اہم ہے ، اس واسطے ہر قسم کی احتیاط ضروری ہے - جس مآل اندیشی سے سرکار اس قسم کے کاموں کو انجام دیتے ہیں ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کے متعلق اپنے فرائض کا اس قدر تیز احساس شاید کسی باپ کو نہ ہوگا - آپ کے علم ، بزرگی ، معاملہ فہمی اور روایاتِ خاندانی کا اقتضا بھی یہی ہے - پنجاب میں سرکار شاد کے پائے کے لوگ کہاں ؟ ہاں لڑکوں کی تعلیم اور چال چلن کے متعلق حیدر آباد کی نسبت بہتر اطمینان ہو سکتا ہے - بہرحال سرکار عالی سے ضروری آگاہی حاصل کرنے کے بعد میں کچھ مزید امور عرض کروں گا - اس قسم کے معاملات میں اور نیز دیگر معاملات میں بے تکلفانہ خط و کتابت کرنی محض سرکار عالی کی وسعت خیال کی وجہ سے ہے ورنہ کجا وزیرِ نظام اور کجا اقبالِ ہیچ میرز - اقبال

سرکار کی درویش منشی اور اپنی صاف باطنی پر بھروسہ کر کے بے تکلفانہ عرض و معروض کر لیا کرتا ہے۔

امید کہ مزاجِ عالی بخیر و عافیت ہوگا۔ اس عریضے کا جواب اگر جلد مرحمت ہو تو بہتر ہے۔

مخلصِ قدیم محمدؐ اقبال ، لاہور

(۹۱)

لاہور ، ۲۴ جنوری ۲۳ء

سرکار والا ! تسلیم مع التعظیم

نوازش نامہ مل گیا تھا۔ میں اپنے خط کے جواب کا منتظر تھا۔ انشاء اللہ میں اس طرف پوری توجہ دوں گا۔ ضروری کوائف سے آگاہی ہو گئی ہے۔ بعض اور امور بھی دریافت طلب ہیں ، جو پھر دریافت کروں گا۔ صرف اس قدر خیال ہے کہ موجودہ حالات میں فریقین کا اطمینان کس طرح ہوگا اور اس کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ بعض باتیں شرعی نقطۂ نگاہ سے بھی پوچھی جاتی ہیں۔ میرا عقیدہ ہے کہ سرکار عالی اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ میرے علم میں ایک موقع ہے۔ اگر اس کے متعلق میرا اطمینان ہو گیا تو عرض کروں گا۔ فی الحال میں ضروری آگاہی بہم پہنچا رہا ہوں۔ اگر اس موقع کے متعلق خود میرا اطمینان نہ ہو تو پھر کوئی اور موقع تلاش کروں گا۔ امید کہ سرکار والا مع جملہ متعلقین بخیر و عافیت ہوں گے۔

سرکار نے میرے خطاب کے متعلق جو کچھ سنا ہے صحیح ہے۔ یہ ''اسرارِ خودی'' کا انگریزی ترجمہ ہونے اور اس پر یورپ اور

امریکہ میں متعدد ریویو چھپنے کا نتیجہ ہے۔

دنیوی نقطۂ نگاہ سے یہ ایک قسم کی عزت ہے مگر ہر عزت فقط اللہ کے لیے ہے۔ نوروز کارڈ کا شکریہ قبول فرمائیے، جس میں آپ کی اور صاحب زادوں کی نہایت خوبصورت تصویریں ہیں۔

مخلص محمدؐ اقبال، لاہور

(۹۲)

لاہور، ۱۹ مارچ ۲۳ء
سرکار والا تبار! تسلیم

والا نامہ کل مل گیا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ معاملۂ معلومہ کی تحقیقات کے بعد سرکار کو عریضہ لکھوں۔ اس واسطے اتنی تعویق خط لکھنے میں ہوئی۔ افسوس ہے اس معاملے میں میرا اطمینان نہ ہوا۔ انشاء اللہ . . . . . اور طرف خیال کروں گا۔ اگر کوئی صورت حسبِ مراد نکل آئی تو . . . . . ٹیلی فون کا سلسلہ جاری ہے اور کئی اطراف میں۔ اطمینان فرمائیے، خدا نے چاہا تو نقش حسبِ مراد بیٹھے گا۔ مگر اقبال آپ کی استقامت اور سکون قلب کی داد دیتا ہے۔ کل کسی اخبار میں حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے اشعار دیکھنے میں آئے۔ ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ سادگی اور سلاست میں کلام حضور کا اپنا جواب نہیں رکھتا۔ برار کے استرداد میں یاد آوریِ اقبال کی ضرورت ہے۔

''پیامِ مشرق'' جو میں نے جرمنی کے مشہور شاعر گوئٹے کے ''دیوانِ مغربی'' کے جواب میں لکھا ہے، چھپ رہا ہے۔ انشاء اللہ اس کی کاپی پیش کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار اسے پسند فرمائیں گے۔

افسوس ہے کہ پنجاب میں ہندو مسلمانوں کی رقابت بلکہ عداوت بہت ترقی پر ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو آیندہ تیس[1] سال میں دونوں قوموں کے لیے زندگی مشکل ہو جائے گی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا اور جملہ متعلقین اور متوسلین بھی تندرست ہوں گے۔

مخلص محمدؐ اقبال، لاہور

(۹۳)

لاہور، ۱۸ مئی ۲۳ع

سرکار والا تبار! تسلیم

والا نامہ[۲] کئی روز سے آیا رکھا ہے، لیکن بندۂ اخلاص کیش اقبال دو ہفتے سے علیل ہے۔ اسی وجہ سے توقف ہوا۔ سرکار عالی معاف فرمائیں۔ آج سفرنامہ[۳] شاد نظر سے گزرا۔ اس کرم فرمائی کے لیے سپاس گزار ہوں۔ خوب دلچسپ ہے۔

حالتِ علالت میں میری چند فارسی نظموں کا مجموعہ، جو ''پیامِ مشرق'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، شائع ہوا۔ میں نے پبلشر کو پہلے ہی لکھ رکھا تھا کہ سرکار کی خدمت میں فوراً اس کا ایک نسخہ ارسال کرے۔ امید کہ سرکار والا تک یہ کتاب پہنچی ہوگی۔ سرکار کے گزشتہ خط میں راجہ خواجہ پرشاد طال اللہ عمرہ[۴] کے مسہری پر گرنے کی خبر تھی۔ دعا کرتا ہوں کہ

۱۔ اقبال کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ تیس سال کے اندر ہی اندر ملک تقسیم ہو گیا اور ہندوستان اور پاکستان الگ الگ ہو گئے۔

۲۔ یہ خط مہاراجہ کے ۲۳۔ اپریل ۱۹۲۳ع کے خط نمبر ۳۴ کا جواب ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو چشمِ زخمِ روزگار سے محفوظ و مامون رکھے۔ ہاں جوگی جی کا واقعہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اللہ والے ایسے ہی ہوتے ہیں ۔ کچھ عرصہ ہوا ضلع گورک پور میں اسی قسم کا ایک واقعہ سننے میں آیا تھا ۔ باقی بندۂ دیرینہ اقبال سرکارِ عالی کے لیے دست بدعا ہے ۔ امید کہ سرکار عالی کا مزاج بخیر ہوگا ۔ مفصل انشاء اللہ پھر عرض کرے گا ۔

اخلاص کیش
محمدؐ اقبال ، لاہور

(۹۴)

لاہور ، ۲۹ ستمبر ۲۳ء

سرکارِ والا ! تسلیم

والا نامہ ابھی ملا ہے ، جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے ۔ گزشتہ تین ماہ سے مسلسل بیماری کی وجہ سے آلام و افکار میں گرفتار ہوں ۔ پہلے میری بیوی کو ٹائی فائڈ فیور ہوگیا اور وہ قریباً دو ماہ صاحبِ فراش رہیں ۔ اس کے بعد میری باری آئی ۔ خدا خدا کرکے پرسوں سے بخار اترا ہے اور یہ خط نقاہت کی وجہ سے بستر پر لیٹے لیٹے لکھ رہا ہوں ۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ۔

لیکن یہ معلوم کرکے تعجب بھی ہوا اور تردد بھی کہ برخوردار خواجہ پرشاد طلال اللہ عمرہ' کی آنکھ ابھی تک اچھی نہیں ہوئی ۔ اللہ تعالیٰ فضل و کرم کرے ۔ مجھے یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ ان کو صحت کامل عطا فرمائے گا ۔ وہ جس کا وجود سینکڑوں ہزاروں آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہے ، اللہ تعالیٰ کی غیرت کبھی گوارا نہ

کرے گی کہ اس کے نورِ نظر کو چشم زخم پہنچے ۔ انشاء اللہ استدائے دعا کروں گا ۔ گزشتہ اگست عثمانیہ یونی ورسٹی نے حیدرآباد آنے کی دعوت دی تھی ۔ جناب رجسٹرار نے تار دیا ۔ اس کے بعد حیدری صاحب کا بھی تار آیا مگر بیوی کی علالت نے لاہور سے باہر نکلنے نہ دیا ۔ آخرکار پروفیسر فلسفہ عثمانیہ یونی ورسٹی لاہور ہی تشریف لے آئے اور جو مشورہ ان کو مطلوب تھا دے دیا گیا ۔ یہ موقع سرکار کی ملاقات کے لیے ایک مدت کے بعد ہاتھ آیا تھا مگر افسوس کہ اللہ تعالٰی کو میرا سفر حیدر آباد منظور نہ تھا ۔ خدا کرے کہ پھر کوئی موقع پیدا ہو اور اقبال سرکارِ شاد کی زیارت سے شرف اندوز ہو ۔

زیادہ کیا عرض کروں ۔ امید کہ سرکار والا کا مزاج مع الخیر ہو ۔ راجہ خواجہ پرشاد طال اللہ عمرہ' کو دعائے صحت و درازیِ عمر و ترقیِ درجات ۔

مخلص محمدؐ اقبال

(۹۵)

لاہور ، ۲۴ اکتوبر ۳۳ع

سرکارِ والا تبار ! تسلیم

والا نامہ موصول ہوگیا ہے ۔ صاحبزادی کے انتقال کی خبر معلوم کرکے نہایت تأسف ہوا ۔ اقبال ، شاد کے غم و الم میں شریک ہے ۔ سرکار کی نگاہ بلند ، طبیعت بلند ، پھر حوصلہ کیوں بلند نہ ہو ۔ مگر عرفی نے کیا خوب لکھا ہے :

من ازیں درد گران مایہ چہ لذت یابم
کہ باندازۂ آں صبر و ثباتم دادند

خدائے تعالیٰ صبر جمیل عطا فرمائے - معزز ذرائع سے جو خبر سرکار والا نے سنی ہے خدا کرے کہ صحیح ہو - میری تو یہ دیرینہ آرزو ہے کہ سرکار کو فائز المرام دیکھوں - ذمہ داری ضرور ہے لیکن اس وقت کے حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ حیدر آباد کا مدار المہام شاد ہو اور مجھے یقین ہے کہ حضور نظام کی نگاہ زمانے کے میلانِ طبیعت کو صحیح طور پر دیکھتی ہے -

حضور وائسرائے آج کل لاہور میں رونق افروز ہیں - کل انھوں نے نئے ہائی کورٹ پنجاب کا افتتاح فرمایا - چیف جسٹس سر شادی لال نے جو تقریر اس موقع پر فرمائی اس کے جواب میں حضور وائسرائے نے اقبال کی تعریف بھی کی ہے - تقریر نہایت دلکش اور نہایت عمدگی کے ساتھ ادا کی گئی - اقبال کی تعریف سے سب کو تعجب ہوا کہ اس کی توقع نہ تھی - اخباروں میں امید کہ یہ تقریر سرکار والا کے ملاحظے سے گزرے گی -

زیادہ کیا عرض کروں ، امید کہ سرکار والا کا مزاج بخیر ہوگا -

مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

(۹۶)

لاہور ، ۱۴ جنوری ۲۴ء

سرکار والا تبار ! تسلیم

نوروز کارڈ کے لیے سراپا سپاس ہوں - میں یکم جنوری سے ۹ جنوری تک لاہور سے باہر تھا - نواب صاحبان کرنال (پنجاب) کے مقدمات کی خاطر اتنے روز پنجاب سے باہر ٹھہرنا پڑا - وہاں سے واپس آیا تو سرکارِ عالی کا نوروز کارڈ پایا ، جو حقیقت میں نصف

ملاقات تھا ۔ سرکار اور صاحب زادگانِ والا تبار کی تصویریں نہایت صاف اور ستھری ہیں ۔ مصوّر کا فن قابلِ داد ہے ۔

یہ خط شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی لکھنوی کی معرفت کے لیے لکھتا ہوں ۔ یہ نوجوان نہایت قابل اور ہونہار شاعر ہیں ۔ میں نے ان کی تصانیف کو ہمیشہ دلچسپی سے پڑھا ہے ۔ اس خدا داد قابلیت کے علاوہ لکھنؤ کے ایک معزز خاندان سے ہیں ، جو اثر و رسوخ کے ساتھ لٹریری شہرت بھی رکھتا ہے ۔ مجھے امید ہے کہ سرکار ان کے حال پر نظر عنایت فرمائیں گے اور اگر ان کو کسی امر میں سرکارِ عالی کے مشورے کی ضرورت ہوگی تو اس سے دریغ نہ فرمائیں گے ۔

سرکار والا کی شرفا پروری کے اعتماد پر اس درخواست کی جرأت کی گئی ہے ۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا ۔

مفصل عریضہ انشاء اللہ پھر لکھوں گا ۔

مخلص محمدؐ اقبال ، لاہور

(۹۷)

لاہور ، ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ع

سرکار والا تبار ! تسلیم

خوبصورت کرسمس کارڈ مرسلہ سرکار والا ابھی ملا ہے ، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں ۔ اگر مکتوب نصف ملاقات ہے تو فوٹو بھی نصف زیارت کہلانے کا حق رکھتا ہے ۔

الحمد للہ کہ سرکار والا کی زیارت ہوئی اور صاحب زادوں کی بھی ۔ خدائے تعالیٰ ان کو دیرگاہ سلامت رکھے اور سرکار والا کی

آرزو برلائے ۔ ایک مدت ہوئی سلسلۂ خط و کتابت سے محروم ہوں ۔ اس عرصے میں بہت سے آلام و مصائب کا شکار رہا ۔ بیوی کا انتقال ہوگیا ، جس سے اب تک قلب پریشان ہے ۔

دوسری بیوی کے ہاں خدا کے فضل و کرم سے لڑکا ہوا ، جس سے کسی قدر تلافی ہوئی ۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے ۔ خوشی ہو یا غم ، سب کچھ اسی کی طرف سے ہے اور :

ہر چہ از دوست می رسد نیکوست

بچے کا نام جاوید رکھا گیا ہے ۔

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ سرکار والا معہ جملہ متعلقین و متوسلین خدا کے فضل و کرم سے بہمہ وجوہ مع الخیر ہیں ۔ حیدرآباد کی وزارت کے متعلق طرح طرح کی افواہیں اخبار پنجاب میں شائع ہوتی رہتی ہیں ۔ پھر جلد ہی ان کی تردید بھی ہو جایا کرتی ہے ۔ آخری افواہ میاں سر محمد شفیع صاحب کے متعلق تھی مگر دو چار روز ہوئے کہ اس کی زور سے تردید ہوگئی ۔

وہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو کر ۲۴ کو لاہور پہنچنے والے ہیں ۔ یہاں اُن کا زور و شور سے استقبال ہوگا ۔ سنا گیا ہے کہ وہ لاہور ہائی کورٹ میں پھر اپنا بیرسٹری کا کام شروع کریں گے ۔ سر علی امام صاحب کی مساعی کا نتیجہ افسوس ہے حسبِ دلخواہ برآمد نہ ہوا ۔ سرکار کو یاد ہوگا جو کچھ میں نے بہت مدت ہوئی خدمتِ عالی میں عرض کیا تھا ۔ معلوم نہیں اب اعلیٰ حضرت کیا طریق اختیار کریں گے ۔ بعد اس ناکامی کے عجیب عجیب خبریں اڑائی گئیں ۔ دنیا بھی خوب ہے ۔ کوئی شخص اپنی تدبیر کی ناکامی ماننے کو تیار نہیں ۔ خدا کا علم سب پر غالب ہے ۔

واللہ غالب علیٰ امرہٖ ولاکن اکثر الناس لایعلمون
زیادہ کیا عرض کروں ، سوائے اس کے کہ شاد آباد رہے ۔

مخلص محمدؐ اقبال

(۹۸)

لاہور ، ۴ جنوری ۲۵ء

سرکار والا تبار ! تسلیم مع التعظیم

والا نامہ ابھی ملا ہے ، جس کے لیے اقبال سراپا سپاس ہے اور سالِ نو کی مبارک باد خدمتِ عالی میں عرض کرتا ہے ۔ سرکارِ عالی نے مرورِ زمانہ کا نقشہ خوب کھینچا ۔ گویا الفاظ میں اس کیفیت کی تصویر اتار دی ، جس کی تصویر سے رنگ و قرطاس عاجز ہیں ۔

اس سے پہلے بھی ایک والا نامہ ملا تھا ۔ اس کی تعمیل میں ''بانگِ درا'' کا نسخہ ارسال خدمت کر دیا گیا ہے ۔

وزارتِ حیدرآباد کے لیے اب تک بھی افواہ ہے کہ سر محمد شفیع حضور نظام سے خط و کتابت کر رہے ہیں ۔ و اللہ اعلم بالصواب ۔ فی الحال انھوں نے یہاں بیرسٹری کا کام شروع کر دیا ہے ۔ مگر سرکار نے خوب فرمایا کہ جو ہوا ہوگیا ، جو ہونے والا ہے ہو رہے گا ۔ اکبر مرحوم کا یہ شعر یاد آ گیا ۔ کیا خوب فرماتے ہیں :

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خدا کر ، جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

شاد کی زیارت سامانِ مسرت و انبساط ہے ۔ دیکھیے یہ سامان دور افتادہ اقبال کو کب میسر آتا ہے ۔ امید کہ سرکار عالی کا

مزاج بخیر ہوگا اور جملہ صاحبزادگان مع متوسلین مع الخیر ہوں گے۔

مخلص محمدؐ اقبال

(۹۹)

لاہور، ۲۸ دسمبر ۲۶ع

سرکار والا تبار!

خوبصورت کرسمس کارڈ [کے لیے] جس سے سرکار کی ملاقات بھی ہر سال ہو جاتی ہے، اقبال سراپا سپاس ہے۔ مبارک باد کا تار تو بھیجا تھا مگر مفصل عریضہ لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ اس کی وجہ یہ کہ اب کے میں خود بھی اہلِ لاہور کے اصرار سے پنجاب کونسل کے الیکشن میں گرفتار تھا۔ الحمد للہ کہ تین ہزار کی مجارٹی سے کامیاب ہوا اور فرصت پا کر یہ عریضہ سرکار والا کی خدمت میں لکھ رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے سرکار والا کا تقرر حیدرآباد کے لیے بے انتہا برکات کا باعث ہوگا۔ بلکہ میں تو اس بات کا امیدوار ہوں کہ سرکار کا وجود باوجود ان تمام مشکلات کے ازالے کا باعث ہوگا جو اس وقت ہندوستانی رؤسا کو درپیش ہیں۔ اگر سرکار کے اثر و رسوخ کی وجہ سے چیمبر آف پرنسس ہندوستانی رؤسا اور سرکار انگریزی کے تعلقات کے مسئلے کو اپنا سوال بنا لے تو حیرت انگیز نتائج پیدا ہونے کی توقع ہے۔ رائل کمیشن ہندوستان میں عنقریب آنے والی ہے۔ اس مسئلے کی چھان بین کے لیے بین الاقوامی قانون جاننے والوں کی ایک جماعت تیار کرنی چاہیے جو کمیشن کے سامنے شہادت دینے والوں کو اس مسئلے کے مالہٗ و ماعلیہ میں پورے طور پر تیار کرے۔ اگر اس مسئلے میں اقبال کی ضرورت ہو تو

وہ بھی اپنی بساط کے مطابق حاضر ہے ۔ انشاء اللہ سرکار والا اسے خدمت میں قاصر نہ پائیں گے ۔ مگر یہ مسئلہ نہایت ضروری ہے ۔ اس کی طرف فوری توجہ ہونی چاہیے ۔ اس کے حل کا طریق بھی یہی ہے جو میں نے اوپر عرض کیا ۔ برار کے متعلق جو طریق اختیار کیا گیا تھا میری رائے ناقص میں صحیح نہ تھا ۔ انشاء اللہ ملاقات ہوگی تو مفصل عرض کروں گا ۔ امید کہ حضور والا مع متعلقین و متوسلین مع الخیر ہوں گے ۔

نیازمندِ دیرینہ اقبال

خطوطِ شاد

(۱)

۱۰- اکتوبر ۱۶ء

مائی ڈیر اقبال!

آپ کا خط مورخہ یکم اکتوبر ۱۶ء مجھے[1] ملا - "اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی" - جواب میں دس روز کا عرصہ ہوا جس کا سبب میرے چھوٹے علاق بھائی راجہ گوبند پرشاد کا انتقال تھا - آنجہانی کی عمر ۲۶ سال کی تھی - ہائے : ع

ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

متوفی کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی - میرا ارادہ تھا کہ ماہ ربیع الاول میں اس کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں ، مگر افسوس کہ چار مہینے قبل ہی وہ عروسِ اجل سے ہمکنار ہو گیا اور عزیزوں کو داغ دائمی جدائی کا دے گیا - مرحوم نہایت منکسرالمزاج ، ملنسار اور نیک طبیعت تھا -

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

عبرت ہوتی ہے جب ہم انسانی زندگی میں قضا و قدر کے احکام کے نتیجے پر نظر ڈالتے ہیں - جس وقت یہ یاد آ جاتا ہے کہ انسان زمین پر چلتا پھرتا ہے کل زمین کے نیچے ہوگا تو پاؤں کے نیچے سے مٹی نکل جاتی ہے - صرف یہی نہیں ہے کہ مرنے والا مٹی کے ایک

۱- اقبال - خط نمبر ۴۷ -

بھاری بوجھ کے نیچے دبا پڑا ہو گا ، بلکہ فنا اس کو اس ہیبت ناک مقام میں لے جا کر کھڑا کرتی ہے جہاں کوئی آگے ہو گا نہ پیچھے ، نہ کوئی دوست ہوگا جس کے آگے اپنا دردِ دل ظاہر کرے - نہ کوئی مونس ہوگا جو اس کا حال دیکھ کر دو آنسو بہائے - حقیقت میں موت قضا و قدر کا بنایا ہوا قدیمی فریمیسن ہوس کچھ ایسا طلسمی مکان ہے ، جس کا راز آج تک نہ ظاہر ہوا - یہ وہ راز ہے جس کے معلوم کرنے کی ہوس ہر دل میں موجود ہے مگر بے نتیجہ - زیادہ غور کیا تو حاکمِ قضا و قدر کے اسلامی دستور العمل کا یہ ایک فقرہ پڑھ لیا - کل من علیھا فان و یبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام - یہی فقرہ وجہِ تسلیِ دل ہو جاتا ہے - اللہ بس باقی ہوس -

آپ کی نظم ''اقلیمِ خاموشاں'' کے دیکھنے کا مجھے بے چینی کے ساتھ انتظار رہے گا - مگر مجھے امید ہے کہ ''اقلیمِ خاموشاں'' اسم بامسمیٰ ہوگا - ایسا نہ ہو اقلیمِ حشر ہو جائے اور دار و گیر کی صدائیں ہر طرف سے گونج کر مہرِ خموشی کو توڑ دیں -

یہاں کے حالات بدستور ہیں - کل یوم بدتر - خاموش ہوں -

خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید

تعلیوں پہ ہر اک کی خموش رہتا ہے
مجالِ بحث نہیں ، فرصتِ جواب نہیں

آج کل طبیعت بہت گھبرا رہی ہے - جی چاہتا ہے کہ کچھ روزوں باہر ہی رہ کر مناظرِ قدرت سے دل بہلاؤں - مگر یہاں بھی چُپ ہو جانا پڑتا ہے - خدا اس . . . . . پاسبانی سے نجات دے کر آزاد کر دے - حیران ہوں کہ بے کار رکھا جاتا ہوں ، بے کار سمجھا جاتا ہوں تو پھر کیوں آزادی نہیں ملتی . . . . -

رہی نہ طاقتِ پرواز اور اگر ہے بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

فقیر شاد

(۲)

۱۱ نومبر ۱۶ء

مائی ڈیر اقبال!

آپ کے خط رقمزدہ ۳۱۔ اکتوبر ۱۶ء[1] کا آج ۱۱ نومبر کو جواب لکھ رہا ہوں، مگر سوچ رہا ہوں کہ کیا لکھوں۔ زمانے کی نیرنگیوں کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور انگشت بدنداں ہوں۔ کبھی اپنی پابندیوں پر نظر ڈالتا ہوں مگر آزادی کا نگراں ہوں۔ احباب کی حالت کا اندازہ کر رہا ہوں اور حیراں ہوں۔ اعدا کی سینہ زوریوں کو دیکھ رہا ہوں مگر خاموش ہوں۔

بسکہ لذت دوستم یک لختِ دل
بر متاع صد نمکداں می زنم

موجودہ زمانے پر کچھ منحصر نہیں۔ ہمیشہ سے یہ ایک استمراری قانون چلا آ رہا ہے کہ اس عالم میں انسان کے اقتدارات جس قدر زیادہ وسیع ہیں اس کی ذمہ داریاں بھی اسی قدر زیادہ ہیں۔ یہ جس قدر زیادہ مقتدر ہے اسی قدر زیادہ محتاج ہے۔ جس قدر زیادہ دانشمند ہے اسی قدر زیادہ اسے رہنمائی کی حاجت ہے۔ ایک حیثیت سے جس قدر زیادہ قوی ہے دوسری حیثیت سے اسی قدر زیادہ ضعیف ہے۔ جس قدر ترقی

۱۔ اقبال۔ خط نمبر ۴۸۔

اور بلندی کی طرف پرواز کر سکتا ہے ، اتنا ہی پستی کی طرف تنزل کر سکتا ہے ۔ اور وہ چیز جو اس کو بلندی و ہدایت کی طرف ابھارتی ہے یا پستی و ضلالت کی طرف دھکیلتی ہے اس کی معلومات ، اس کا دل ، اس کے اختیارات ، اس کی خواہش اور اس کا ارادہ ہے ۔ جب میں اپنے پچھلے زمانے پر نظر ڈال کر اس زمانے سے موازنہ کرتا ہوں تو میں موجودہ حالت کو اس راہ رو کی حالت کی ایک مثال پاتا ہوں جس کا گزر ایسے پل پر ہو جس کے دو طرفہ ذخار سمندر موجزن ہوں اور پل کی راہ اس قدر دشوار گزار ہو کہ اگر وہ اپنی ہوشیاری اور مستقل مزاجی سے قدم نہ اٹھائے تو گر کر ڈوب جائے ۔

اگرچہ آزادی کا دلدادہ ہوں لیکن پابندی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں ۔ بایں ہمیں صرف اپنی ہی کوشش ، اپنی ہی سعی ، اپنی ہی غرض سے ، اپنے اعلیٰ مقصد (آزادی ، خویشتن داری) کے حاصل کرنے کی خواہش کو اپنے دل میں مستقل طور پر جگہ دے سکتا ہوں اور دے رہا ہوں ۔ مگر کیا کروں ، جہاں اختیار ہے وہاں مجبوری بھی ہے ۔ 'آناں کہ غنی تراند محتاج تراند' ۔

آج کل میری یہ کوشش ہے ، خدا مجھے اس میں کامیاب کرے ، کہ سفر کروں اور اپنے کعبۂ مقصود کا طواف ، یعنی بارگاہِ حضرتِ خواجہ پر پہونچ کر اپنی امیدوں کے چراغ روشن کروں ۔ اس شہر کی آب و ہوا میں آج کل طاعونی رداءت کی شکایت بھی بستی جا رہی ہے ۔ خدا محفوظ رکھے ۔ اگر اجمیر آنا ہوا تو آپ سے ملاقات ضرور کروں گا ۔ اگرچہ میں خود لاہور آؤں یا آپ کو اجمیر بلاؤں ۔ آپ کے اس فقرے پر کہ ''صبح چار بجے کبھی تین بجے اٹھتا ہوں ۔ پھر اس کے بعد نہیں سوتا ۔ سوائے اس کے کہ مصلے پر

کبھی اونگھ جاؤں" مجھے ہنسی آئی - پیارے اقبال ! تم تو ۸ - ۹ بجے سے چار بجے یعنی سات آٹھ گھنٹے سوتے بھی ہو ، مصلّے پر بیٹھ کر اونگھ بھی جاتے ہو - یہاں بقول غالب مرحوم :

دُکھ جی کے پسند ہو گیا ہے غالب
دل رُک رُک کے بند ہو گیا ہے غالب
واللہ شب کو نیند آتی ہی نہیں
سونا سوگند ہو گیا ہے غالب

خواب میں بھی نیند نہیں آتی : ع

جب سے لگی ہے آنکھ ترستی ہے خواب کو

"اقلیمِ خاموشاں" کا منتظر ہوں - ابھی مجھے سرکار علامہ شیخ عبدالعلی طہرانی سے آپ کے خط میں ملاقات کرنا باقی ہے - میں اُن کا غائبانہ مشتاقِ ملاقات ہوں - مجھے علم نہیں ، نہ یاد ہے کہ حیدرآباد میں یہ کبھی آئے ہوں - میری طرف سے سلامِ شوقِ ملاقات - مزاج پرسی کیجیے اور کہیے کہ "علمِ جفر کے مبارک احکام کے اثر سے مجھے بھی کچھ تسلی بخش حصہ ملنا چاہیے" -

فقیر شاد

(۳)

۴ دسمبر ۱۶ء

مائی ڈیر اقبال !

۱۴ نومبر ۱۶ء کو ایک خط حیدرآباد سے روانہ کر چکا ہوں ، پہونچا ہوگا - آج کل حیدرآباد کی آب و ہوا میں رداءت ہے - پلیگ

کی کسی قدر شکایت ہے ۔ ہمارے حضور پر نور تبدیل آب و ہوا فرمانے بمبئی تشریف لائے ۔ مجھے بھی حکم ہوا کہ تبدیلِ آب و ہوا کیجیے ۔ میں بھی مع محلات و اسٹاف بمبئی آیا ہوا ہوں ۔ اب کہہ نہیں سکتا کہ واپسی کا حکم ہوتا ہے یا سفر کا ۔ اگر سفر کا حکم ہوا تو ضرور یہاں سے اپنے کعبۂ مقصود (اجمیر شریف) آؤں گا ۔ واپسی کا حکم ہوا تو بمصداق حکمِ حاکم واپس جانا ہوگا : ع

می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

آج کل طبیعت کُند اور دل مضمحل رہتا ہے ۔ تداخلِ فصاین کے علاوہ کچھ افکار ایسے لاحق ہوگئے ہیں جو شگفتگی کی راہ میں سدِّ سکندری کا کام دے رہے ہیں ۔ میں خدا سے امید کرتا ہوں کہ آپ بخیر و عافیت ہوں ۔ کیا اب بھی لاہور نہ بلاؤ گے ؟ غضب خدا کا ، ہائے وہ اثر کسی میں نہ رہا ۔

فقیر شاد

(۴)

۰۰ دسمبر ۱۹۱۶ع

مائی ڈیر اقبال !

آپ کا خط مرقومہ ۶ دسمبر ۱۶ع[1] وصول ہوا ۔ شاد کردی شاد را تو شاد باش ۔ ۳ صفر کو ۹ بجے کے بعد بوری بندر اسٹیشن پر پہنچا ۔ مکان کا بندوبست نہ ہونے سے ۲۴ گھنٹے اپنے ڈبوں میں بسر کی ۔ آخر ایک چھوٹا سا بنگلہ وارڈن روڈ پر ملا جو میری اتنی بڑی

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۵۰ ۔

فیاملی اور اسٹاف کے لیے تو کیا ، معمولی سے معمولی فیاملی والے کی بسر اوقات کے لیے کافی نہ ہو سکتا تھا - ایک ہفتے کی ذاتی تگ و دو کے بعد دوسرا بنگلہ ، جس میں اب ہوں ، دستیاب ہوا - یہ بنگلہ اگرچہ وسیع ہے مگر کثیف مقام پر واقع ہے - خیر این ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر - افسوس تو یہ ہے کہ بمبئی آنے کی جو غرض ہے وہ بھی مفقود ، یعنی دریا کے منظر سے اس قدر فاصلے پر ہے کہ اس کے جوش و خروش ، جزر و مد کی سیر تو کجا آواز بھی کان تک نہیں آتی - البتہ تمام دن کرینوں کی دماغ پریشان کن آوازیں اور دھوئیں کی کالی کالی امڈتی ہوئی گھٹائیں اور رات بھر پرندوں کی وحشت خیز صدائیں صم'' بکم'' عمی'' فھم لا یرجعون کی تفسیر سنا کر ہوش اڑاتی رہتی ہیں - کاش میں اس کا مصداق ہوتا :

کسانیکہ ایزد پرستی کنند
بہ آوازِ دولاب مستی کنند

تو اس دل سوز و جاں گداز منظر سے بھی لطف حاصل کرتا - کجا بود مرکب کجا تاختم -

یہ تو میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں کہ جس طرح یہاں کا آنا غیر اختیاری ہے ، اسی طرح قیام اور نقل مقام بھی - خدا معلوم یہاں کب تک رہنا اور پھر کہاں جانا ہوتا ہے :

می برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

دربارِ پیرِ سنجر کی زیارت اگر میرے امکان میں ہو تو خدا شاہد کہ جس طرح دل ہر وقت اس کے نظارے سے مسرور رہتا ہے اسی طرح آنکھیں بھی پُر نور رہیں - خدا کرے کہ یہ چشتی فقیر اپنی اس سچی اور بے تصنّع آرزو میں کامیابی حاصل کر کے لسان الغیب کے

شعر کا مصداق بن جائے :

من اگر کام روا گشتم و خوش دل چہ عجب
مستحق بودم و اینہا بہ زکاتم دادند

اگرچہ میں جس قدر مختار ہوں اس سے زیادہ مجبور - جس قدر آزاد ہوں اس سے زیادہ پابند - جس قدر بلند ہوں اس سے زیادہ پست - مگر الحمد للہ کہ فقیر منش سپاہی زادہ ہوں - مصیبت کا مقابلہ کرنا میرا حقیقی جوہر - ہمت کا نہ ہارنا میرا اصلی دھرم - "السعی منی و الاتمام من اللہ" میرا مہتم بالشان ارادہ - اگر ہمتِ مرداں مددِ خدا صحیح ہے (اور نہیں ! نہیں ! بالکل صحیح ہے) تو انشاء اللہ وہ دن بھی قریب آنے والا ہے کہ جس مقام پر میرا پیارا اقبال تخیلات کی ہوا پر اڑ کر پہنچا تھا ، اور فضائے آسمانی سے ایک دلکش آواز سنی تھی ، وہیں اور بالکل وہیں ، اسی عالمِ تعینات کے مقید ہوتے یعنی کالبدِ ظاہری کے ساتھ پہنچ کر چشمِ سر سے اس سر بفلک کشیدہ نوبت خانے کو دیکھتا ہوا (جس کی عالم فریب صداؤں نے عالمِ ملکوت میں اپنا ڈنکا بجا رکھا ہے) اقبال کی خیالی تصویر پیشِ نظر رکھ کر یہی کہتا ہوا نظر آؤں گا :

فرشتوں نے کانوں سے جس کو سنا تھا
ہم آنکھوں سے وہ زیر و بم دیکھتے ہیں

اور کیا عجب ہے کہ عالمِ ممکنات میں ایسا موقع بھی ملنا ممکن ہو کہ اسی کالبدِ ظاہری کے ساتھ آپ سے ملوں اور دونوں کی زبان پر یہ شعر ہو :

چہ خوش است با دو یکدل سرِ حرف باز کردن
سخنِ گزشتہ گفتن ، گلہ را دراز کردن

انشاء اللہ القوی بقول آپ کے ''امید کیفیت مستقل اور ناامیدی عارضی ہے'' - آرزو شرط ہے ، جس اثر کو دیدۂ دل ڈھونڈ رہے ہیں وہ بھی مل ہی جائے گا - یہ مثل سچ ہے کہ ڈھونڈنے سے خدا ملتا ہے - شاد اور غم و اضمحلال سے ناشاد - بار الٰہا بچناں مباد - بحق النبی ؐ و آلہ الامجاد -

زیر و بم کی صراحت آپ خود کر سکتے ہیں - جس شخص نے مولانا روم کے حسبِ ایما مثنوی لکھی ہو وہ زیر و بم کے راز درون و بروں سے اگر واقف نہ ہو اور شاد جیسے طفلِ مکتب سے اس کا حل و عقد چاہے ؟ بخدا ''جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی'' - میں اقبال سے ملے تک کچھ کہنا نہیں چاہتا - بمبئی میں ابھی ۲۱ دسمبر تک انشاء اللہ ہوں - حیدرآباد میں طاعون نے ڈیرا ڈالا ہے - اس لیے مع اپنی کل فیملی کے حسبِ ایمائے تاجدار دکن یہاں آیا ہوں - اتفاق سے میری دوسری لڑکی ، خورشید علی کی بیوی ، حاملہ ہے - وضع حمل کے دن قریب ہیں - اگر اس عرصے میں زچگی ہو جائے تو شاید ۲۱ دسمبر کو جانا نہ ہو سکے گا - بلکہ جنوری میں جاؤں گا - مگر خدا ایسا کرے کہ پیر چشتی کی زیارت کر کے حیدرآباد جاؤں - میرا خواجہ بلا لے - نہیں اب تو تابِ انتظار نہیں - ہائے اجمیر ! ہمیشہ کہتا ہوں - اس کے ساتھ وائے لاہور بھی اضافہ ہوگیا ہے - خدا درشن کرائے اور سب سے ملائے -

فقیر شاد

(۵)

۲۱ دسمبر ۱۶ء

میرے پیارے اقبال!

خدا تمھیں دل شاد و سلامت رکھے - بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جس وقت اقبال کا خط دیکھتا ہوں ، باچھیں کھل جاتی ہیں اور دل نہایت شادان اور مسرور ہو جاتا ہے - اللہ کے واسطے محبت ہے - نہ کوئی غرض ہے دنیوی نہ دین سے سوال - حالانکہ اس قسم کا ارتباط اور بھی ایک دو سے ہے مگر آپ سے کیوں اس قدر خلوص ہے ، اس کا علم بھی اس عالم الغیب کو ہے - خیر بھئی ، یہاں تو کسی طرح انشاء اللہ کبھی نہ کبھی مل ہی لیں گے - مگر اس عالم میں کس طرح ملاپ ہوگا ، واللہ اعلم - آپ تو جنّت میں مزے اڑاتے رہیں گے - ہم گنہگار اپنی بیتی کی زنجیروں میں ، خدا نہ کرے ، جکڑے ہوئے ہوں گے یا کیا ؟ خیر جب تک زندہ ہیں خدا اتنا تو نہ ترسائے ملاقات سے جیسا کہ اب کی بار ترس گیا - واللہ چار برس سے لاہور اور اقبال کے لیے دعائیں کر کرکے تھک گیا ، مگر وائے نصیب کہ دعاء مستجاب نہ ہوئی - نہ لاہور ہی پہنچے نہ اقبال کو دیکھے - کیا کروں ، بمبئی آکر پھنس گیا ہوں - اعلیٰ حضرت ایک مہینہ رہ کر ورنگل تشریف لے گئے - بندہ کو بھی ہمرکاب رہنے کا حکم ہوا - مگر بد نصیبی سے میرا چھوٹا لڑکا خواجہ سلیم اللہ اور نواسہ خورشید میاں کا فرزند معین اللہ دونوں ملیریس فیور سے سخت علیل ہوگئے - اب تک علالت کا سلسلہ باقی ہے - اس وجہ سے بمبئی میں پڑا ہوا ہوں - انشاء اللہ ذرا ان کو افاقہ ہوتے ہی روانہ ہوتا ہوں - مگر افسوس اس کا کہ اتنی دور آکر نہ پیر سنجر

کی زیارت نصیب ہوئی نہ اقبال کے درشن - اس سے معلوم ہوا کہ شاد کا اقبال یاور نہیں - خیر مرضی اس مالک کی - مالک یوم الدین کیا کہتے ہیں - کیا اب اس دنیا کے جھگڑوں سے آزادی خدا سے نہ مانگے - اول کے فقراء تو جو اپنے مالک سے مانگتے تھے مل جاتا تھا - سنا کہ گدا کے واسطے بادشاہی کے لیے دعاء کی ، وہیں سامان خدا نے فراہم کر دیے — اور اب امیری سے فقیر ہونا چاہتا ہوں تو کوئی دعا نہیں کرتا - کیا الٹی گنگا بہی جاتی ہے - جل جلالہ' -

میرے پیارے اقبال خدا کے واسطے لاہور بلاؤ - اگر یہ ممکن نہ ہو تو خیر درشن ہی دو - بہت ترس گیا - بھیا ! پلیگ نے تو حیدر آباد کو تباہ کر دیا - وائے اب وہ عروس البلاد کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ اس کا حقیقی نوشہ نہ رہا - یوں تو خیر معشوقِ ہزار دوست اس کو کہیں تو بجا ہے کہ ریاستیں روز ایک نئے دولھا کو ڈھونڈ لیتی ہیں -

چہار شنبہ تک ابھی بندہ بمبئی میں مقیم ہے - آیندہ مرضی خدا کی -

ذوالمنن کے عدد خوب ملائے - بھئی اقبال جب کہ آپ اپنے کو شرمندۂ عقبیٰ کہتے ہو تو میں اپنے کو کیا کہوں - شرمندۂ دنیا و عقبیٰ کہنا بے جا نہ ہوگا - اللہ آپ کے ساتھ ہے - آپ چھپے رستم ہو - خدا خوش رکھے ، سلامت رکھے - میرے لیے دعائے خیر کرو کہ جلد فرائض سے اولاد کے چھٹکارا ہو کر آزادی کا جامہ پہن لوں -

آپ کے لاہور کے . . . علی شاہ آج کل بمبئی میں مقیم ہیں - اگرچہ یہ حیدر آباد میں بھی آئے تھے مگر وہاں ملنے کا اتفاق نہیں

ہوا تھا - سفر سے واپس ہوکر دوچار روز ہوئے تھے کہ وہاں سے روانہ باشد ہو گئے - یہاں میر خورشید علی میرے داماد نے مجبور کیا کہ ان سے ملوں - چلا گیا - واہ رے اخلاق اور مہانداری کہ کیوں آئے کدھر آئے کچھ بھی نہ پوچھا - چائے کی ایک پیالی پیش کرکے کفر و اسلام کا ذکر چھیڑا - روئے سخن بندے کی طرف اور ہر بات میں مجھے ٹوکنا اور متوجہ کرنا شروع کیا - میں بھی خموشی سے سنتا گیا - آخر میں یہ کہا کہ اگر کوئی اپنے کو موحّد کہے اور صرف لا الٰہ الا اللہ کہے وہ کافر ہے ، اور جو کوئی صرف محمد الرسول اللہ کہے وہ بھی کافر - میں نے سب سن کر کہا کہ مولٰی صرف لا الہ الا اللہ کہنے والے کے کافر ہونے کی آج ہی میں نے سنی اور جو موحّد ہوتا ہے وہ رسالت سے انکار کرتا ہے یہ بھی آج ہی سنا - میری دانست میں رسالت اور وحدت حقیقت میں ایک ہی رنگ ہے - تفریق فہم اور مراتب کے تعین کے باعث ہے ، ورنہ اللہ کا نام باقی جو ہے وہ ہے - اس پر تو اور بھی بگڑے اچھلے - بندہ تو اس کے بعد زیادہ بیٹھنا نا مناسب خیال کرکے واپس ہوا -

ہائے افسوس ! یہ وردی والے جو صبغۃ اللہ کہلاتے ہیں ، اپنے رنگ سے کیوں بے رنگ ہو جاتے ہیں -

اخلاق کا نام نہیں - مہمان نوازی بھی نہیں آتی - سمجھے ہوئے ہیں کہ دنیا میں بس یہی ایک ہیں - سب انھی کے ہو جائیں - توبہ توبہ ! ایں خیال ست و محال ست و جنوں - خدا جانے یہ لوگ میرے لیے کیوں اتنے ساعی ہوتے ہیں اور ان درویش صورت مُلّا سیرتوں کو مجھ سے کیوں بغض للہ ہے - کجا بود مرکب کجا

تاختم ۔ خط کیا ہے ، شیطان کی آنت ہوگئی ۔ معاف کیجیے اور ملیے ملائیے ۔ سادھو یہی جگ درشن کا میلا ہے ۔

فقیر شاد

(۶)

۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (۲۴ جنوری ۱۹۱۷ء)

ڈیر اقبال !

وحشت زدہ ہوں بوئے گلِ تر سے زیادہ
مشکل سے ٹھہرتا کہیں دم بھر سے زیادہ

آپ کا خط مرسلہ ۵ جنوری[1] کا جواب آج لکھ رہا ہوں ۔ لیکن نہ اس میں بے اعتنائی ہے نہ تساہل ۔ اگر ان اٹھارہ روز کی ڈایری لکھوں (جو انشاء اللہ کتابی صورت میں پبلک کے روبرو پیش ہونے والی ہے) تو شاید اٹھارہ ورق میں بھی پوری نہ ہو ۔ اور ماحصل صرف اتنا ہو کہ جانبین کا عزیز اور قابلِ قدر وقت زوایدات کی نظر ہو جائے ۔

مختصر یہ کہ ۵ جنوری وہی تاریخ تھی جس کو میں بعزم ورنگل پیر ابراہیم صاحب قبلہ کے بنگلے سے رخصت ہو کر بوری بندر اسٹیشن پر آیا اور وہاں سے دوسرے روز ڈھونڈ پہنچ کر ، بندگان عالی کا فرمان بذریعہ ٹیلیگراف صادر ہونے کے باعث کچھ دیر کے لیے تو وہیں ڈیرا ڈانڈا ڈال دیا اور جابجا تار دلوائے ۔ ساری رات اسی آدھیڑ بن میں بسر ہوئی ۔ آخر کار دوسرے دن منماڑ ، اورنگ آباد ہوتا ہوا اپنی جاگیر پرتور پہنچا ۔ مگر "بہر زمین کہ رسیدیم آسمان

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۵۲ ۔

پیداست“ وہاں کی بھی آب و ہوا صاف نہ تھی - تاہم قہر درویش بجان درویش دو چار روز مصیبتیں جھیلتا اور ثابت قدمی سے مصائب کا سامنا کرتا ہوا وہیں ریل کے ڈبوں میں پڑا رہا - اور نظر بخدا ان مع العسر یسرا کا امیدوار تھا کہ ۱۱ جنوری کو میرے خداوند مجازی نے پھر بذریعہ ٹیلیگراف یاد فرمایا - ۱۱ کو وہاں سے چل کر ایک شب پربھنی میں قیام کرتا ہوا ۱۴ کی شب کو بارہ بجے اسٹیشن قاضی پیٹ پر جہاں شاہی کیمپ ہے پہنچا - اور ۱۵ کو دس بجے اس بنگلے میں جو بہ تعمیل فرمان خداوندی صوبہ دار صاحب ورنگل نے میرے لیے مقرر کیا تھا، اتر پڑا - اب تک وہیں ہوں - مگر بندگان عالی کی سواری پھر کل نہضت فرمائے بمبئی ہونے والی ہے - میں نے بھی انتظام مکان کے لیے بمبئی کو متعدد تار اور ایک آدمی روانہ کر دیا ہے - شنبہ کو پھر یہاں سے رجعت قہقری کا ارادہ ہے - یہاں ۷ جنوری کو میرے داماد میر خورشید علی خاں کے لڑکا تولد ہوا جس کی اطلاع منماڑ پر ملی تھی - اور ۱۷ جنوری کو میری چوتھی بیوی کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی - انشاء اللہ مع الخیر بمبئی پہنچ کر اپنی خیریت سے مطلع کروں گا -

یہاں تک تو اس شعر کی تشریح تھی جو عنوان پر لکھ چکا ہوں - اب آپ کے خط کا جواب لکھتا ہوں -

ڈیر اقبال ! آئینۂ دل گرد غرض سے پاک ہے - اگر اس غرض سے مراد محض طمع نفسانی اور حوائج دنیاوی ہیں تو الحمد للہ بلکہ ثم الحمد للہ ! خدا آپ کی طرح مجھے اور سب احباب کو نصیب کرے اور اہل الغرض مجنون کا مصداق نہ بنائے - اور اگر لفظ غرض عام ہے تو میرے خیال میں تمام دنیا، کیا تارکان دنیا، بھی اس سے محفوظ و

مستغنی نہیں ہو سکتے -

ہاں یہ ضرور ہے کہ اغراض مختلف ہیں - کسی کو دنیا طلبی اور اس کی لذاتِ نفسانی و خواہشاتِ شہوانی سے غرض ہے - کسی کو شرابِ طہور اور جنت کے میووں اور حور و غلمان سے غرض ہے - کسی کو نجات سے ، کسی کو دیدارِ الٰہی سے - غرض یہ سب غرض ہی کے شائبے ہیں - رہا خلوص وہ بھی غرض ہی کا دوسرا نام ہے - یعنی جب ایک دل کو دوسرے دل سے راہ ہے تو باہمی اخلاص کے تعلقات بجائے خود ایک اہم غرض ہیں - اگر یہ کلیہ غلط مان لیا جائے تو ''اذا فات الشرط فات المشروط'' کا مصداق پورا ہو جاتا ہے - بدیں تعبیر کہ جب ایک دل کو دوسرے دل سے غرض ہی نہیں تو خلوص و اخلاص چہ معنی دارد -

مجھے کیا غرض ہے کہ پیارے اقبال کو یاد کروں اور علیٰ ہذا آپ کو کیا غرض کہ میری خاطر لاہور سے حیدر آباد آنے کی زحمت گوارا کریں اور استخارہ دیکھیں - استخارہ فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے لیکن اُن کے لیے جو آزادانہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں ، ورنہ بسا اوقات بلائے جان ہو جاتا ہے - اور بندۂ درگاہ تو ایسی پرانی دھرانی ، ٹوٹی پھوٹی ، مٹی مٹائی لکیر کے فقیر ہیں کہ درکارِ خیر حاجتِ ہیچ استخارہ نیست - خیر ، اب دعا کیجیے کہ وہ قادرِ مطلق اور ارحم الراحمین ، جامع المتفرقین حیدر آباد کی حالت پر رحم فرما کر بے وطنوں کو وطن میں پہنچائے اور بچھڑے ہوؤں کو باہم دیگر پھر مع الخیر و العافیۃ ملائے - اور آپ بھی حیدر آباد آ کر دور افتادہ شاد کے دلِ ناشاد کو اپنی ملاقات سے شاد کریں - خدا جانے وہ راز کون سے ہیں جن کا اظہار کرنے کے لیے

آپ بیتاب بھی ہیں اور یہ بھی خیال ظاہر کر رہے ہیں کہ ''ممکن ہے کہ میرے حیدر آباد آنے تک وہ راز خود بخود آشکارا ہو جائے اور مجھے افشا کی ضرورت نہ رہے۔''

حافظ ۔ ۔ ۔ علی شاہ صاحب کی موافق یا مخالف شترگربہ شہرت اور عزیزی میر خورشید علی سلمہم کا اصرار میرے لیے مرزا غالب کے شعر کا مصداق بن گیا ۔ میرا فطرتی مادہ یعنی اہلِ فقر کی زیارت اور خدمت کشاں کشاں لے گیا :

لکھنؤ دامِ نشاطے سرِ راہم گسترد
بیخود از ولولۂ شوق پرافشاں رفتم

اس کے بعد کی سرگذشت سے تو پہلے ہی مطلع کر چکا ہوں ۔

یہ سب آپ کی راسخ الاعتقادی ہے اور محبت آمیز خیالات ہیں ورنہ شاد بے پرو بال کہاں اور عنقائے بلند پرواز کہاں ۔ اگر یہی قوت ہوتی تو دھوبی گنبد والے اجمیری پیا کے آستانے سے کیوں اس قدر دور رہتا ، اور اسی روضۂ رشکِ جناں کے ایک ایک طائر سے مخاطب ہو ہو کر بار بار یہ کیوں کہتا :

تو اے کبوترِ بامِ حرم چہ می‌دانی
تپیدنِ دلِ مرغانِ رشتہ در پا را

سالِ گذشتہ دل میں ٹھان لیا تھا کہ انشاء اللہ ہمیشہ خود حاضر ہو کر بسنت چڑھایا کروں گا ۔ مگر افسوس بسنت کی خبر ہی نہ تھی کہ آدھا رستہ طے کرکے یعنی بمبئی تک پہنچ کر بھی دل کی تمنائیں دل ہی میں رہ جائیں گی ۔ کسی نے خوب کہا ہے :

حسرت پہ اس مسافرِ بیکس کی روئیے
جو تک رہا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

خدا آپ کی زبان مبارک کرے کہ یہ شاد ایک ذات کے سوا اور سب سے مستغنی ہو جائے اور اس کی شانِ بے نیازی کا مظہر بن کر سوا ماسوا کے جھگڑوں سے پاک و بے باک نظر آئے۔ آمین ثم آمین! بحق طٰہٰ و یٰسین!

فقیر شاد

(۷)

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (۷ فروری ۱۹۱۷ع)

ڈیر اقبال!

اس سے پہلے ایک خط قاضی پیٹ سے روانہ کیا تھا۔ اب تک جواب کا منتظر ہوں۔ معلوم نہیں کہ "اسرارِ خودی" کا کوئی راز ہے یا بے خودی کا شعبہ کہ اقبال سا صاحبِ خلوص و وفا شعار دوست اتنی مدت تک شاد کو ایک پرچۂ خیریت سے دل‌شاد نہ کرے۔

۱۰ ربیع الثانی کو بہ امتثالِ امر بندگانِ عالی دوبارہ رجعتِ قہقری پر تیار ہو کر ۱۱ کو شام کے وقت اسٹیشن بوری بندر پہنچا۔ اگرچہ گزشتہ مصائب کو پیشِ نظر رکھ کر حفظِ ماتقدم کے خیال سے اب کے مرتبہ دو ہفتے پیشتر ہی سے احبابِ بمبئی کو تاروں کی ڈاک لگا دی تھی، اپنے مہتممِ کارخانہ جات کو بھی بھیج دیا تھا، مگر قسمت میں تو وہی آفتاب پرستی لکھی ہوئی تھی۔ تین شبانہ روز ڈبوں میں رات کو اوس اور دن کو دھوپ کی ٹھنڈی گرمیاں سہتا ہوا پڑا رہا۔ آخر کار ذاتی جستجو اور کوشش سے یہ بنگلہ میسر آیا جس میں اب مقیم ہوں۔ اگرچہ خاطر خواہ آرام تو نہیں مگر

سر چھپانے کو جگہ ہے ۔ سچ تو یہ ہے کہ اس سفر نے چھکے چھڑا دیے کہ آیندہ بھی سفر کے نام سے جی ڈرنے لگا ۔ کاش اتنی آفتیں جھیل کر بھی ایک بار آستانۂ پیر سنجر تک رسائی ہو جاتی تو صبر آتا ، اور ''ان مع العسر یسراً'' پر محمول کرکے دل کو سمجھا لیتا ۔ مگر نہ معلوم کہ اس میں بھی کیا راز اور کیا حکمتِ الٰہی ہے ۔ خدا معلوم کہ اس جلاوطنی کی مدت کب ختم ہوتی ہے اور وطن کی صورت کب نظر آتی ہے ۔ کیا میرے بلدہ پہنچنے کے بعد آپ ضرور آئیں گے اور ہم آپ مل کر اس شعر کا لطف اٹھائیں گے :

چہ خوش است با دو یکدل سرِ حرف باز کردن
سخنِ گزشتہ گفتن ، گلہ را دراز کردن

انشاء اللہ جب یہ موقع ہاتھ آئے گا تو یہ سرگزشت بھی بالمشافہ بیان کروں گا ۔

فقیر شاد

(۸)

۲ مارچ ۱۷ء

ویسٹفلڈ وارڈن روڈ بمبئی

مائی ڈیر اقبال !

شاد باش و شاد زی از فضلِ رب

اے وقتِ تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی ۔ اس[۱] یادفرمائی کا تہِ دل سے ممنون ہوں ۔ مجھ جیسے ناچیز فقیر کو جس طرح

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۵۳ ۔

آپ دل سے چاہتے ہیں خدا کی مہربانی بھی آپ پر دونی رہے ۔ بھئی اقبال سچے دوست کی یہی تعریف ہے کہ ایک ناچیز ہیچ میرز دوست کے ساتھ دوستی نباہ دے ۔ مجھے اب تک اس کا عقدہ نہ کھلا کہ مجھے آپ سے کیوں دلی خلوص ہے ، بجز اس کے کہ آپ ہی کا خلوص اس کا باعث یا عقدہ سمجھوں ۔ مگر افسوس ہے کہ میں اپنے ایسے دوست کی کوئی خدمت نہ کر سکا ۔ نہ اس قابل ہوں ۔ اس سفر میں زیر باری بہت ہوئی ۔ اُمید ایک حبہّ کی نہیں ۔ زر می طلبی سخن درین است ۔ نہ اجمیر کے دربار میں حاضر ہو سکا نہ لاہور ۔ نہ امرتسر میں اپنے احباب سے ملا ، نہ ہردوار کے منظر کے درشن ہوئے ۔ ہائے ! اس قید ِ بے زنجیر کا ستیاناس ہو ۔ انسان دنیوی اغراض کے لیے کس قدر مجبور ہو جاتا ہے اور آزاد ہو کر غلامی قبول کرتا ہے ۔ یا اللہ جس قدر عمر باقی ہے ، اس کو تو ہی آزادی میں بسر کرا دے ۔ اب میں باز آیا ایسی امارت سے ، توبہ توبہ ! بجز اس کے کہ کوئلے کی دلالی میں روسیاہی کی ہی توقع ہر طرح ہو سکتی ہے ۔ سرخ روئی محال ہے ۔ الا من یشاء ۔ شاد میں اگر جاذبہ کی قوت ہوتی تو پھر کیا پوچھتے ۔ مگر شاد تو ہر طرح ناکارہ ہے ۔ کوئی بات بھی حاصل نہ کی ۔ صرف فضل کا امیدوار ہے ۔ اگر خلوص ہے تو خدا کی ذات سے امید ہے کہ اقبال سے حیدرآباد کا اقبال چمک جائے گا ۔ ہوائی جہاز کا منظر بیشک اچھا ہوا ہوگا ، مگر یہ تو کہیے کہ سب کے حواس قائم تھے یا ہوائیوں کے ساتھ ہوا ہو گئے ۔ بہرحال آپ ہر طرح کے تماشے دیکھیے اور ہمیں ترسائیے ۔ ایک غزل تازہ مرسل ِ خدمت ہے ۔ مالک یوم الدین کہاں ہیں ۔ ان کی خدمت میں کہہ دیجیے ''ایاک نعبد و ایاک نستعین ۔''

بڑے ہوشیار ہیں ۔ (نعبد) کے مطلب کو تو قبول کر لیتے ہیں ،

مگر نستعین پر انجان ہو جاتے ہیں ۔ اللہ اُن کو شاد و بامراد رکھے۔

۸ مارچ کو انشاء اللہ تعالٰی بندہ یہاں سے راہیِ حیدرآباد ہوگا۔ مہربان! آپ اپنے بچوں کی تصویریں اور اپنی ایک تصویر ضرور بھیجیے ۔ یوں تو میرے دل میں آپ کی تصویر ہے مگر اپنے احباب کو اگر دکھانا منظور ہو تو کس طرح دکھاؤں کہ یہ اقبالِ شاد نواز ہے ۔ خدا حافظ ۔

فقیر شاد

(۹)

(۱۱ مارچ ۱۹۱۷ع)

ڈیر اقبال!

محبت نامہ ۷ مارچ[1] کا لکھا ہوا آج ۱۱ مارچ کو وصول ہو کر موجبِ ازدیادِ مسرت ہوا ۔ میں اپنی مجبوریوں اور بے اختیاریوں کی نسبت جو اس سفر میں خاص طور پر پیش آ رہی ہیں پیشتر ہی تحریر کر چکا ہوں ۔ یہ بھی اس کا ایک شعبہ تھا کہ کل تک اسپیشل بھی اسٹیشن پر تیار رہی مگر نہ جا سکا ۔

کل صبح کو میرا وقتِ روانگی تک مقرر ہو چکا تھا ۔ فرمانِ خداوندی صادر ہوا کہ مابدولت کی سواری ۱۱ مارچ کو عازمِ بلدہ ہوگی ، تم بھی اپنا ارادہ فسخ کر دو ۔ ۱۰ مارچ کو یہاں سے جانا ۔ مجبوراً تعمیل کرنی پڑی اور اسٹیشن پر اطلاع دے دی ۔ اب خدا کرے کہ یہی فرمان نوشتۂ قسمت کی ٹلنے نہ پائے اور میں یہاں

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۵۸ ۔

سے روانہ ہو کر بلدہ پہنچوں - اگرچہ دل اجمیر سے ہوتے ہوئے لاہور پہنچنے کو چاہتا تھا ، مگر چاہنے والا ہی چاہے تو جب کام نکلے - غزلیاتِ فارسی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے وہ سب آپ کا حسنِ ظن اور وہی دلی خلوص ہے جس کی نسبت آپ خود ہی تحریر کر چکے ہیں - اس میں کوئی شک نہیں کہ :

دل را بدل رہیست دریں گنبدِ سپہر
از سوے کینہ کینہ و از سوے مہر مہر

آپ کے سچے خلوص نے مجھے بھی ایسا گرویدہ بنا رکھا ہے جس کی شہادت آپ ہی کا دل بخوبی ادا کر سکتا ہے - لفظاً اس کا اظہار ظاہر پرستی پر مبنی ہو جانے کا احتمال ہے جس سے شاد اور اقبال دونوں کے دل کوسوں بلکہ منزلوں دور ہیں -

اگرچہ میں بھی جانتا اور مانتا ہوں کہ ان مع العسر یسراً درست اور بالکل درست ہے ، ہرگز قید سے نہیں گھبراتا ، مگر کاش یہی معلوم ہو جائے کہ آخر اس قید کی میعاد کب تک ہے اور جس آزادی کی جستجو میں اتنی عمر گزر گئی وہ کب اور کس طرح ہاتھ آئے گی -

برخوردار کی نسبت جو شادی کے ذریعے سے اس کے ناز کو مبدل بہ نیاز کرنے کا خیال ہے ، میں اس سے کسی قدر مخالف ہوں یعنی اس ناز و نیاز کے جھگڑے میں پھنس کر اصل غرض مفقود ہو جانے کا صرف احتمال ہی نہیں بلکہ متواتر تجربے اس امر کو یقین و عین الیقین تک پہنچا چکے ہیں کہ شادی کے بعد تعلیم اجتماع النقیضین کے معنی رکھتی ہے جو قبیلِ محالات سے ہے - رہی مریدی ، اس کی نسبت آپ خود خیال کر سکتے ہیں کہ یہ لفظ ارادت سے مشتق

ہے - ارادت بالذات ہوتی ہے ، نہ کہ بالصفات - پھر آپ کا اس کو مرید کرا دینا طرفہ خیال ہے - وہ بھی آپ جیسے باریک بیں اور دور اندیش سے -

اگر تھوڑی دیر کے لیے زمانۂ حال کی پیری مریدی مراد لی جائے تو وہاں نہ ناز ہے نہ نیاز - اللہ ہی اللہ ہے - پھر اس کا ماحصل ہی کیا ہو سکتا ہے - بہرحال میری رائے میں یہ دونوں تدابیر اس کو تحصیل و تکمیلِ علم میں مدد نہیں دے سکتیں جو اصل غرض ہے -

میرے نزدیک تو بہتر یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو خارجی تدابیر سے کام لیا جائے اور ترغیب و تحریص سے تعلیم دی جائے - انشاء اللہ تعالیٰ اس کی فطری ذہانت سونے پر سہاگے کا کام دے گی اور بہت جلد تکمیلِ علوم میں کامیابی حاصل کرے گا - اگر حالات ایسے ہوں کہ شادی ضروری ہے تو خدا مبارک کرے ، ہم بھی اس - - - میں شریک ہوں ، ایسا کیجیے - لیکن مریدی کو آیندہ پر اٹھا رکھیے -

مالکِ یوم الدین سے اگر اب کبھی ملاقات ہو جائے تو اتنا ضرور کہیے گا کہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کو شاید دل سے بھی دور کر دیا -

ان نئی مجذوبہ سے ملنے کے بعد ضرور کیفیت مفصل سے اطلاع کیجیے گا - باقی خیریت ہے -

فقیر شاد

(۱۰)

۲۵ مارچ ۱۹۱۷ء/۲۳ جمادی الثانی ۱۳۳۵ھ
ڈیر اقبال !

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ چار ماہ دس یوم کا سفر کل ختم ہوا - دو بجے دن کے گھر کی صورت نظر آئی - اعزہ و احباب جس قدر شہر میں آ چکے ہیں ، ملنے کو آ رہے ہیں - جانبین سے مبارک باد کی دلکش صدائیں گوش زد ہو رہی ہیں - لیکن شادی و غم جہان میں توام ہیں - اس خوش آیند صدا کے ساتھ ہی کسی نہ کسی کی دائمی مفارقت کی بھی دل شکن خبریں ایسی سنی جاتی ہیں جن سے رنج و غم و خوشی کا پلہ برابر ہو جاتا ہے - سچ کہا ہے :

گر نہ ہوں رنج و طرب دہر میں توام پیدا
سازِ مطرب سے نہ ہو نالۂ ماتم پیدا

آپ کا محبت نامہ[1] آج وصول ہو کر موجبِ مسرت ہوا -

ڈیر اقبال ! کیا شاد جو اب تک بہ چشمِ ظاہری اپنے کو دور افتادہ لکھتا ہے ، اس سے زیادہ اور کس بات سے دل شاد ہو سکتا ہے کہ یہ حجابِ مفارقت درمیان سے اٹھ جائے اور ایک شہر میں رہ کر روزانہ نہ سہی ، ہفتے میں دو چار بار تو اقبال سے ملاقات کرتا رہے -

یہ درست ہے کہ لاتتحرک ذرة الا باذن اللہ - ہر حالت میں انسان نتیجے سے مجبور ہے لیکن تدبیر پر مجازاً اور معناً بھی قادر ہے -

---

۱- اقبال - خط نمبر ۵۵ -

میں انشاء اللہ تعالیٰ اب تک جو کچھ انتظامات شیخ مرحوم کی خدمت کے متعلق ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں ، مفصل طور پر دریافت کرنے کے بعد ہر ممکنہ کوشش کے صرف کرنے میں پہلوتہی نہ کروں گا ، جس کی نسبت آپ خود خیال کر سکتے ہیں ۔

خدا کرے کہ قدرت کی نظرِ انتخاب نے آپ ہی کو اس موقع پر حیدر آباد کے لیے انتخاب کیا ہو ۔ آمین !

فقیر شاد

(۱۱)

۷ ۔ اپریل ۱۷ء

در دل ز تمنائے ملاقاتِ تو شوریست
شوقت چہ نمک داد مذاقِ ادبم را

مائی ڈیر اقبال !

بہت دن سے شاد مہجور کو یاد کر کے شادکام نہیں کیا ۔ موانعش بخیر باد ۔ الحمد للہ کہ میں ۲۶ مارچ سنہ رواں کو مع تمام وابستگان و متعلقان بلدہ پہونچا ۔ نومبر ۱۶ء کے آخری ہفتے سے مارچ کے ختم تک اگرچہ سفر میں رہا ، لیکن جس غیر مطمئن حالت میں رہا ، ناقابلِ بیان ہے ۔ میں نے کبھی ایسا سفر نہیں کیا جو آزادی کے ساتھ نہ ہو ۔ مگر اس سفر میں جن پابندیوں کا پابند رہا ، اس نے ایک دن بھی میرے دل کو مطمئن اور میرے حال کو ساکن نہ رہنے دیا ۔ جب پابندی زیادہ ستاتی تھی تو آپ کے مسدس کا یہ بند پڑھتا تھا :

کیوں زیاں کار بنوں، سود فراموش رہوں
فکر فردا نہ کروں، محوِ غمِ دوش رہوں
نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں
ہمنوا! میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں
جرأت آموز مری تابِ سخن ہے مجھ کو
شکوہ اللہ سے، خاکم بہ دہن، ہے مجھ کو

لطف مرنے میں ہے باقی نہ مزا جینے میں
کچھ مزا ہے تو یہی خونِ جگر پینے میں
کتنے بے تاب ہیں جوہر مرے آئینے میں
کس قدر جلوے تڑپتے ہیں مرے سینے میں
اس گلستاں میں مگر دیکھنے والے ہی نہیں
داغ سینے میں جو رکھتے ہوں وہ لالے ہی نہیں

اگرچہ نیک و بد (آزادی و پابندی) کا تمیز کرنا اور ان میں سے ایک کو اختیار کرنا انسان کے ارادے پر چھوڑ دیا گیا ہے، اور یہ اختیار ہے جو جبر کے مقابلے میں انسان کو عطا ہوا ہے، لیکن یہ اختیار جس قدر زیادہ ہے، اسی قدر زیادہ خوفناک اور نازک ہے۔ انسان منشائے قدر کے مطابق اپنی عقل اور ارادہ پر کار بند ہونا اور اپنی سمجھ اور مرضی کے مطابق ہر کام کرنا چاہتا ہے، لیکن کر نہیں سکتا۔ میں جب اپنے پچھلے دونوں سفروں سے اس سفر کا مقابلہ کرتا ہوں تو وہی نسبت ہے جو سچ کو جھوٹ سے ہو سکتی ہے۔ ادھر تو پابندیوں کی نظر بندی ادھر بلدۂ حیدر آباد میں طاعون کی سمع خراش خبریں۔ ہزارہا بندگانِ خدا نشانۂ اجل، ہزارہا گھر بے چراغ ہو گئے۔ پیارے اقبال! سچ تو یہ ہے کہ دنیا ایک

ایسا مقام ہے جس میں کوئی شخص فکروں سے خالی نہ ملے گا۔ کوئی نہ کوئی فکر، کوئی نہ کوئی آزار اس کو پریشان ہی کیے ہوگا۔ ایسا کوئی نہیں کہ اس دنیاوی زندگی میں اسے اطمینان اور فارغ البالی کا وقت مل گیا ہو۔ ہاں اگر تھوڑا بہت اطمینان نصیب ہے تو انھی لوگوں کو جنھوں نے افکارِ دنیا کو لات مار کر سامنے سے ہٹا دیا ہے اور بے فکر اور بے ہراس بیٹھے ہیں۔ ہائے مجھ کو تو یہ بھی نصیب نہیں۔ چاہتا ہوں کہ اپنے کعبۂ مقصود (اجمیر شریف) کی چوکھٹ پر دھونی رما کر آسن ماروں مگر اس آرزو کو عمل میں لانے سے مجبور ہوں۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ:

رہی نہ طاقتِ گفتار اور اگر ہے بھی
تو کس امید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے

خیر "شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن" ایک سر ہزار سودا، ایک دل ہزار آرزوئیں۔ بہرحال میگذرد۔ اللہ بس باقی ہوس:

یک دل و خیلِ آرزو دل بہ کہ مدعا نہم
تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

فقیر شاد

(۱۲)

۱۴- اپریل ۷۱ء

(نوٹ: اس خط کا ابتدائی حصہ دستیاب نہ ہو سکا)

... بے شک انسان تدبیر کا مجاز اور اس کو عمل میں لانے کے لیے قادر ہے، مگر اس کے ساتھ ہی ایک قوت اور بھی ایسی ہے جو تدبیر کی ضد ہے۔ اپنی پوری قوت سے کام لیتی ہے اور وہ تقدیر

ہے - اگر تقدیر بھی تدبیر کی ہم خیال و ہم نوا ہوگی تو اس کے لیے وقت کی ضرورت ہے جس کا راز ”کل امر مرھون باوقاتھا“ کے معنوں میں پوشیدہ ہے -

گرمی کی فصل ہے - دھوپ کی تیزی نے فضائے آسمانی میں ہلچل ڈال رکھی ہے - سکندرآباد میں ملیریا کی شکایت ہے - خدا اپنا فضل کرے -

دور دور سے اگر مبارک باد کے تار آئے ہوں تو کیا مضائقہ - ممکن ہے کہ یہ پیش خیمہ ہو - اہلِ پنجاب آپ کو چھوڑنے کے لیے ضرور پریشان ہوتے ہوں گے ، مگر شاد کا دل آپ کے نہ ہونے سے پریشان اور ناشاد ہے - خدا ایسا کرے کہ مبارک باد صحیح ہو جائے اور کیا عجب ہے - محرمہ وحدا نہ اس میں سب کچھ قدرت ہے -

پرنس حمید اللہ خاں سے مجھ سے ملاقات نہیں - ہاں عبید اللہ خان صاحب سے نیاز حاصل ہے - بڑی خوبیوں کے شخص ہیں -

فقیر شاد

(۱۳)

۸ مئی ۱۷ء

مائی ڈیر اقبال !

محبت نامہ رقمزدہ ۳ مئی ۱۷ء[1] مجھے ملا - یاد آوری کا شکریہ - اس کے قبل ایک خط ۱۴- اپریل ۱۷ء کو میں نے بھیجا تھا - غالباً پہنچا ہوگا - یہاں اطفاء آتشِ طاعون کے بعد ملیریا کی عام شکایت پیدا ہوگئی تھی - میں بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہا - کئی روز

۱- اقبال - خط نمبر ۵۸ -

تک اس میں مبتلا رہا - الحمد للہ اب کوئی شکایت نہیں ، طبیعت بحال ہے - مگر افکار سے طبیعت مضمحل ہے - اگرچہ شاد مشکلات کے سمندر کو عبور کرنے کے لیے عاجز نہیں ہے بلکہ :

اب ذرا تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں
دردِ دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی

مگر تقاضائے بشریت عاجز کر دیتی ہے ، جس کے لیے دل میں اطمینان اور طبیعت میں سکون پیدا ہونے کی خدا سے دعا کرتا ہوں -

الحمد للہ مع متعلقان و وابستگان مع الخیر ہوں - امید کہ آپ بھی بخیر و عافیت ہوں گے -

فقیر شاد

(۱۴)

۴ جون ۷۱ع

مائی ڈیر اقبال !

شد پئے خامہ دلم را ترجماں
بشنواز نے چوں حکایت می کند
با زبانِ تیز و چشم اشک‌بار
از جدائی ھا شکایت می کند

آخر اس بالواسطہ مکالمے کی کوئی حد بھی ہے ؟ بالمشافہ ملاقات کا کوئی وقت بھی آئے گا ؟ گو المکتوب نصف الملاقات ایک مشہور مقولہ ہے ، لیکن شاد سالم ملاقات سے شاد کام ہوتا ہے - بوسہ بہ پیغام معنی چہ - میرا خط آپ کے پاس جاتا ہے ، آپ جواب لکھتے ہیں - آپ کا خط میرے پاس آتا ہے ، جواب لکھتا ہوں - آخر

اس کاغذی ملاقات کا خاتمہ کب ہوگا ۔ آج بھی آپ کا خط مورخہ ۱۹ مئی ۱۹۰۷ء[1] میرے سامنے ہے ۔ اس کا جواب لکھ رہا ہوں ۔ یادآوری کا شکریہ ۔ ایک نمائشی چیز ہے ۔ ہاں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ جانبین بحمد اللہ خیر و عافیت سے ہیں ۔

لسان العصر کا خط میرے پاس بھی آیا تھا ۔ اس میں یہی مطلع لکھا تھا جو آپ کو انھوں نے لکھا ہے ۔ یعنی :

زباں سے قلب میں صوفی خدا کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

حقیقت میں مطلع کیا مطلعِ آفتاب ہے ۔ شاعری کا جوہر مذاقِ سلیم ہے یا مذاقِ سلیم کا جوہر شاعری ۔ مولانا اکبر مذاقِ سلیم میں فی الحقیقت اپنی یکتائی کا حریف نہیں رکھتے ۔ جس دن اُن کا خط آیا ہے اسی دن بلکہ اسی وقت اُن کے مطلع پر میں نے بھی کچھ مطلعے لکھے تھے ۔ آپ کی ضیافتِ طبع کے لیے آپ کو بھی بھیجتا ہوں :

زباں پر صوفیِ میکش خدا کا نام لایا ہے
یہی وہ مے ہے جس کو ساقیِ اسلام لایا ہے
شریعت کا طریقت کے لیے پیغام لایا ہے
یہی اک رازِ مخفی تھا جسے اسلام لایا ہے
زباں پر آج وہ بُت بھی خدا کا نام لایا ہے
خدا کی شان ہے کافر بھی اب اسلام لایا ہے
وجودِ ذاتِ یکتائی میں اپنا نام لایا ہے
اسی توحید پر ایمان بھی اسلام لایا ہے

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۵۹ ۔

خدا سے مصطفیٰ توحید کا پیغام لایا ہے
حقیقت میں اسی پر اک جہاں ایمان لایا ہے
احد میں اور احمد میں فقط ہے فرق ظاہر کا
بدل کر اپنی صورت اپنا خود پیغام لایا ہے

کہنے کو تو پانچ مطلعے اور ایک شعر ہے مگر اس کے دوسرے مصرع کا دس بارہ مصرعے بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آج جو اکبر کا خط آیا ہے اس میں انھوں نے مصرع اولیٰ کو یوں بنا دیا ہے:

تصوف ہی زباں سے دل میں حق کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

آپ کی مثنوی کے دوسرے حصے "رموزِ بے خودی" کا انتظار کر رہا ہوں۔ خدا کرے جلد اس کی تکمیل ہو۔ غزل کے اشعار بہت خوب ہیں۔ تعریف نہیں ہو سکتی۔ زمانے کے ساتھ یہاں کا موسم بھی بدلا ہوا ہے۔ یہ تیر کا مہینہ ہے، انتہائے گرمی کا زمانہ ہے۔ مگر بجائے اس کے کہ آسمان آفتاب کی آتشیں شعاعیں زمین پر گراتا، ابر محیطِ آسمان ہو رہا ہے۔ پانچ چھ روز قبل تو اس شدت سے بارش ہوئی کہ اگر اس کو طوفانی بارش کہا جائے تو زیبا ہے۔ یہاں کی تغیر پذیر حالت بدستور ہے۔ بلکہ کچھ ترقی ہی ہے، کمی نہیں۔ کل یوم ھو فی شان۔ ساری دنیا پر بُرا وقت گزر کر اچھا آتا ہے اور اچھا گزر کر بُرا آتا ہے۔ چناں نماند و چنیں نیز ھم نخواھد ماند امید افزا قول ہے حافظ جیسے فلسفی کا، مگر وائے بر قسمت شاد۔ (فی البدیہ)

چہ حال شاد تو پرسی بگو ترا چہ من گویم
چنانکہ ھست تغیر دریں نمی بینم

طبیعت تنگ آ گئی : ''فان مع العسر یسراً ۔'' اگر حکمِ الٰہی ہے تو بکمال ادب ہم بندوں کا یہ معروضہ ہے بارگاہِ خداوند میں جہاں سازِ غم نوالہ ہیں ''اوفوا لعبدک یا رب العالمین'' اور کیا کہوں ۔ خواہش ایسی نہیں کہ جرمنی کی بادشاہت ملے یا قارون کے خزانے ہاتھ آئیں یا خضر کی طرح حیاتِ جاوید ملے یا علی رض شیرِ خدا کی شجاعت حاصل ہو ، یا پیمبری مل جائے ، یا نعوذ باللہ اناالحق کا دعویٰ کروں ۔ بلکہ بکمال عجز و نیاز و صد آداب صرف یہ معروضہ ہے بارگاہِ بے نیاز میں کہ دین (قرض) سے چھٹکارا دے ، بچوں کے . . . . فرایض سے سبکدوش کر ۔ بقیہ عمر تیرے عشق و محبت میں کسی ایک گوشۂ تنہائی میں آزاد کر کے گزار دے ۔ اب پابندی دل کو بھاتی نہیں ۔ ممکن ہے اس وقت آزادی کا پروانہ اپنے نفس کے لیے لے لوں ۔ مگر اخلاقی کمزوری اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے ۔ خیر جہاں تک نبھ سکے نباہنے کی کوشش کروں گا ۔

خدا نہ کرے اگر ہر طرح مجبوری ہو تو پھر جو کچھ ہو ۔ اللہ انجام بخیر کرے ، دعا کیجیے ۔

فقیر شاد

(۱۵)

۲۶ جون ۱۷ء
مائی ڈیر اقبال !

آپ کا خط مورخہ ۱۴ جون ۱۷ء[1] وصول ہوا ۔ شاد عموماً یاد آوری خصوصاً اس فقرے سے کہ ''کاغذی ملاقات کا خاتمہ آس کے

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۶۰ ۔

یدِ قدرت میں ہے - اُسے منظور ہوا تو اقبال ہوگا اور آستانۂ شاد - موقع تو اک پیدا ہو گیا ہے'' خوش وقت و شاد کام ہوا - مگر آپ نے اس کی صراحت نہ کی کہ کب تک میرا اقبال میرا دم ساز ہوگا :

ذوق کہتا تھا کروں گا جمعہ کو حب کا عمل
کوئی اس کو یاد دلوا دے خدا وہ دن کرے

میں آج سے آپ کے انتظار کے دن گنوں گا :

اگرچہ وعدۂ خوباں وفا نمی دارد
خوش آں حیات کہ در انتظار می گزرد

میں نے ایک نظم بھی لکھی ہے جس کا حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے نام رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کی شرح بھی لکھ رہے ہیں ، بعض احباب نے تقریظیں بھی لکھی ہیں - اگرچہ ابھی شائع نہیں کی ، لیکن ایک کاپی مکمل پروف کی آپ کے پاس بھی بھیجتا ہوں - اس پر نہ ٹیٹل پیج ہے نہ ابھی اس کی تکمیل ہوئی ہے - اس کو آپ بالاستیعاب دشمن کی نظر سے ہر پہلو پر نظر ڈالیے اور بغور تمام دیکھ کر اگر اشاعت کے قابل سمجھیں تو ایک تقریظ بھی لکھیں اور اسی ہفتے میں میرے پاس بھیج دیں - آپ اس کے متعلق جو کچھ بھی لکھیں گے خوب لکھیں گے - آپ کی رائے مستند ہوگی - لسان العصر کو بھی ایک کاپی تقریظ کے لیے بھیجی ہے - اگر کوئی شعر یا اشعار نکالنے کے قابل سمجھتے ہیں تو بخوشی میں عمل کروں گا - ترمیم و تنسیخ کی آپ کو اجازت ہے - اور اس کو تین طرح سے دیکھیے ؛ ایک سب سے اول بلحاظِ دوستِ صادق ہونے کے - دوسرے بیارسٹر - تیسرے شاعر - یہاں کا حال بدستور

ہے - کل یوم ھو فی شان - بھئی کہو تو مالک یوم الدین کہاں ہیں کیا - فرماتے ہیں - میری طرف سے ایّاک نعبد و ایّاک نستعین عرض کرتے ہیں کہ نہیں - ان سے اتنا ضرور عرض کرنا کہ فقط ایاک نعبد کو منظور ، اس کے دوسرے حصے سے اغماض نہ کریں -

بھئی اقبال ! ہر طرح سے میں تنگ ہو گیا - اگرچہ بار بار یہ کہنا اور خیال ظاہر کرنا کہ ترکِ تعلقات کرتا ہوں ، نہایت کم جرأتی اور بزدلی کی بات ہے ، مگر کیا کروں - نہ تو میں مخلوق خدا کی کوئی خدمت کرنے کے قابل سمجھا جاتا ہوں اور نہ میں اپنے کنبے کو سنبھالنے کی قدرت رکھتا ہوں - ایسی حالت میں بجز اس کے کہ سب کو خدا کے حوالے کرکے رات دن کے افکارات اور جھگڑوں سے پاک ہو کر ایک گوشۂ تنہائی میں یکسوئی کے ساتھ کیوں نہ آسن جما کر بیٹھ رہوں -

علم موسم کی پیشین گوئی پر بارش کی زیادتی سے تو آپ چادر ہستی سے خون کے دھبے ہی دھوتے رہے - میں تو سودا کے یہ شعر پڑھتا ہوں :

کیا برستا ہے یوں برس کم بخت
کوہ تک ڈوب جائیں بن کے درخت
نہ رہے غرب نہ رہے اب شرق
چاہیے ہو تمام عالم غرق

واللہ ثم باللہ ! میں تھک گیا - کوئی یار نہ غمگسار نہ مددگار بجز اس خدائے وحدہ لاشریک کے - جو جو خدمات میں نے کی ہیں اور جس طرح سے گرم و سردِ زمانہ کو سہہ کر یہ چھے سات سال بعد مفارقت محبوب دکن گزارے ہیں ، واللہ اگر اللہ جل شانہ کی خدمت

کرتا تو خدا جانے بلحاظ عقیدت کے ہو یا بدعقیدت کے، روحانی مراتب و مدارج کی ایسی ترقی ہوتی کہ باید و شاید ہے۔ مگر دنیا ہیچ است و کارِ دنیا ہمہ ہیچ۔ الٹے چور کوتوال کو ڈانٹے یہ معاملہ ہے۔ روز بروز تنزل اور لطایف بے فکری اور تسکینِ قلب کے ساتھ کوئی دنیوی مکروہ خیال سدِّ راہ نہ ہو۔ مگر وائے بدقسمتی کہ اس وقت کی موجودہ حالت سے، خدا نہ کرے اگر عمر ختم ہو جائے تو آرام سے مرنے کی بھی توقع نہیں۔ کیا کریں، بد قسمتی کی بات ہے۔ معلوم نہیں میرے کون سے اعمال کی سزا ہے کہ بخلاف اس کے کہ خوشی اور اطمینان سے گزرے، دن رات افکارات میں بسر ہو رہی ہے اور کوئی پرسان نہیں۔ ورنہ غیر مستحق مستفیض نہ رہے۔ اکرام و نوازش ہائے خسروی ہے اور شاد۔ اللہ تعالیٰ رحم و کرم کرے۔ اقبال کچھ تو مشورہ دو کہ کیا کروں۔ واللہ میں آمادہ ہوں۔ ایسی مصیبت اٹھانے سے سارے کنبے کو خدا حافظ کہہ کر ''لنگکے زیر و لنگکے بالا۔ نے غمِ دزد نے غمِ کالا'' بس یہاں سے چل نکلوں اور کسی پہاڑ کی چوٹی پر جھونپڑا ڈال کر یکسوئی حاصل کروں۔ آپ اس خیال کو محض لغو نہ خیال کیجیے۔ صرف ایک مدت کا انتظار ہے۔

حال میں حکم ہوا ہے کہ شاد کے جس قدر دعوے ہیں، باید گرفت کے متعلق ایک کمیٹی جس کے ارکان: مسٹر گلانسی اور کشٹاچاری اور محاسب سرکاری اور فریدون الدولہ بہادر، غور کر کے رائے پیش کریں۔ سنا گیا کہ آخرالذکر کے علاوہ باقی سبھوں نے میرے دعاوی کو باطل ٹھیرایا، لیکن آخر الذکر نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ضرور مدد دے گا۔ بہرحال کسی حیلے سے ہو اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم کرے اور میرا قرضہ اسی حیلے سے ادا

ہو جائے تو فہو المراد ۔ ورنہ بس جو ہے وہ ہو رہے گا ۔ کہنا بے فائدہ ہے ۔ سوائے اس کے کہ قرضہ ادا ہو جائے اور اولاد کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں ۔ نہ مجھے وزارت کی تمنا ہے ، نہ جرمن کی سلطنت کی ۔ موروثی پیشکاری بھی بے کار اور برائے نام ہے ۔۔۔ انشاء اللہ پھر ملیں گے ۔

فقیر شاد

(۱٦)

۲۳ جولائی ۱۷ع

ماہ رمضاں ختم ہوا خیر و خوشی سے
تکبیر پۓ سطوتِ توحید مبارک
با عافیت و عیش کہو شاد (؟)
اقبال کو ہر سال ہو یہ عید مبارک

مائی ڈیر اقبال !

محبت نامہ رقم زدہ ۱٦ جولائی ۱۷ع[1] عین عید کے روز مجھے ملا ۔ آپ سے معانقہ تو جب ہوگا جب ہوگا ، آپ کے خط سے تو مصافحہ ہوگیا ۔ جس روز آپ کے خط سے شاد نے بسرور و شاد کامی مصافحہ کیا ہے ، اسی روز یعنی عید ہی کے روز میرے قطعۂ عید مبارک سے ، جس کو عنوان میں لکھ آیا ہوں ، آپ نے بھی مصافحہ

۱- اقبال - خط نمبر ٦۲ -

کیا ہوگا ۔ آپ کے خط کا جواب آج لکھ رہا ہوں ۔ گویا عید کے دوگانے کی قضا ۳ شوال کو ادا کرتا ہوں ۔

اگست کو آج سے سات دن اور ستمبر کو ایک مہینہ سات دن باقی ہیں ۔ میں آج ہی سے آپ کے انتظار کا احرام باندھتا ہوں ۔ خدا وہ دن کرے کہ آپ بلدہ آئیں ۔ ستمبر کیا ، میں اکتوبر بلکہ نومبر دسمبر تک کہیں اگر جانا بھی ہو تو اب نہ جاؤں گا ۔ آپ کے وعدے کا انتظار کروں گا ۔ البتہ اگر کوئی ڈیوٹی ہو تو مجبوری ہے ۔ نامۂ منظوم کی رسید آپ کو نہیں بھیجی ۔ اب رسید بھیجتا ہوں ۔ آپ نے ان میں جو مشورہ دیا ہے میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ تقریظ کا کیا کہنا قلّ و دلّ ۔ شکریہ قبول ہو ۔ بعض تقریظیں جو بعض حضرات نے بھیجی ہیں اُن کی نقل بھیجتا ہوں ۔ اُن کو بیرسٹرانہ نظر سے دیکھ کر واپس فرما دیجیے ۔ لسان العصر کی تقریظ کا انتظار ہے ۔

نامۂ منظوم کا جو پروف ان کو بھیجا گیا تھا ، وہ چونکہ مکمل تھا ، مگر اس میں جو ترمیم و تنسیخ ہوئی ہے ، اس کی وجہ سے اس کی دوسری کاپی لکھانے کی ضرورت ہے ۔ میرا ارادہ اس پروف کو ، جو آپ کے پاس سے آیا ہے ، معہ اُن تقاریظ کے ، جو آپ کے پاس سے بعد معائنہ آئیں گی ، حضرت خواجہ حسن نظامی کے پاس بھیجنے اور انھی کی نگرانی میں چھپوانے کا ہے ، اس لیے کہ انھوں نے اس کی شرح لکھی ہے ۔ یہ تقریظیں آپ بہت جلد واپس فرما دیں ۔

فقیر شاد

(۱۷)

۲ - اگست ۱۷ع

مائی ڈیر اقبال !

آپ کا خط رقم زدہ ۲۷ جولائی ۱۷ع[1] معہ تقاریظ مجھے ملا - یہ اگست ہی کا مہینہ ہے جس میں آپ نے یہاں آنے کا وعدہ کیا ہے - آج اس مہینے کی دوسری ہے - دیکھیے آپ اس مہینے کے وسط میں آتے ہیں یا آخر میں - میں بہرحال چشم براہ اور منتظر ہوں - خدا وہ دن کرے کہ شاد اقبال کے ساتھ اور اقبال شاد کے ساتھ ہو -

حیدری صاحب نے کس امر کی آپ کو دعوت دی ہے اور مجھ سے آپ کیا مشورہ لیں گے ؟ میں اس سے لاعلم ہوں - اگر خط میں اس کا اشارہ ہوتا تو میں تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد مشورہ دینے کے لیے تیار رہتا - بہرحال میں موجود ہوں ، آپ تشریف تو لائیے - اپنی روانگی سے بذریعہ تار ضرور اطلاع دیجیے - فقط

فقیر شاد

(۱۸)

۲۲ - اگست ۱۷ع

مائی ڈیر اقبال !

بجائے اس کے کہ آپ آتے اور شاد کو شاد کام فرماتے ، آپ کا خط مورخہ ۱۴ اگست[2] آیا ، نوید خیریت لایا - اب تو مجھے کسی بگڑے دل شاعر کا شعر پڑھنا پڑا :

۱- اقبال - خط نمبر ۶۳ -
۲- اقبال - خط نمبر ۶۴ -

راہ ان کی تکتے تکتے یہ مدت گزر گئی
آنکھوں کو حوصلہ نہ رہا انتظار کا

آپ نے میرے جس مشورے کا شکریہ ادا کیا ہے میں اس شکریے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ قانون کی پروفیسری پرائیویٹ پریکٹس کے ساتھ پبلک کی نفع بخش کامیابی کے علاوہ آپ کی بھی ترقی کے اسرار سے مملو ہے۔ عملاً دنیا میں ہر پیشہ و فن کی آنھی لوگوں کے حصے میں کامیابی رہتی ہے جو موافقتِ زمانہ کے قوانین کو پیشِ نظر رکھ کر مشغولِ کار رہتے ہیں۔ سنا گیا کہ میر مجلسی کی کرسی پر نظامت جنگ بہادر فی الحال کرسی نشیں ہیں۔

لیکن زمانے کی تغیر پذیر اور انقلابی رفتار میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور ہو رہا ہے۔ چنانچہ آج ہی کل کا عملی انقلاب ہے اگرچہ ناگفتنی ہے لیکن: ع

کجا مانند آں رازے کزو سازند محفلہا

نواب فخر الملک بہادر معین المہامی سے وظیفے پر علیحدہ ہوئے۔ اس کی جگہ ولی الدین خاں صاحب فرزند نواب وقار الامرا مرحوم، جو وزیرِ فوج تھے، معین المہام عدالت ہوئے۔ ولی الدین خان بہادر کی جگہ لطف الدین خان بہادر فرزندِ ظفر جنگ مرحوم معین المہام فوج کے تقررات عمل میں آئے۔

حیدری صاحب سے اگر میری ملاقات ہوئی اور اس بارے میں کچھ ذکر آیا تو شاد ضرور اقبال کا طرفدار ہوگا۔

فقیر شاد

(۱۹)

۳ - اکتوبر ۱۷ع

مائی ڈیر اقبال !

آپ کا خط رقمزدہ ۷ ستمبر ۱۷ع[1] مجھے وصول ہوا - یہ بھی اتفاق ہے کہ ۳۰ - اگست کو آپ نے حیدر آباد روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور ۲۹ کو بخار آ گیا :

قسمت تو دیکھنا کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو تین ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

آپ اپنے مزاج کی کیفیت سے جلد مطلع کیجیے - اب مزاج کیسا ہے - ڈاکٹر صاحب اب بھی آپ کو سفر کی اجازت دے سکتے ہیں یا نہیں ؟

پیارے اقبال ! خطوں پر اپنے مقاصد کی کامیابی منحصر رکھنا بوسہ بہ پیغام سے کم وقعت نہیں رکھتا - آپ کو یہاں آنا اور برائے العین یہاں کے حالات پر اپنے یہاں رہنے کی صورت میں کامیابی پر نظر ڈالنی چاہیے - اگر مستقبل پر کوئی تاریک پردہ نظر آئے تو مراجعت اختیاری فعل ہے - معاملے کا طے ہونا خط و کتابت سے ایک طول عمل ہے -

باقی حالات بدستور ہیں

فقیر شاد

۱- اقبال - خط نمبر ۶۵ -

(۲۰)

سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن

۱۰ - اکتوبر ۱۹۱۸ء

مائی ڈیر اقبال !

۶ اور[۱] ۷ - اکتوبر سنہ ۱۸ء کے رقم زدہ خطوط وصول ہوئے - اس میں شک نہیں کہ :

ہر کسے مصلحتِ خویش نکوے داند

میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ اسی حد تک محدود تھا جو ایک صادق الوداد دوست اپنے دوست کو خیر خواہانہ مشورہ دینا اپنا فرضِ منصبی جانتا ہے - لیکن اس تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ صورت فی الحال نظر نہیں آتی ، اور طرہ برآں دو ہزار کا نقصان وہ بھی حالتِ موجودہ میں ، اور نتیجہ اس قدر کہ مسٹر حیدری کی ملاقات یا بیش از بیش یونیورسٹی اسکیم کے متعلق گفتگو - اس کے لیے میں بھی کسی طرح یہ رائے دینے پر تیار نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ اتنا بڑا نقصان گوارا کیا جائے :

حسرتیں بھی ہیں بستۂ امید
نا امیدی میں کیا کرے کوئی

دنیا محض امید پر قائم ہے - اس سے پہلے میرا یہی خیال تھا کہ جب کسی قسم کی خاص امید ہے تو بوسہ بہ پیغام سے کام نہیں چلتا - برائے العین یہاں آ کر سعی کی جائے تو اپنے مقصد میں کامیابی کی توقع بہ سہولت ہو سکتی ہے - جب وہ امید ہی نہیں

۱- اقبال - خط نمبر ۶۶ - ۶۷ -

تو بجز حسرت و یاس اور سکوت کے کیا کہہ سکتا ہوں ۔

بایں ہمہ یہ دعا ضرور کرتا ہوں کہ خدا کرے دکن کو بہت جلد آپ کی ضرورت محسوس ہو ۔ اور نہ صرف محسوس ہی ہو بلکہ عملی طور پر اس احساس کا اظہار بھی ہو جائے کہ شاد کو یک دلی اور یک جہتی کی طرح یک جائی کی بھی شادمانی حاصل ہو ۔ اور عمرِ رواں کا باقی حصہ باہمدگر ملاقات میں مسرتِ روحانی کے ساتھ بسر ہو جائے ۔

خلاصہ یہ ہے کہ خدا آپ کو کامیابی کے ساتھ یہاں لائے اور بہت جلد لائے ۔ باقی خیریت اور جملہ کوائف بدستور ۔

فقیر شاد

(۲۱)

۲ جنوری ۱۹۱۸ء

مائی ڈیر اقبال !

مودت نامہ مرقومہ ۲۹ دسمبر ۱۷ء[۱] وصول ہو کر موجب ابتہاج ہوا ۔ اس اثنا میں اتفاق سے جدید ریلوے لائن دیکھنے کے خیال سے اپنی جاگیر فرخ نگر جانے کا اتفاق ہوا تھا ۔ وہاں کی غیر معمولی سردی وغیرہ کے باعث بعدِ مراجعت تپِ لرزہ آنے لگا تھا ۔ اب مع الخیر ہوں ۔ مولوی ظفر علی خاں صاحب کی فرمایش سے ایک تازہ غزل جو فی البدیہہ لکھی تھی ، روانہ کر دی تھی ۔ اس کو قدر کی نظر سے دیکھنا یہ آپ کی عین محبت ہے ۔ مگر تعجب

۱۔ اقبال ۔ خط ۶۹ ۔

ہے کہ مولوی صاحب نے ایک مصرع میں خود تصرف کیا یا ان کے مددگار نے۔ حالانکہ عموماً قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی رسالے یا اخبار کے ایڈیٹر کو کوئی شعر یا مصرع پسند نہ آئے تو اس کو ترک کر دے، درج نہ کرے، نہ کہ تصرّفِ بیجا۔ چونکہ وہ بڑے قدیم دوستوں سے تھے اس لیے سکوت کیا۔ ماسوائے اس کے کہ میں نے دوستانہ طور پر مولوی صاحب کو لکھا تھا کہ گروہِ صوفیہ پر جو لعن طعن کر رہے ہیں اس کا سلسلہ کب تک رہے گا۔ اس کا جواب تو مولوی صاحب نے کچھ نہ دیا مگر ایک نظم لکھی جس کے مطلع کا ثانی مصرع یہ تھا:

میں گزارش کر رہا ہوں کفر کی تو کر نکال

اس کا مطلب ہر پہلو سے ظاہر ہے۔ الغرض کل صوفیائے کرام کو اُنھوں نے کفر کی رسّی میں لپیٹا ہے۔ خیر اُن کی یہ بھی مہربانی ہے۔ مگر کفر و اسلام دونوں اب صرف لفظوں کی شکل کی حد تک رہ گئے ہیں۔ نہ وہ اسلام ہے نہ وہ کفر ہے۔ اگر صوفیائے کرام جو ہر طرح واجب التعظیم ہیں کافر ہیں، تو واللہ مدعیانِ اسلام کا دعویٰ اسلام بھی بس اسی حد تک ہے۔ بقول کسی امام کے کہ اگر اس زمانے میں صحابی پیدا ہوں تو ہم ان کو دیکھ کر دیوانے، فاتر العقل کہیں گے۔ اور وہ اس زمانے کے مسلمانوں کو۔۔۔ سمجھیں گے۔ ہندو اور مسلمانوں کی بد نصیبی نے جہاں اور اسباب ضعف و زوال کے لیے پیدا کیے ہیں ان میں یہ ایک سخت اور بدترین سبب ہے کہ اپنی قوم کی آپ ہی توہین کرتے ہیں اور اس کو اچھا سمجھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ کیا یہ شعارِ اسلام ہے؟ کیا یہی اخلاقِ محمدیؐ تھے؟ لا واللہ۔

خلق ِ محمدی کے اس مقناطیسی اثر نے جوں جوں منکروں کو اقرار کرنے پر آمادہ کیا اور ضلالت سے ہدایت کی طرف رجوع کیا ، وہ کیا ، دل ِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ ۔ رسول اللہ اپنے دشمنوں کے ساتھ کس اخلاق سے پیش آتے تھے اور اپنے صحابیوں کو تاکید فرماتے تھے کہ تم کفار کو ُبرا نہ کہو ۔ ان کے خدا کو ُبرا نہ بولو کہ وہ بھی تمھارے خدا کو برا کہیں گے ۔ منکر نبی اسلام کے سرگروہ اگر کسی محفل میں آ جاتے تھے ، آپ کس طرح عزت کرتے ۔ اپنی ردائے مبارک ان کے بیٹھنے کو دیا کرتے تھے ۔ بعض بعض مہمانوں نے جو جو گستاخیاں کیں ان کے ساتھ کس نرمی و اخلاق سے پیش آتے ۔ اس کی حد نہیں اور دوسروں سے ناممکن تھا ۔ یہی باتیں تھیں کہ اسلام کا آفتاب دنیا میں چمک اٹھا ۔ اگر ہادی ِ دین کے ایسے خیالات ہوتے اور ان کے پیروان ِ خاص کے جو صحابی یا امام وغیرہ وغیرہ تھے تو واللہ ہرگز اسلام فروغ نہ پاتا اور اب تک آفتاب اسلام کا غروب ہو گیا تھا ۔ یا تو ”دل ِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ“ ہنر سمجھا جاتا تھا یا آج ”دل ِ دوستاں ہم نمودند تنگ“ پر عمل ہے ۔ سبحان اللہ تعالیٰ شانہ ۔ ببیں تفاوت ِ رہ از کجاست تا بہ کجا ۔

اس ذکر کو آپ کے خط میں لکھنے کی ضرورت اس لیے دامنگیر ہوئی کہ عام طور پر یہ سمجھا جا رہا ہے کہ جو مثنوی آپ نے لکھی ہے ، اس کی تائید میں آپ محرک ہیں ان تحریرات کے ۔ اگر مبالغہ نہ ہو تو آپ کا دل شاہد ہوگا کہ شاد آپ کا بہی خواہ اور دوست ِ بے ریا ہے ۔ اس لیے مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ لوگ خواہ مخواہ آپ کو بدنام کریں ۔ اور مولوی ظفر علی خاں صاحب بھی میرے دوست ہیں اور سمجھ دار ہیں ، دور اندیش ہیں اور قلم کے

دهنی ، اور تحریر اور تقریر میں بہت گنجائش ہے اور نہایت وسعت ہے ۔ ایسے وسیع میدان میں شعارِ اسلام جو خلق پر مبنی ہے ، چھوڑ کر بدخلقی سے پیش آنا اور قوتِ تحریر کو برائی کی طرف محدود کر دینا غالباً وہ خود پسند نہ کریں گے - میرا جہاں تک خیال ہے ، ایسے مضامین ان کی تحریر سے نہ گزرتے ہوں گے ۔ مگر ایڈیٹر وہی مشہور ہیں اس لیے خواہ مخواہ بھی ان کی بدنامی ہوتی ہے ۔ تحریر و تقریر کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ قیامت تک بھی نہ مدعا کھلے گا ، نہ مدعی علیہ ۔

تحریر و تقریر وہی مفید ہے جو اثر پیدا کرے اور دلوں میں گھر کرے ۔ یہ اثر انھیں لوگوں کے ساتھ گیا ۔ اب تو ہر قوم میں دل شکنیوں کا مادہ بڑھتا جا رہا ہے ۔ اچھا اثر کیسے ہو گا ۔

بوئے بیج ببول کا آم کہاں سے کھائیں

خیر بھئی اختیار ہے ان کا اور آپ کا ، جو جی چاہے کہو اور لکھو ۔ دوستی کی وجہ سے اس قدر سمع خراشی کی ورنہ یار کی یاری سے غرض ۔ کہو تو کب درشن ہوں گے ، کب آؤ گے ؟ بہت عرصہ گزرا ۔ یا تو آؤ یا بلاؤ ۔

ہم تو اب ہر طرح تھک گئے ۔ اگر یہی روز و شب چندے رہیں تو پھر شاد کو بھی بھبوت رمائے ہوئے آزادانہ لباس میں دیکھو گے ۔ سچ تو یہ ہے کہ قدردانی اٹھ گئی :

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

۱۴ ۔ اسفندار ۲۷ ف ، ۲ ربیع الثانی ۳۶ھ

فقیر شاد

(۲۲)

سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن

۲۳ مارچ ۱۹۱۸ء

ڈیر اقبال !

الحمد للہ کہ بمبئی و گلبرگہ کی منازل طے کرتا ہوا بتاریخ ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ مع متعلقین و لواحقین داخل بلدہ ہوا ۔ اگرچہ یہ جملہ ایک عمر سے گوش زد تھا کہ ''سفر صورتِ سقر دارد'' مگر اس قلیل المدت سفر نے اس کا قطعی فیصلہ کردیا ۔

بمبئی کی قبل از وقت گرمی ، جس بنگلے میں قیام تھا اس کا اختصار وغیرہ یہاں تک رنگ لایا کہ بتدریج دس بچے خسرہ میں مبتلا ہوئے ۔ لیکن اب خدا کا شکر ہے کہ اب سب مع الخیر و العافیہ ہیں ۔

اب شاد کی کیفیت سنیے ۔

یہاں آتے ہی بخار نے ایسا زور باندھا کہ ایک سو چھ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہوگیا ۔ خدا خدا کرکے اس نے مفارقت شروع کی تھی کہ پیچش نے غلطان و پیچاں کر دیا جس کا اثر اب تک قدرے قدرے موجود ہے ۔

گرمی یہاں بھی خاصی شروع ہوگئی ہے ۔ آب و ہوا پر ملیریا نے چودہ مہینے سے مستقل قبضہ کر رکھا ہے ۔ کوئی گھر اس کم بخت کی دست برد سے خالی نظر نہیں آتا ۔ خدائے تعالیٰ اپنا فضل کرے اور اس بلائے بے درماں سے نجات عطا فرمائے ۔

شاد کو تو خیال تھا کہ اس تازہ رد و بدل کے زمانے میں

دکن کی ہوا آپ کو ضرور کھینچ لے گی ، مگر اب تک بقول مرزا غالب یہی دیکھ رہا ہوں کہ کسی دانے پر میری مہر بھی ہے یا نہیں ۔

خدا کرے کہ یہاں کا آب‌ودانہ پیارے اقبال کو جلد کھینچ لائے اور بقیہ حصۂ عمر یکجائی کے ساتھ بسر ہو ۔

فقیر شاد

(۲۳)

سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن

۱۸ مئی ۱۸ء

ڈیر اقبال ! الانتظار اشد من الموت

شاد یہ تو خیال بھی نہیں کر سکتا کہ آپ جیسے مخلصِ خاص نے اس کی یاد دل سے بھلا دی ہوگی ۔ یعنی تھوڑے دنوں کا بھی غیرمعمولی انتظار شاق ضرور گزرتا ہے ۔ خدا کرے کہ بجز عدیم‌الفرصتی اور کوئی امر سدِ راہ نصف الملاقات نہ ہوا ہو ۔

اپنی اور نیز بچوں کی علالت و صحت کی کیفیت سے تو مطلع کر ہی چکا ہوں مگر میری ایک بچی معمرہ چودہ سال ، ڈیڑھ ماہ سے تپِ محرقہ میں مبتلا ہے ۔ بخار جسم سے مفارقت نہیں کرتا تھا ۔ اکثر ایک سو چار اور پانچ تک رہتا تھا ۔ دعا و دوا سبھی تدبیریں کی گئیں ۔ آقائے ولیِ نعمت بندگانِ عالی نے بھی اس حد تک بندہ پروری فرمائی کہ فقیر کدہ کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے عزت بخشی فرما کر

عیادت فرمائی - علاوہ جس قدر ڈاکٹر اور اطبائے یونانی ملازمِ سرکاری ہیں اُن میں سے درجۂ اعلیٰ کے حاذق منتخب فرما کر علاج اور مشورۂ باہمی کے لیے حکماء متعین فرمائے -

درمیان میں ایک مرتبہ نارمل ہو کر پھر ترقی کر گیا تھا - مگر للہ الحمد اب روبہ انحطاط ہے - البتہ نقاہت بہت ہی بڑھی ہوئی ہے اور دماغ بھی متاثر ہے - غرض چار ماہ سے پریشانیوں کا سلسلہ جاری ہے مگر سوائے صبر و شکر چارۂ کار ہی کیا ہے - لیکن افسوس ! بندہ اس منزل میں بھی باختیارِ خود قدم نہیں رکھ سکتا - بندگی بیچارگی اسی کا نام ہے - پھر کسی پر قدریہ کسی پر جبریہ کا الزام ہے - اس مقدمے میں مخبرِ صادقؐ کا فیصلہ بہت ہی حق بجانب ہے : القدریۃ و الجبریۃ کلاھما فی النار - بحث مباحثہ تو کجا ، انسان کو دم زدن کا موقع نہیں :

لب ہلاتے زبان کٹتی ہے
خاک مطلب ادا کرے کوئی

افسوس ! کجا بود مرکب کجا تاختم - کہاں سے کہاں آ گیا -

خلاصۂ مرام یہ ہے کہ ''یہ کہنا کہ آپ بھی دعا میں شاد کا ہاتھ بٹائیے'' ایک رسمی بات ہے ، اس لیے کہ یہ تو ہر دوست کا اضطراری فریضہ ہے - یعنی ایسے مواقع پر خود بخود ہی دل سے دعا نکلتی ہے - ہاں دعا کی قبولیت کے لیے دعا کی استدعا بیشک ضروری ہے اور بارگاہِ مستجاب الدعوات سے امیدِ فضل و کرم - باقی اللہ اللہ خیر صلا -

فقیر شاد

(۲۴)

۲۸ جون ۱۸ء

ڈیر اقبال !

وصولِ مودت نامہ' موجبِ انبساط ہوا ۔ آپ کی تحریر سے یہ معلوم ہو کر کہ رموز بے خودی کا ایک نسخہ مع خط روانہ کیا تھا ، چیدہ چیدہ اس کو دیکھا اور چاہتا تھا کہ بے خودی کے مزے لوں مگر مکروہاتِ دنیا کا اس قدر اثر ہے کہ اس کی بیخودی سے نجات ملے تو حقیقی بے خودی کا لطف بھی آئے ۔ انشاء اللہ ہر روز کی پریشانیوں سے فرصت پاؤں تو پھر اس کو ابتدا سے آخر تک دیکھوں ۔ مگر اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ آپ کی سحر بیانی اور علوِ خیالات اور خیالات میں جدت یہ سب سامان جس نظم میں موجود ہوں اس نظم کو پڑھ کر آفرین یا سبحان اللہ کہنا مبالغہ نہیں ہو سکتا ۔ البتہ جوشِ بے خودی میں اگر حافظ یا اور دوسرے خدا کے دیوانے اور اس کی محبت کے مخبوط اور جنونی لعنت ملامت کے مستحق نہ سمجھے جائیں تو پھر وہ نظم بلائیں لینے کے قابل ہے ۔ یقین ہے کہ اب کی دفعہ ضرور بیچارے حافظ مرحوم نشانہ تو نہ ہوئے ہوں گے ۔

اگرچہ اس میں شک نہیں کہ چار مہینے سے شاد کو مسلسل پریشانیوں نے ایک حد تک بے خود کر رکھا ہے ، لیکن دنیا کی لالچ آئینِ خود داری کو ملحوظ رکھنے پر مجبور کرتی ہے :

بے خودی اپنی خودی ہے تو سرور اپنا خمار
رنگ ہر رنگ میں عالم سے جدا ہے میرا

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۷۳ ۔

خدا کا شکر ہے کہ نور چشمی سلمہا کی طبیعت روبہ صحت ہے۔ البتہ نقاہت حد سے زائد ہو گئی ہے اور ہنوز ضعف سے حرارت آتی ہے۔ خدا اس کو بھی دور کر دے گا۔ انشاء اللہ قوت بھی آ جائے گی۔

جس نے آرام دیا تاب و تواں بھی دے گا

یہاں مرگ سے پہلے دو تین پانی خاصے ہو گئے تھے لیکن اس کے بعد سے اب تک گرمی بہ شدت ہے۔ بارش کی سخت ضرورت ہے۔ رمضان کا مہینہ ہے، روزہ داروں کی یہ حالت ہے کہ:

چوں گوش روزہ دار بہ اللہ اکبر است

سے زیادہ ابر رحمت کی آواز پر کان اور مینہ کی بوندوں پر نظر لگی ہوئی ہے۔ غرض کہیں تہجد گزار اور کہیں روزہ دار دست بدعا ہیں۔

یقین ہے کہ یہ دونوں دعائیں بارگاہ مستجاب الدعوات سے کامیابی کا سرٹیفکیٹ حاصل کیے بغیر نہ رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ با اقبال و با آبرو رکھے اور جلد آپ سے ملائے اور پنجاب کی سیر کرائے۔

فقیر شاد

(۲۵)

۱۷ جولائی ۱۸ع

ڈیر اقبال!

تعزیت نامہ رقمزدہ ۱۱ جولائی ۱۸ع[1] وصول ہو کر

۱۔ اقبال۔ خط نمبر ۲۷۔

کاشفِ ما فیہا ہوا۔ آپ نے جن الفاظ میں مخلصانہ طور پر شاد ناشاد کی دلجوئی کی ہے، ان کا تہِ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

پیارے اقبال اس گیارھویں داغ نے عمر بھر کے صدموں کو پیشِ نظر کرکے زخم ہائے کہن کو از سرِ نو تازہ کر دیا اور پرانی تمام چوٹوں کو ابھار دیا۔ مگر سوا صبر کے، جو فی الحقیقت جبر کا دوسرا نام ہے، اور کیا چارۂ کار ہے۔ بہرحال اگرچہ "اذا جاءت اجلھم لایستاخرون ساعۃ ولایستقدمون قبل از وقت کسی کا جانا ممکن ہی نہیں، لیکن فقیر شاد اپنے جسدِ خاکی کو زندہ درگور ضرور سمجھتا ہے۔

دعا فرمائیے کہ قادرِ مطلق بقیہ اولاد و احفاد کو مع الخیر و العافیت اور شاد کو ان ناگزیر صدمات سے محفوظ و مصئون رکھے! آپ کی ملاقات کب ہوگی، معلوم نہیں۔

فقیر شاد

(۲۶)

۱۹ دسمبر ۱۸ ع

ڈیر اقبال!

شاد کی آنکھیں ایک مدت سے آپ کی محبت آمیز تحریر اور خیریتِ مزاج کے انتظار میں در پر لگی ہوئی ہیں۔ خدا کرے اس تعویق کا باعث بجز عدیم الفرصتیِ کاروبارِ لاحقہ اور کچھ نہ ہو۔

پیارے اقبال! خودی و بیخودی کے مدارج تو بحمداللہ ہو چکے مگر اب کس عالم میں گزرتی ہے؟ کیا مشغلہ ہے؟

کیا آپ نے جامعۂ عثمانیہ یعنی اردو یونیورسٹی سے بھی خاص دلچسپی نہیں لی ؟ کیا حیدر آباد کا عزم کسی اور موقع کے لیے ملتوی رکھا ؟ یا عالمِ بے خودی کی خود داری نے آڑے آ کر پنجاب کے ہی محیط کو مرکز بنا دیا ؟ آخر کب تک انتظار دکھانے کا ارادہ ہے ؟ کب اور کہاں اور کیونکر ملاقات ہوگی ؟

ڈیر اقبال ! اس تنِ خاکی میں دید درشن کے مزے ہیں ، اس کے بعد پردہ پڑ جائے گا۔ سین دوسرا شروع ہوگا اور وہ درشن ہوگا جس کے لیے کیا خوب کسی نے کہا ہے :

یا رب رہِ حقیقت پوچھوں تو کس سے پوچھوں
چپ ہیں یقین والے ، گم ہیں گمان والے

کیا اب بھی آپ مشورہ نہیں دیتے کہ شاد ترک تعلقات کر کے دوسرا سوانگ لے ، اس لیے کہ موجودہ سوانگ کی عزت کا سنبھلنا مشکل ہو گیا ہے ۔ خدائے پاک شاد کی ان دنوں سنتا ہی نہیں ۔ بہرحال آؤ یا بلواؤ ۔ شاد رہو آباد رہو ۔

فقیر شاد

(۲۷)

سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن

۸ فروری ۱۹ ع

ڈیر اقبال !

اس سے پہلے جو خط روانہ کیا تھا اب تک اس کے جواب کا انتظار ہی انتظار باقی ہے ۔ خدا جانے اس کی مدت کب ختم ہوگی

اور کس دن مژدۂ صحت و عافیت سے شاد کا دل محبت نزول شاداں و فرحاں ہوگا ۔

خدا کرے وہ مبارک گھڑی آئے اور بہت ہی جلد آئے ۔ اب تک تو صرف یہی انتظار تھا کہ دیکھیے یہ مکالمۂ روحانی معانقۂ جسمانی سے کب اور کیونکر مبدل ہوتا ہے ۔ مگر افسوس اب مدتیں گزر جاتی ہیں کہ اس تخاطبِ غائبانہ کا بھی موقع نہیں ملتا ۔ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ''خودی یعنی خود داری اجازت نہیں دیتی'' ہاں یہ ممکن ہے کہ بیخودی یعنی خود فراموشی مانع آتی ہو ۔

لیکن آخر یہ بیخودی کب تک
شاد سے یہ فرامشی کب تک

کبھی کبھی تو خودی میں آ کر کسی بندۂ خدا کو یاد کر لیا کرو :

(ثاقب) تغافل پھر تغافل بھی کہاں تک
بھروسہ زندگی کا امتحاں تک

انفلوئنزا کی انتہا بلدے میں طاعون کی ابتدا ہوگئی ۔ روز بروز ترقی پر ہے ۔ دیکھیے اس کی انتہا کب ہوتی ہے ۔ شاد بلدے سے دس میل کے فاصلے پر بمقام کوہ مولٹی مقیم ہے ۔ مع جمیع لواحق بہ صحت و عافیت ہے ۔ امید ہے کہ آپ بھی مع الخیر ہوں گے ۔

فقیر شاد

(۲۸)

کوہ مولی، ۸ مارچ ۱۹ع

ڈیر اقبال!

مودت نامہ رقمزدہ ۲۶ فروری ۱۹۱۹ع[1] وصول ہو کر شاد کی شاد کامی کا باعث ہوا۔ قبل ازیں تار کا جواب اور خط مشعر کیفیت ایڈیٹر صاحب "کھتری پترکا" وصول ہوا تھا، جس میں تحریر تھا کہ اگر ضرورت ہو تو مزید حالات کی تحقیق کی جائے۔ چونکہ ایڈیٹر صاحب نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ایک اخبار نکالنا چاہتے ہیں اور شاد سے ایک مضمون کی خواہش کی تھی، چنانچہ مضمون تو لکھ لیا مگر محض اس وجہ سے کہ اول تو وہ اخبار ہنوز نکلا نہیں، ثانیاً نہ ان سے ملاقات نہ ان کی پوزیشن سے اطلاع، اس لیے آپ کو تکلیف دی گئی تھی۔ تار کا جواب نہ وصول ہونے پر مضمون کی روانگی ملتوی کر دی گئی۔ اس کے سوا اور کوئی خاص ضرورت نہ تھی کہ مزید تحقیقات کے لیے تحریر کیا جاتا۔

ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خان مرحوم والیِ افغانستان کی ہردلعزیزی ان کے سفرِ ہندوستان کے وقت سے فی الحقیقت قابلِ قدر ہوگئی تھی۔ اسی کا اثر ہے کہ اس واقعۂ ناگہانی سے اہلِ ہند بھی متاثر ہو رہے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ تو انشاء اللہ المستعان دہلی پہنچ کر میرے خواجہ کے ہمراہ خواجۂ خواجگان کے دربار میں شرفِ حاضری ضرور حاصل کریں گے:

۱۔ اقبال۔ خط نمبر ۷۶۔

حسرت پہ اُس مسافرِ بے کس کی روئیے
جو تک رہا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

اسی امید میں برسوں گزر گئے مگر آہ نہ اب تک فیصلۂ آسمانی ہوا نہ زمین پر اعلان ۔ دیکھیے وہ وقت کب آتا ہے ۔

فی الحال اپنی تازہ تصانیف کی ایک ایک جلد ہدیتاً ارسال ہے ۔ یہ ہدیہ محض بر بنائے خلوص ہے ورنہ شاد کیا اور اس کی بضاعتِ علمی کیا ۔ من آنم کہ من دانم ۔ بنظر استعداد اصلاح دیں ۔ یقین کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور رسید سے ایما فرمائیں گے ۔

فقیر شاد

(۲۹)

سٹی پیلس پیشکاری ، ۱۳ - اپریل ۱۹ ع

ڈیر اقبال !

مودت نامہ رقم زدہ ۲۹ مارچ ۱۹۱۹ع[1] وصول ہو کر شاد کی شادمانی کا موجب ہوا ۔ آپ کے دہلی جانے ، حضرت محبوب الٰہیؒ کے آستانے پر حاضر ہونے ، قوالی کا لطف اٹھانے پر اگر فقیر شاد کو رشک ہو تو کیا حق بجانب نہیں ہے اور ''ضرور ہے'' ۔ افسوس کہ آپ کا کمزور اور ناتوان عزم بھی کسی حد تک آپ کے امکان میں ہے ، لیکن یہاں تو نہ عزم ہی اپنے اختیار میں ہے نہ اس کی تکمیل :

این سرِّ خلیل است بہ آذر نتوان گفت

۱- اقبال ۔ خط نمبر ۷۷ ۔

یقین ہے کہ اس مصرع پر غزل کی ضرور تکمیل ہو چکی ہوگی اور شاد کی نظر اس کے دیدار سے اور دل و دماغ اس کے لطف سے محروم نہ رہیں گے ۔ خدا جانے اس مکالمۂ روحانی کا زمانہ معانقۂ جسمانی سے کب تک مبدل ہوگا ، اور وہ وقت کب آئے گا کہ شاد اور اقبال باہمی ملاقات سے مسرور ہو کر اپنی اپنی سرگذشت بیان کر کے دل کی بھڑاس نکالیں گے ۔ یقین کہ آپ مع الخیر و عافیت ہوں گے ۔ ان دنوں رولٹ بل نے تمام ہندوستان میں ایک اودھم مچا رکھا ہے ۔ مہاتما گاندھی جی کا ہر طرف جے جے کار ہے ۔ جو خدا کی طرف سے ہے ہم کو بھی جے جے کار منانا چاہیے ۔ جسے پی چاہے وہی سہاگن ۔

کیوں اقبال رواٹ بل کی خاطر سے ہندو مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے اور ہر امر میں شریک ہونے کی ایکائیت اور یگانگت سمجھ رہے ہیں ۔ لیکن کوئی اخبار لاہور یا پنجاب کا یہ نہیں لکھتا کہ ہندو کیوں بھرشٹ ہوئے جا رہے ہیں ۔ آپ کا شاد صرف خدا کی توحید کی خاطر اور اپنے آقا محبوب دکن کے مصالح اور ملک و رعایائے شہر اور مسلمان ہندو اتحاد اور میل ملاپ کے بلاتعصب مذہب و ملت :

آدھر بھگوان کہتے تھے ، ادھر کہتے تھے یا رحماں
فقط تھا نام سے کام اس کے کچھ ہے اور نہ تھا ارماں
مگر کہتے ہیں یہ ہندو مسلماں ہو گیا ہے شاد
مسلماں کہتے تھے اس کا نہیں ہے صاف کچھ ایماں

بات یہ ہے کہ اپنا ہاتھ جگناتھ ۔ اپنا حسن ، اپنی اولاد ، اپنی عقل کس کو بری معلوم ہوتی ہے ۔ دس کا میل ملاپ جو

عیب کرے گا وہ ہنر کہلائے گا اور بے غرض سمجھا جائے گا۔

ایک چاہے ہزار بے غرض کام کرے۔ خدا سے ڈرے، مخلوق کا خیال کرے مگر موردِ لعنت ہی رہے گا۔

ساڑھے گیارہ سال دکن کی وزارت کی اور مختلف اقوام کی خدمت گزاری کو خدا کے واسطے اپنا فریضہ سمجھ کر بلا رو رعایت ہر قوم کی خدمت کو اپنی ڈیوٹی اور فریضہ سمجھ کر بغیر کسی نکسیر پھوٹنے کے، سب کو ٹھنڈے دل سے لے کر چلا تو اس پر آپ کے لاہور کے اخبار میں لکھا تھا۔ ''آصف جاہ کا نمک کھانے سے کشن پرشاد کا خون سفید ہو گیا ہے'' ۔ اور ایک نے لکھا تھا کہ ''محمدؐ کی تعریف لکھنے والا ہرگز ہندو نہیں ہو سکتا'' مگر آج کوئی پوچھنے والا ہے کہ اتنے ہندوؤں نے جو شریک ہو کر میت کی نماز بھی پڑھی اور پانی بھی پیا کس کے نمک کے اثر نے ان کا خون سفید کر دیا تھا اور وہ کس طرح ہندو رہے۔ اور جن کی یگانگت کی بدولت مظلوم جو مارے گئے اُن کے خون سے کون سے بدخشاں پیدا ہوئے۔ اور اس سرپھٹول کو صرف بے غرض اور خدا کے واسطے کس طرح تعبیر کیا مگر کون پوچھنے والا۔ جب میں جانوں کہ غرض - - - کو ترک کرکے صرف ایک برہم یا خدا کے واسطے ہندو مسلمان ایک ہو جائیں اور اس وقت ہندو محمدؐ کا کلمہ پڑھیں اور مسلمان گائے کشی چھوڑ دیں اور رام اور کرشن کو پیغمبر برحق جانیں، مگر ایں خیال است و محال است و جنوں۔ خیر بہر حال خدا دونوں میں ایسا اتفاق دے کہ خدا کے واسطے ہو اور کسی وقت بھی دونوں غیریت کے اثر سے محفوظ رہیں اور وہ اُن کی جے منائیں اور یہ اُن کی جے منائیں۔ اور گورنمنٹ کی اطاعت کو بھی اپنا فریضہ سمجھیں اور

گورنمنٹ اپنی رعایا کو وفادار اور جان نثار مانے ، سب باہم شیر و شکر رہیں اور یہ گھٹا جو چھائی ہے ، یہ سیاہ بادل دن کی روشنی کے ساتھ دور ہو جائے اور ان اقوام کے لیڈروں پر رحمت خدا کی جن میں ہمدردی پیدا ہو چلی ہے ۔ خدا کرے کہ ہمارے دکن میں بھی ہمدردی بلا شور و شر پیدا ہو جائے اور اللہ کے واسطے یگانگت اور اتفاق پیدا کریں ۔

فقیر شاد

(۳۰)

سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن

۳ مئی ۱۹ع

مائی ڈیر اقبال !

مودت نامہ محررہ ۲۵ ۔ اپریل ۱۹ع[1] وصول ہو کر موجبِ ازدیادِ مسرت ہوا ۔ فی الواقع آپ کا یہ فقرہ ”جو مسائل انسان حل نہ کر سکے ، اب معلوم ہوتا ہے کہ قدرت خود انھیں حل کرنا چاہتی ہے“ عجب جامع و مانع ہے ، جس نے نہ صرف ملک ہند بلکہ تمامی ایشیا اور یورپ کے حالاتِ موجودہ اور واقعاتِ حائلہ کا فوٹو کھینچ دیا ہے ۔ خدا اپنا فضل کرے ۔ مگر آپ نے جو رامائن کو آردو نظم میں لکھنے کا ارادہ کیا ہے ، خدا مبارک کرے اور آپ کے اس عزم کو تکمیل کی حد تک پہنچائے ۔

حقیقةً آپ کا یہ عزم نہایت ہی مبارک عزم ہے ۔ افسوس کہ

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۷۸ ۔

مسیح جہانگیری نے جو رامائن کو فارسی نظم میں لکھا ہے، وہ شاد کے کتب خانے میں موجود نہیں ورنہ ضرور ایصال کی جاتی۔

الحمدللہ کہ خطۂ دکن صانہ اللہ عن الشرور و الفتن اب تک ان آفاتِ ناگہانی سے محفوظ ہے۔ مگر حقیقتاً رولٹ بل کے سب احکام ازل سے دیسی ریاستوں میں جاری ہیں۔ خدا ہی اصلاح کرے۔ صرف ہندوستان میں نئی بات اس لیے معلوم ہوتی ہے کہ گورنمنٹ نے ہاتھ دکھا کر لچھن دکھائے۔ ایک مرض مزمن ہوتا ہے۔ اس کو کوئی پوچھ کر نہیں دیکھتا۔ مگر وہی انفلوئینزا ایک دوسرے نام اور رنگ و روپ میں آیا، ساری دنیا میں بدنام ہوا۔ مدقوق معلول ہزاروں مرتے ہیں، کوئی پوچھتا نہیں۔ خدا نے دکن کی سرزمین والوں کے دلوں سے محبت، غیرت، خود داری کے مادے کو فنا کر دیا ہے۔ الٰہی فضل چاہیے تیرا۔ خیالات سے لوگوں نے یہ امید کر رکھی ہے کہ ان فضولیوں سے ایک بڑی حکومت زیر کر لیں گے۔ اگر مان بھی لیا جائے تو ہندوستان کے نصیبوں میں حکومت نہیں لکھی ہے۔ وہی طوق نصیب ہے۔ ایک طوق کے عوض دو ہوں گے یا ایک طوق نکل کر دوسری پھانسی نصیب ہوگی۔ ہندوستان کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے:

تو برونِ در چہ کر دی کہ درونِ خانہ آئی

کیا اس جہالت اور سمجھ پر کہ زندہ لوگ جلا دیے جائیں اور اپنا آپ نقصان کریں۔ پھر یہ امیدیں رکھنا کہ ہم حکومت کرنے کے قابل ہیں۔ سبحان اللہ! واللہ دریں چہ شک۔

اگر گورنمنٹ کا توسط درمیان میں نہ ہو تو آپس میں جوتی پیزار کا نقشہ اچھے سے اچھا آرٹسٹ بھی نہ کھینچ سکتا اور نہ مظالم

کی کوئی حد ہوتی ۔ باوجودے کہ خار کھٹکتے ہوئے ہیں ، اپنے مظالم اور نااتفاقیوں اور غرور اور خود پرستیوں کی اصلاح کرنا تو کجا ، عیب کی نظر سے بھی نہیں دیکھتے ، بلکہ اب ان میں یہ کسر باقی ہے کہ انا الحق کہیں ۔ خدا اس گورنمنٹ کے سائے میں عدل اور رحم کے ساتھ باقی رکھے ۔

فقیر شاد

(۳۱)

سٹی پیلس پیشکاری حیدرآباد دکن

۲۳ ستمبر ۱۹ع

مائی ڈیر اقبال !

شاید آپ نے دور افتادہ شاد ناشاد کی یاد دل سے محو کر دی ۔ ہر وقت چشم انتظار کرتی رہتی ہے کہ پیارے اقبال کا محبت نامہ آئے اور مژدۂ خیر و عافیت سے شادمانی حاصل ہو ۔ خدا کرے کہ عدیم الفرصتیِ کارِ لاحقہ کے سوا اور کوئی امر حارج و مانع نہ ہو ۔ حیدر آباد میں ظہور امام کی کیفیت تو خدائی پر روشن ہے مگر حشر کیا ہوتا ہے ؟ اس کا علم بجز خدائے علام الغیوب کے کسی کو نہیں ۔ الحمدللہ کہ ابھی تک تو اس فقیر کے ساتھ ان کے وہی دوستانہ برتاؤ ہیں جو پہلے تھے ۔ اخِ معظم ہی کے لفظ سے یاد کرتے ہیں مگر دیکھیے رفتہ رفتہ حیدر آباد کی ہوا کیا رنگ دکھاتی ہے ۔ دوستانہ برادرانہ کی شان باقی رہے تو کافی ہے ۔ خدا نہ کرے کہ برادرِ حقیقی کی محبت کی شان دوستانہ میں شریک ہو جائے ۔ اگرچہ ان کے شریفانہ خیال سے یہی توقع ہے کہ استقلال کو ہاتھ سے نہ

دیں گے ، تاہم زمانے کو کروٹ بدلتے کیا دیر لگتی ہے - بہرحال خدا اپنا فضل کرے - پیارے ! نہ آتے ہو نہ شاد کو بلاتے ہو - خیر !

بہر جائے کہ باشی شاد باشی
الٰہی با مراد آباد باشی

اس تحریر کے بعد ہی محبت مشعر شکریہ عید کارڈ وصول ہوا - اس کا شکریہ - یقین کہ آپ مع الخیر ہوں گے اور مژدۂ صحت سے جلد شاد فرمائیں گے -

فقیر شاد

(۳۲)

۱۴ - اکتوبر ۹ ۱ع

مائی ڈیر اقبال !

محبت نامہ رقمزدہ ۷- اکتوبر ۹ ۱ع[1] وصول ہو کر موجبِ شادمانی ہوا - مثنوی 'خمار شاد' کے متعلق آپ نے جن الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ، وہ آپ کی محبت اور حسنِ ظن پر دال ہے - لیکن فی الحقیقت شاد کو اس مثنوی سے دادِ سخن لینی منظور نہیں بلکہ مجبور ہو کر ان حضرات اہلِ اسلام اور مہاتما ہندو بھائیوں کی مہربانیوں کا جواب پیش کیا ہے جو شاد کے متعلق انواع و اقسام کی چہ میگوئیاں فرماتے رہتے ہیں - اگرچہ بڑا جواب تو یہی تھا کہ :

جوابِ جاہلاں باشد خموشی

مگر ان حضرات کا رفعِ شک بھی ضروری تھا ، اس لیے چند

۱- اقبال - خط نمبر ۸۰ -

اشعار موزوں کرکے ہدیۂ احقر پیش کر دیا ۔

سر علی امام صاحب کی نسبت آپ نے جو تحریر کیا ہے ، شاد بھی اس میں آپ کا ہمزبان و ہم خیال ہے ۔ لیکن میں اپنے ذاتی تجربے سے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حیدر آباد کی آب و ہوا اور یہاں کی حکومت خود مختارانہ کے طرز اور تعلقات کے اعتبار سے اقبال جیسا مخلص بھی کسی وقت مجبور ہو کر :

زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

پر عمل کرے تو کوئی تعجب نہیں ۔ معاف کیجیے اس زمانے میں اس وضع اور آن بان اور محبت کے پکے بے غرض اور زمانہ سازی کے دام میں نہ آنے والے ، مستقل مزاج اور دوستی کے پکے اول تو عنقا ہیں ، اگر ہیں بھی تو کوئی ہو گا ۔ جیسے گوگرو اور کیمیا کی ہستی یقین اور شک کے درمیان ہی ہے ۔

آپ تو گھر بیٹھے موسم سرما کے آغاز اور لاہور میں چہل پہل اور بازاروں میں طلبہ کے جھنڈوں کے لطف اٹھا رہے ہیں مگر یہاں بے دست و پائی و قیدِ تنہائی ۔

خدا تعالیٰ ایسا کرے کہ اقبال کے ساتھ ظہور امام مبارک ہو اور شاد کو بھی خوشیاں منانے کا موقع ہاتھ آئے ۔

پیارے اقبال ! اب تو دل اچھی صحبتوں کو ترس گیا ۔ بلدہ ایسے نفوس سے خالی ہوگیا اور ہو رہا ہے ۔ خدا اپنا فضل کرے ۔ یقین ہے کہ آپ مع الخیر و العافیت ہوں گے ۔

فقیر شاد

(۳۳)

۸ دسمبر ۱۹ ع
مائی ڈیر اقبال !

تحریرِ سابقہ کے جواب کا انتظار کرکے دوسرا خط روانہ کیا جاتا ہے ۔ خدا کرے کہ اسبابِ تاخیر باخیر ہوں اور جلد مژدۂ خیر و عافیت سے شاد کو شادمانی حاصل ہو ۔

چونکہ موسم سرما شروع ہو گیا ہے ، بدیں لحاظ یہ بھی خیال آتا ہے کہ کہیں سردی طبیعت پر غالب آ کر سردمہری کی طرف رجوع نہ کردے ۔

کیا دکن کے اس انقلابی دور میں بھی دور ہی دور سے صاحب سلامت کا ارادہ ہے یا مصافحہ و معانقہ کی بھی ٹھہرے گی ۔

بندۂ خدا ! آخر اس انتظار در انتظار کا دور اور تسلسل کب تک قائم رہے گا ۔ اگر ہر ابتدا کے لیے انتہا لازمی ہے تو اس کی انتہا کا وقت کب آئے گا ۔

لاہور میں تو آج کل کرسمس اور جشن صلح کی بڑے پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہوں گی اور آپ نے بھی اس میں کوئی حصہ ضرور ہی لیا ہو گا ۔ یہاں صاحبِ عالی شان کے وداعی اور اگزیکٹو کونسل کے افتتاحی ڈنر بڑی دھوم دھام سے ہو رہے ہیں ۔ فقیر شاد کو بھی رنج و طرب دونوں میں کسی نہ کسی طرح کچھ نہ کچھ حصہ لینا پڑتا ہے ۔

اس الوداع و خیرمقدم نے حیدر آباد کو برزخ بنا رکھا ہے ۔ یقین کہ آپ مع الخیر ہوں گے ۔

فقیر شاد

(۳۴)

۱۹ دسمبر ۱۹ء
مائی ڈیر اقبال !

مودت نامہ رقمزدہ ۱۵ دسمبر ۱۹ء[1] وصول ہو کر موجبِ طمانیت ہوا ۔ حیدر آباد میں جشنِ صلح نہایت اعلیٰ پیمانے پر منایا گیا ، جس کا پروگرام اخبارات میں درج ہو چکا ہے ۔ آپ کی نظر سے ضرور ہی گزرا ہوگا ، لہذا اس کا اعادہ بیش از ضرورت ہے ۔ صرف یہ امر ذکر کے قابل ہے کہ جس طرح بلادِ ہند کے اکثر بڑے چھوٹے شہروں یا قصبوں میں عدمِ شرکت کے متعلق کمیٹیاں اور جلسے باتفاق برادرانِ اسلام و ہنود منعقد ہوئے اور کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے ، خدا کے فضل و کرم سے یہاں بالاتفاق تمام اقوام شریک ہوئیں ۔ بڑی دھوم سے اس کارِ خیر کا انجام ہوا ۔ نہ کوئی سیاسی مسئلہ حائل ہوا نہ اقتصادی نہ مذہبی ۔ میری دانست میں یہ اچھا ہوا ۔ کاش اور جگہ بھی کچھ نہ کچھ اسی طرح ہوتا ۔

جس نقطۂ نظر سے جشن نہ منانے میں حصہ لیا جا رہا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ طریقہ باعثِ حصولِ مراد ہے ، خدا کرے کہیں ایسا ہو بھی ۔ مگر معاف کیجیے کہ اس کی وقعت صرف خواب و خیال کی حد تک ہے ۔ البتہ ایک بات اچھی طرح سے کھلے بندوں ظاہر ہوتی ہے ، وہ یہ ہے کہ سب سامان صرف گورنمنٹ کو ستانے اور چڑانے کے ہیں ورنہ یہ میل اور اتحاد ہندو مسلمانوں کا خلوص پر مبنی نہیں ہے ۔ اگر زمامِ حکومت کسی ایک فریق کے قبضۂ قدرت میں ہونے کے بعد من تو شدم تو من شدی کا عملی ثبوت دیتے ، زیادہ تر وقعت کے قابل بات تھی ۔ بااین ہمہ نہ ان کے صفحۂ دل

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۸۱ ۔

سے لفظ (کفر) کا کفارہ دیا جائے گا، نہ ان کے قلوب سے برہشٹ چانڈال کا سنکلپ دور ہوگا، نہ پراچیت دبں گے۔ خیر یہ بھی ایک بے کار رہنے سے باکار رہنے کا شغل ہے۔ بندہ تو اب تماش بینوں کی شمار قطار میں ہے۔ نہ پالیٹکس سے غرض، نہ کسی کا طرفدار، نہ کسی کا مخالف۔ پہلے ہی سے معمولی دل و دماغ کا آدمی ہوں۔ اس بے کاری نے اور بھی نکما کر دیا۔ ٹک ٹک دیدم ہمہ شنیدم یک نہ گفتم" کا مصداق ہوں۔ "رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند" یا آپ سے عقلمند اور حکماء و صاحبِ تدبر جانیں کہ اس ستیہ گرہ میں کیا رکھا ہے اور اتحاد میں کون سا راز ہے۔ اگر کبھی کوئی دانا سمجھا دے گا یا سنا دے گا تو سن لیں گے اور نتیجہ نکلنے پر یقین کر لیں گے۔ بغیر نتیجہ دیکھے کسی بات کا یقین کرنا میرے لیے دشوار تر ہے۔ بدبختی سے تجربے نے بہت سی ایسی باتوں کا نتیجہ بالعکس دکھایا ہے اس لیے شک و گمان زیادہ دلفریب ہو چلا ہے۔

مولانا اکبر کے رین بسیرے کی کیفیت قبل ازیں حضرت خواجہ صاحب قبلہ کی تحریر سے معلوم ہوئی تھی۔ چنانچہ فقیر شاد نے ایک ٹوٹی پھوٹی نظم بھی رین بسیرے کے نام سے لکھ بھیجی تھی۔ یقین ہے کہ آپ کے قیامِ دہلی کے وقت ضرور آپ کی بھی نظر سے گزرے گی۔ اس اتحادِ ثلاثہ پر موحّد تو درکنار اہلِ تثلیث کو بھی رشک آئے بغیر نہیں رہ سکتا مگر فقیر شاد کا تو ترجمان اصلی یہ ہے کہ:

رشک بر تشنۂ تنہا روِ وادی دارم
نہ بر آسودہ دلانِ حرم و زمزم شان

یقین ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

فقیر شاد

(۳۵)

۱۸ - اکتوبر ۱۹۲۲ء

مائی ڈیر اقبال !

تاخیرِ نامہ نگاری امتحانِ وفاداری میں فیل نہیں ہو سکتی - بہت دن سے آپ نے فقیر شاد کو یاد سے شاد نہیں کیا تھا - کل آپ کو خط لکھا - ابھی وہ روانہ بھی نہیں ہوا تھا کہ آپ کا خط رقمزدہ ۱۱ - اکتوبر ۲۲ء[1] مع قطعہ تاریخ پہنچا - اب بھی اگر ولایت کے اقرار اور کشش صادق کے اعتراف سے چشم پوشی کریں تو ستم ہے - آپ جو لکھتے ہیں کہ جو پیغام حضرت شاہ تاج الدین صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا ، اس کا جواب فقیر شاد کو پہنچے گا ، مگر کب تک پہنچتا ہے ، اس کا انتظار ہے - اس گیارہ سال میں ان حضرات نے ، جو گوشۂ تنہائی میں بیٹھے ہوئے سارے عالم اور اسرار الٰہی کی سیر میں مصروف ہیں ، اس قدر پیشین گوئیاں اس خاکسار کے متعلق ایسے تعجب خیز الفاظ میں کی ہیں کہ کہتے ہوئے جھجکتا ہوں - مگر خدا کی شان ایسی ارفع و اعلیٰ ہے کہ بایں ہمہ ان لوگوں کو بھی خبر نہیں کہاں سے کیا سن کر کہا اور کیوں وہ پیشین گوئیاں ظہور میں نہیں آئیں - ہر پیشین گوئی بجائے خود راز ہی رہا - آیندہ دیدہ - علم خدا ، نجومی ، رمال ، جفار علیٰ قدر مراتب احکامی دنیا میں بہت کچھ کہہ گزرے مگر وقوع پذیر نہ ہوئے - حشر میں دونوں ایک ہی جگہ کھڑے ہیں - جل جلالہ و عم نوالہ -

---

۱- اقبال - خط نمبر ۸۶ -

تاج الدین بابا کا حکم اور پیشین گوئی کیا ایسی ہی ہو سکتی ہے کہ جس کا ظہور نہ ہو ؟ مگر وہ کیا بات ہے کہ آپ کو تو یہ خیال ہے کہ مجھے اطلاع ہو چکی ہوگی ، یعنی وہ منشا ظہور پذیر ہوا ہوگا ۔ چنانچہ اسی خیال نے آپ کو اخباری احکام پر یقین کرایا اور آپ نے تاریخ تک لکھ بھیجی اور یہاں بقول کسے : ساون ہرے نہ بھادوں سوکھے ۔ الآن کما کان کی سیر میں مصروف ہیں ۔ سب کچھ ہو رہا ہے اور ہوگا ۔ مگر آپ سے کب ملاقات ہوگی ؟ یہ بھی شاید انھی اسرار میں شامل ہوگیا ہے ۔ بہرحال مجھے اطلاع ہونے کا ثبوت کیا ہے ؟ اس کی صراحت کیجیے ۔ یہ اور بات ہے کہ :

بڑھا دیتا ہوں ہم جنسوں کا رتبہ
مثالِ نقطہ گو بے کار ہوں میں
تأمل سے مجھے دیکھو تو جانو
کہ اک گنجینۂ اسرار ہوں میں

پیارے اقبال ! یہاں نہ وزارت ہے نہ صدارت ۔ ہاں اخباری دنیا میں اور پبلک کی زبانوں پر سب کچھ ہے ۔ انقلابِ عالم کے ذاتی تجربے نے فقیر شاد کو ہستیٔ انسانی کا ایک راز بنا رکھا ہے ۔ آپ کا قطعہ آپ کی اخلاص مندی کا ایک آئینہ ہے ۔ فقیر اس کو اس وقت تک محفوظ رکھتا ہے جب تک کہ پردۂ راز سے معشوق کامرانی کی جلوہ نمائی ہو ۔ وقت پر سب کچھ ہوگا ۔ ابھی تو خلق عالم کی زبان کو نقارۂ خدا سمجھے ہوئے ہوں ۔

فقیر شاد

(۳۶)

یکم نومبر ۱۹۲۲ع

مائی ڈیر اقبال !

محبت نامہ رقمزدہ ۲۶ - اکتوبر ۲۲ع[1] وصول ہوا - فقیر شاد یاد آوری سے شاد کام ہوا - ایڈوکیٹ ہو یا پیسہ اخبار ہو ، وکیل امرتسر ہو یا استقلال کانپور ، اخبار اصولاً سماعی خبروں کو وثوق کا جامہ پہنا دیا کرتے ہیں - اخبارات ہی پر کیا منحصر ہے ، امرا کے درباروں ، والیانِ ملک کی سرکاروں ، پبلک کی زبانوں پر یہ خبر وثوق کے ساتھ گشت لگا رہی ہے - تار پر تار ، خطوط پر خطوط لگاتار مبارک بادیوں کے آ رہے ہیں مگر فقیر کو موجودہ انقلاب کے ذاتی تجربے نے ہستیٔ موہوم امید کا ایک راز بنا رکھا ہے - زمانے کے تغیرات کو چشمِ عبرت سے دیکھ رہا ہوں - آسمان کی گردش ، زمین کی حرکت پر نظر ڈال رہا ہوں اور زبانِ حال سے غالب ہمنوا کے یہ دو شعر پڑھ رہا ہوں :

گرچہ ہوں دیوانہ پر کیوں دوست کا کھاؤں فریب
آستیں میں دشنہ پنہاں ، ہاتھ میں خنجر کھلا
گو نہ سمجھوں اس کی باتیں ، گو نہ پاؤں اس کا بھید
پھر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا

آج ایک خط بابا جمال الدین صاحب کا (یہ صاحب بابا تاج الدین کے مرید خاص سنے جاتے ہیں جو نئی بات ہے کہ مجذوب کا کوئی مرید نہیں ہوا اور نہ مجذوب کسی کو مرید بناتا ہے - بنایا تو اپنا سا

۱- اقبال - خط نمبر ۸۷ -

البتہ بنایا ۔ بہرحال وہ پانچ چھ مہینے قبل یہاں آئے تھے) دربار تاج الاولیاء سے فقیر کو وصول ہوا ، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں :

"... زبانی یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس کو بلاؤ ، لہذا تم بدیدن خط ہذا حاضر دربار ہونے کی تیاری کرو ۔"

فقیر شاد متحیّر ہے کہ کیا کرے ۔ جائے یا نہ جائے ۔ اگر آج کل کی خبروں کو پیشِ نظر رکھ کر وہاں جاتا ہے تو کہنے والے یہی کہیں گے کہ امید اخبار کی تائید کو گئے ہیں ۔ نہیں جاتا تو ان کی یاد فرمائی کی (اگر حقیقتاً ہونے کی صورت میں) عدول حکمی ہوتی ہے ۔ بلائے فرقتِ لیلیٰ و صحبتِ لیلیٰ کا مضمون ہے ۔ اس بارے میں آپ کا مشورہ کیا ہے ؟ یوں تو بقول آپ کے میں نے بھی عرضی بھیجی کہ اگر بلانا ہے تو سامان ویسے کردیجیے کہ اعتراض نہ کریں ۔ اس کا جواب ابھی تک نہیں آیا ۔

فقیر شاد

(۳۷)

۱۹ نومبر ۱۹۲۲ء

مائی ڈیر اقبال !

آپ کا خط رقمزدہ ۱۱ نومبر ۱۹۲۲ء[1] وصول ہوا ۔ یاد آوری سے فقیر شاد شادکام ہوا ۔ جس روز تاج الملتہ والدین کے حکم کے مطابق آپ کو خط لکھا ہے ، اسی روز یا شاید اس کے دوسرے روز بابا جمال الدین صاحب ناگپور سے یہاں آئے ۔ انھوں نے بھی وہی کہا

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۸۸ ۔

جو آپ کو خط میں لکھا گیا ہے اور وہی جواب دیا گیا ہے کہ اگر حضرت کو فقیر شاد کے لیے حکم حضوری ہے تو باطنی کشش کی ضرورت ہے ورنہ ظاہری احکام پر پیشگاہِ خسروی میں رخصت کی درخواست پیش کرنا اور وہاں سے رخصت کی منظوری ہونا نہ ہونا اور پھر اس رخصت طلبی پر خیالات کا طوفان اٹھنا یہ ایک محال اور خلافِ مصلحت ہے۔ دو تین روز بابا جمال الدین صاحب یہاں سہان رہ کر واپس گئے ہیں اور یہ کہہ کر گئے ہیں کہ وہاں پہنچتے ہی احکامِ حاضری جاری کراؤں گا:

بہ بینم کہ تا کردگارِ جہاں
دریں آشکارا چہ دارد نہاں

۷ ربیع الثانی ۱ھ کو ایک اور فقیر زادی کی شادی ہے۔ آج کل تو فقیر شاد اس بار سے سبکدوش ہونے کی فکروں میں مصروف ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اور لڑکیوں کے فرض سے بھی اسی طرح سبکدوش فرمائے۔ بحقِ محمدؐ و آل محمدؐ۔

جس بیگم کا چار دن ہوئے انتقال ہوا، اس کے سات بچے ہیں۔ پانچ لڑکیاں اور دو لڑکے۔ لڑکیاں سب شادی کے قابل ہیں اور یہاں کوئی لڑکے اچھے نہیں ملتے۔ تعلیم یافتہ ہیں تو مالی حالت اچھی نہیں۔ اگر مالی حیثیت اچھی ہے تو تعلیم ٹھیک نہیں۔ اسی فکر میں ہوں۔ خدا اس مشکل کو آسان کرے۔

پیارے اقبال! حضرت تاج الملۃ والدین تو جب باطنی جذبات سے کام لیں گے، اسی وقت ان کی قدمبوسی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ آپ کی ملاقات تو ظاہری کشش پر منحصر ہے۔ جب آپ اپنے جذباتِ ظاہر سے کام نہیں لیتے، یعنی نہ یہاں آتے

ہو نہ مجھے بلاتے ہو ، تو حضرت بابا صاحب تو بے نیاز حاکم باطن ہیں ۔ پہلے آپ تو اپنی ظاہری کششِ صادق سے کام لیں ۔ یا یہاں آئیے یا مجھے وہاں بلوائیے :

مدت ہوئی ہے سیر بیاباں کیے ہوئے

الحمد للہ والمنتہ کہ فقیر مع وابستگان و متعلقان بہمہ وجوہ بخیر و عافیت ہے ۔

فقیر شاد

(۳۸)

۱۳ دسمبر ۱۹۲۲ء

مائی ڈیر اقبال !

دعوتی کارڈ کا چند روز کے بعد جواب آیا ۔ شکریہ ! لاہور سے دکن کوسوں کے شمار سے بے شک دور ہے ، مگر ارادے کے لیے کچھ ایسا دور نہیں سمجھا جا سکتا ۔ شاد اپنی کششِ باطنی میں اگر مشہور نہیں تو بفضلہ ایسا کمزور بھی نہیں ۔ مگر آپ کی کشش بھی تو میرا ہاتھ بٹائے اور زور دے ۔ اگر اقبال اپنی پوری کشش کو صرف میں لائے تو شاد کو قطبِ جنوبی سے قطب شمالی بن جانا کچھ دشوار نہ تھا ۔

الحمد للہ کہ ایک اور دختر کے فرض سے بخیر و خوبی سبکدوش ہوا ۔ خدائے بزرگ سب بچوں کے فرض سے اسی طرح حسبِ دل‌خواہ سبکدوش فرمائے ۔ آمین ثم آمین !

اعلٰی حضرت مدظلہ العالی نے بھی مع محلات رونق افروزِ شادی ہوکر شاد کو مفتخر و شاد کام کیا ۔ تاریخِ آصفیہ میں یہ

پہلی نظیر ہے کہ بادشاہِ وقت شریکِ شادی ہوا ہو اور خاتون تاجدار نے پورے رسومات میں حصہ لیا ہو ۔

شادی کے بعد ایٹ ہوم میں تمام امرائے عظام بلدہ اور تمام عہدہ دارانِ سلطنت نے شرکت فرما کر فقیر شاد سے شکر گزاری کا عملی وعدہ لیا ۔

آپ کی ملاقات کے لیے دل بے چین ہے ۔ خدا وہ دن کب لائے گا کہ اقبال ہم جلیسِ شاد اور شاد باقبال شاد کام ہوگا ۔ یا رب ایں آرزو را بر سا ۔

آپ کی ملاقات کے ساتھ حضرت تاج بابا سے شرف اندوز ہونے کا از بس خیال ہے ۔ خدا اس ارادے کو کامیاب کرے ۔

فقیر شاد

(۳۹)

۴ جنوری ۱۹۲۳ع

مائی ڈیر اقبال !

آپ کا خط مورخہ ۲۹ دسمبر ۲۲ع[۱] میرے دو خطوں کے جواب میں آج ۴ جنوری ۲۳ع کو وصول ہوا ۔ معلوم ہوا کہ آپ ۲۲ع کے خط کا جواب ۲۳ع میں دیتے ہیں ۔ ایں ہم غنیمت است ۔ فقیر شاد اس دیر یاد آوری سے بھی شادکام ہے ، شکریہ ۔ خارجاً سنا گیا ہے کہ یکم جنوری ۲۳ع کو آپ کو سر کا خطاب برٹش گورنمنٹ سے عطا فرمایا گیا ہے ۔ فقیر شاد یہ سن کر بے حد خوش ہوا اور دلی خوشی کے ساتھ آپ کو مبارکباد دیتا ہے ۔ آپ

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۹۰ ۔

اس کی تصدیق اپنے قلم سے کیجیے ۔

آپ کا یہ خط میرے خط مورخہ ۱۹ نومبر ۲۲ء کا جواب ہے ، جس میں میں نے لکھا تھا : ''یہاں لڑکے اچھے نہیں ملتے ۔ تعلیم یافتہ ہے تو مالی حیثیت اچھی نہیں ۔ اگر مالی حیثیت اچھی ہے تو تعلیم ٹھیک نہیں ۔'' آپ نے میرا منشا پا لیا اور میرے خیالات کا اندازہ کر لیا ۔ موجودہ حالت اور تغیرات کی رفتار کا نتیجہ میرے پیش نظر ہے ۔ یہاں کی آئے دن کی تبدیلیاں صیغۂ امارت و ثروت کے مستقبل کو تاریک کرنے کا وعدہ کر رہی ہیں ۔ بڑے بڑے گھر تباہ حالت میں ہیں ۔ ایسی حالت میں مآل اندیشی سے کام لینا ضروری ہے ۔ اولاد کے متعلق اپنے فرائض کا تیز احساس میرا فرض ہے ۔

حیدرآباد کی امارت و ثروت کا وجود صرف احتیاط اور استقلال و عاقبت اندیشی کے تابع ہو گیا ہے ۔ لڑکیوں کی شادی دور و نزدیک پر منحصر نہیں بلکہ ان کی آیندہ زندگی اطمینان و خوش حالی کے ساتھ گزرنے پر منحصر ہے ۔

اس وقت بفضلہ پانچ لڑکیاں بیاہ شدہ ہیں، جن میں دو رانی زادیاں ۔ ایک کا باپ پنجابی تھا مگر لڑکا کم‌سنی سے حیدر آباد کے ایک جاگیردار کا متبنٰی ہوا ۔ اس کا نام تارا چند ہے ۔ صرفِ خاص جو خاص اعلیٰ حضرت کے خانگی مصارف کا صیغہ کہلاتا ہے ، جس کی آمدنی ایک کروڑ ہے ، وہاں کے ایک صیغے کا سررشتہ دار ہے ۔ پانسو ماہوار پاتا ہے ۔ بہرطور تبنیت اور ملازمت دونوں کے اتفاق نے اس کو فارغ البال کر دیا ہے ۔ صاحبِ اولاد ہے ۔ ایک لڑکی جوان ان بیاہی ایک سال کے آگے والدین کو ہمیشہ کے لیے

چھوڑ گئی - اب پھر امید . . . . اس بارگاہ بے نیاز سے ہے مگر لڑکا پہلے درجہ کا . . . . ہے - اس عیب نے سب خوبیوں کو خاک میں ملا دیا -

دوسری اس کی ہمشیر : ایک پنجابی زادہ جو مہاراجہ کشمیر کے پاس خانگی ملازم تھا ، اب پنشن پاتا ہے ، اس کا لڑکا ہے - نام اس کا کچھ اور تھا - شاد نے اس کا نام اقبال چند رکھا - والد کی حالت فارغ البالی کی پہلے سنی جاتی تھی - مگر بعد بیاہ کے معلوم ہوا کہ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم - سارا بار پرورش کا میرے ذمے پڑا - مگر نوشت و خواند میں کارگزاری کے قابل تھا - پولیس اضلاع علاقۂ دیوانی میں ملازم بحکم حضور ہوا ہے - اڑھائی سو پاتا ہے - امید یہ تھی کہ تعلیم یافتہ ہونے کے باعث مرضی کے موافق ہوگا اور باپ کی ملنسار شریفانہ طبیعت سے بھی زیادہ توقع تھی مگر . . . . راضی برضا ، کیا کیا جائے - سنگ آمد و سخت آمد - لب اپنے دانت اپنے - کیا کیا جائے - بہرحال گزر رہی ہے - ان اوصافِ حمیدہ کے ساتھ احسان فراموش - سنگ در آتش -

تیسرا بیگم زادی سے منسوب ہے - میر خورشید علی نام ہے ابن میر لیاقت علی - لیاقت جنگ سے مخاطب ہوا ہے - یہ لڑکا انگریزی میں اچھا ہے - اردو میں ترقی کی - صیغۂ مال گزاری پر ملازم ہے - تین ساڑھے تین سو کی اس وقت یافت ہے - باپ فارغ البال ہے - سالانہ چھ سات ہزار کی آمدنی ہے - تعلقدار اول تھا - اب پنشن خوار ہے - طبیعت میں دہریت زاید - چنانچہ فرزند ارجمند میں بھی اثر آ چکا تھا مگر شاد نے بہت زیادہ حصہ اس کے اس خیال کے رفع کرنے میں لیا - الحمد للہ کامیاب ہوا - اب وہی فرزند ، جو باپ کی ہر بات

کو فرض من السماء سمجھتا تھا، امتیاز کرتا ہے کہ دہریت سخت عیب ہے۔ نماز روزہ اور فرائض کا پابند، سپورٹس مین ہے۔ طبیعت میں شرافت دلی اور رکھ رکھاؤ کا بھی اچھا .... مگر خیرالامور اوسطہا کا حکم رکھتا ہے۔

چوتھا ایک جاگیردار کا لڑکا ہے۔ خورشید علی کی سالی حقیقی اس لڑکے سے منسوب ہے۔ نوشت و خواند بالکل معمولی ....

حال میں جو شادی ہوئی ہے وہ پانچویں ہے۔ لڑکا رایل فیملی میں شمار کیا جاتا ہے۔ علم میں چوتھے نمبر والے کے برابر اور طبیعت چاروں سے بھی اس وقت اچھی اور بھلی معلوم ہوتی ہے۔ مستقبل کی خبر خدا جانے۔ مرفہ الحال ہے۔

اب آپ ان سب کی ہسٹری پڑھ کر جو رائے دیں گے اور پتہ دیں گے کہ کون سے لڑکے ہیں اور کس حالت کے ہیں۔ ابھی دس لڑکیاں ہیں، جن میں دو رانی زادیاں ہیں۔ ایک بالغ و ہوشیار دوسری دو سال کی۔ آٹھ بیگم زادیاں ہیں، جن میں ایک پانچ سال کی ہے، دوسری آٹھ سال کی۔ باقی دس اور بارہ کے درمیان میں تین ہیں اور چودہ اور انیس کے درمیان پانچ ہیں۔ مرحومہ بیگم کی بھی پانچ ہیں، جن میں چار چودہ اور اٹھارہ کے درمیان ہیں اور ایک پانچ سات کے درمیان میں۔ دو کے متعلق حضور کا خیال ہے کہ اپنے صاحبزادوں سے منسوب کریں۔ واللہ اعلم۔ ابھی نقش بر آب ہے۔ اگر دو ہیں تو پھر تین کے لیے ضرورت ہے۔ غرض یہاں کے حالات کے لحاظ سے شاد ہر طرح مجبور، اور بار گراں سے ہر طرح سبکدوش کس طرح ہو، اس فکر میں ہوں۔ مگر بھروسہ مالکِ حقیقی ہی سے ہے۔

فقیر شاد

(۴۰)

۱۱ فروری ۱۹۲۳ء
مائی ڈیر سر اقبال!

محبت نامہ رقم زدہ ۲۸ جنوری ۲۳ء[1] الوال میں مجھے ملا۔ الوال میری جاگیر کا ایک مقام ہے، جہاں ہر سال سری بالا جی کی جاترا ہوا کرتی ہے۔ اس سال وہاں ملکی مصنوعات کی نمائش بھی ہوئی تھی۔ تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کا مجمع تھا۔ غیر معمولی کامیابی کے ساتھ یہ جاترا ہوئی۔ اعلیٰ حضرت اور ریذیڈنٹ اور نیز تمام امرائے عظام اور عہدہ داران برٹش و سرکار نظام وہاں آئے تھے۔

پانچ چھ دن ہوئے کہ وہاں سے واپس آیا ہوں۔ آپ کے خطاب کے متعلق ایک بد معاش نے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ ذیل کا قطعہ لکھ کر مقامی اخبار ''رہبر دکن'' میں چھپوایا:

کے مردِ حق اسیرِ کمندِ ہوا شود
گر سر ز تن جدا و تن از سر جدا شود
تاریخِ نو خطاب سرافراز آمدہ
اقبال را چو قلب کنی لابقا شود

آپ کے دلی محب کو بہت برا معلوم ہوا۔ فوراً ایک قطعہ لکھ کر اسی روز اخبار میں بھیج دیا:

اقبال ہر کسے کہ ترقی فزا شود
ادبار حاسدش بہ جہاں لابقا شود
چوں بر وجود حاسد او نفی آمدہ
تیغ فنا ز بہر بقا حرف لا شود

۱۔ اقبال۔ خط نمبر ۹۱۔

امر معلومہ میں آپ اپنا اطمینان کرنے کے بعد مجھے لکھیے۔ اس سے پہلے خط میں جو کچھ لکھ چکا ہوں اس کو پیش نظر رکھیے۔ ملنے کو بہت ملتے ہیں مگر بے کار ہستیاں ہیں۔

پیارے اقبال! یہاں کی انقلابی رفتار اور تغیر پذیر طرز عمل امراء کو پامال کر رہی ہے۔ اس قدر گھبرا گیا ہوں کہ کچھ کہہ نہیں سکتا۔ جی چاہتا ہے کہ بلدہ کو خیرباد کہہ کر سفر کروں مگر پابندیاں مانع ہیں۔ اس وقت تو رہنا بھی مشکل ہے۔ کس طرح آپ سے مشورہ کروں۔ آپ کے خط میں ایک اشارہ ہے (شرعی نقطۂ نگاہ سے پوچھی جاتی ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ سرکار اس کو خود سمجھتے ہیں) اس فقرے کو جو ایک معمہ ہے یا چیستاں، میں بالکل نہیں سمجھا۔ صراحت کیجیے تو کہوں۔ اگر وہ اشارہ مذہب کے متعلق ہے تو اتنا کہوں گا کہ:

صفا گوید مذہب و ملت خداست

قوم کا کھتری ہوا ہوں۔ نطفے کی تبدیلی محال ہے۔ خواہ انسان کسی حیثیت میں رہے، مگر یہ سری کشن کا نطفہ ہے۔ کھتری نژاد ہوں۔ کھتری نژاد ہستی رہے تک رہے گی اور جب جانا ہے جائے گی۔ اس کے علاوہ اور کیا منشا ہے، سمجھا نہیں۔ بہت سی باتیں شرع میں آ سکتی ہیں۔

فقیر شاد

(۴۱)

۱۳ مارچ ۱۹۲۳ء
مائی ڈیر سر اقبال!

بہت دن سے فقیر شاد کو یاد سے شاد نہیں کیا۔ موانعش

بخیر باد - آپ تو حضرت تاج الاولیا بابا تاج الدین صاحب کی خدمت میں ٹیلی فون بھیجتے ہی رہے - اس کے جواب باصواب کا آغاز کرتے ہی رہے - یہاں تک کہ اس کے نتیجے کا بھی مجھے بے چینی کے ساتھ انتظار رہا اور ہے - مگر نہیں ، میں نے غلطی کی - ٹیلی فون کا جواب خطاب سر دربار تاج سے ملا اور جب سر کا خطاب ملا ہے تو تاج بھی ملے گا ، انشاء اللہ تعالیٰ - میرے منتظم پیشی سید صادق حسین غبار ، جو رخصت لے کر اس طرف گئے تھے ، چونکہ ناگپور راستے میں تھا وہاں بھی گئے اور پندرہ سولہ روز تک وہاں رہے - بابا صاحب کے دربار کے جو واقعات انھوں نے بیان کیے ، وہ حیرت افزا ہیں - وہ بیان کرتے تھے کہ چوبیس گھنٹے میں ایک منٹ کے لیے بھی ایسا نہیں جس میں بابا صاحب تنہا ہوں - سواری کے وقت سینکڑوں عورت و مرد کا ہجوم سواری کے گرد ہوتا ہے -

غبار صاحب نے وہاں پہنچنے کا مجھے ایک تار دیا ، جس کا جواب ان کو دیا گیا - اس میں بابا صاحب کو آداب عرض کیا تھا - انھوں نے وہ تار بابا صاحب کو دیا - جواب میں فرمایا کہ بارہ بجے اس کا جواب دوں گا - تار اپنے پاس رکھ لیا - دوسرے روز بارہ بجے ایک صحرا میں وہی تار ایک آم کے ہرے بھرے درخت پر تین بار لگا کر ایک تنکے سے اس پر کچھ لکھا اور تین مرتبہ اللہ اکبر کہا (یہ آواز فتح و نصرت کی آواز ہے) اس کے بعد بھی ''ٹوپی پہن کر اور'' کئی روز تک کہا - بہرحال مثل اس کے اور بھی واقعات ہیں ، جن کو وہی سمجھ سکتے ہیں جو انوار و اسرار بزرگاں سے واقف ہیں -

غبار صاحب کہتے ہیں کہ پہلے دن پہلی دفعہ جب سامنا ہوا

ہے تو اول تو دور ہی سے ڈانٹ بتائی - یہ وہاں سے ہٹ کر دوسری طرف سے آئے تو دیکھتے ہی ان کی طرف دیکھ کر کہا : ''پہلے تو گدی پر بٹھا دیا ، اب چیختا ہے ، چلاتا ہے ، بکتا ہے -'' واللہ اعلم کیا معاملات ہیں - الغرض ہر چیز کا ظہور ارادے ہی سے وابستہ ہے - یہاں کے حالات بدستور ہیں - سر علی امام ایک ہفتے کے لیے حسب الطلب آئے ہیں . . . . اور برار کے امثلہ لے کر دو تین روز میں واپس جائیں گے - باقی یہاں خیریت ہے -

فقیر شاد

(۴۲)

۲۴ مارچ ۲۳ع

مائی ڈیر سر اقبال !

محبت نامہ رقم زدہ ۱۹ مارچ ۲۳ع[1] وصول ہو کر شاد کے لیے باعثِ شادکامی ہوا - اس سے قبل ۱۳ مارچ ۲۳ع کو ایک خط آپ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا ، جس میں غبار صاحب منتظم پیشی کے ناگپور جانے اور بابا تاج سے ملنے کی کیفیت درج تھی - غالباً وہ خط آپ کو ملا ہوگا - مگر اس زیر جواب خط میں اس کے متعلق کوئی اشارہ نہیں ہے - ممکن ہے کہ وہ خط بعد میں پہنچا ہو - فقیر شاد کے لیے باعثِ شادکامی ہوگا اگر اس خط کے رموز و نکات و اسرار کا آپ انکشاف فرمائیں گے - رمضان کے بعد تاج الاولیا نے فقیر کو اپنی حضوری میں بلانے کا اشارہ کیا ہے - واللہ اعلم کیا ظہور میں آنے والا ہے - ذوق میری زبان سے کہتا ہے :

۱- اقبال - خط نمبر ۹۲ -

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ ہوا ، ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

امر معلومہ یعنی بیاہ کے متعلق اگر آپ کو اطمینان کسی بات کا نہیں ہوا ، یہ بھی المعنیٰ فی بطن الشاعر کا مصداق ہے - بہرحال زیادہ فکر نہ کیجیے - بفضلہ تعالیٰ یہاں بھی دو تین لڑکے حسبِ منشاء فراہم ہو چکے ہیں - خدا سے دعا ہے کہ اولادِ ذکور و اناث کے فرائض سے حسبِ دلخواہ سبکدوش ہو جاؤں - بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ - فقیر شاد کی استقامت اور سکونِ قلب کی آپ کی داد قابلِ داد ہے - میری حالت تعشق مرحوم کے اس شعر کے مصداق ہے :

اب ذرا تخفیف ہوتی ہے تو گھبراتا ہوں میں
دردِ دل اتنے دنوں سے ہے کہ عادت ہو گئی

گرمی اپنی گرم جوشی دکھانے لگی ہے - کاش اقبال کی کشش صادق اپنا اثر دکھلائے تو شاد شادکامی کے ساتھ پنجاب میر گرمیاں منائے - بعد رمضان انشاء اللہ سفر وسیلۃ الظفر کا مصمم ارادہ ہے - پروگرام میں پہلا مقام ناگپور ، اس کے بعد اور کہیں -

اشعار کے متعلق آپ کی داد شاعر کے لیے قابلِ ناز ہے - ماشاء اللہ یہاں بھی جدت کا پہلو نہ چھوٹا - ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں -

بے شک برار کے استرداد میں یاوریِ اقبال کی ضرورت ہے - ہم بھی تسلیم کرتے ہیں - مگر موجودہ طریقہ کہاں تک سر علی امام کو کامیاب کر سکتا ہے ، اس کا جواب مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں -

فقیر شاد

(۴۳)

۲۳ - اپریل ۱۹۲۳ع

مائی ڈیر اقبال !

فقیر شاد کا ایک خط مورخہ ۲۲ شعبان ۱ہ۴ھ جواب کے لیے آپ کی طرف فاضل نکلتا ہے ، جس کا جواب نہیں آیا - ۲۵ شعبان کو شام کے وقت میرے وارث و جانشین راجہ خواجہ پرشاد طولعمرہ ناگہانی طور پر مسہری پر گرے - آنکھ کے نیچے ایک کیل چبھ گیا ، جس سے ناقابلِ برداشت تکلیف ہوئی - خدا نے اپنا بڑا فضل کیا کہ آنکھ بچ گئی - خدا کی کریمی کے صدقے - دعاء کیجیے کہ پروردگار عالم بصیر حقیقی نظر کو باقی رکھے -

پیارے اقبال ! کیا پوچھتے ہو - شیخ علی حزیں میری زبان سے کہتا ہے :

ہزار نشتر الماس در جگر داریم
سزد کہ عشق بہ نازد بہ سخت جانیِ ما
کنار جیب دو عالم بدست چاک افتد
اگر ز پردہ برآید غمِ نہانیِ ما

ایک طرف تو پابندی کی گرفت ، ایک طرف اس قسم کے روحانی صدمات - کہیں جاتے ہیں تو جا نہیں سکتے - سفر کرنا چاہتے ہیں تو کر نہیں سکتے - قطب جنوبی بنے ہوئے بیٹھے ہیں :

نمی فہمد کسے افسانۂ ما را دریں محفل
من و شمعیم داغ از دولتِ آتش زبانہا

عامل ، کامل ، فقیر ، مشائخ ، سالک ، مجذوب سب کو دیکھا مگر

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے:

یا وفا ہم نہ بود در عالم   یا بہ من کس دریں زمانہ نہ کرد

میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں ۔ اس واقعے کے دیکھنے والے اس شہر میں اس وقت موجود ہیں ، جنھوں نے اپنی آنکھ سے دیکھا بلکہ اس صحبت میں شریک تھے ۔ وہ واقعہ یہ ہے:

لشکر ایک مقام ہے جو اجمیر شریف سے چھ میل کے فاصلے پر ہے ۔ لشکر میں دیوی کا مندر ہے ، جو تمام ہندوستان میں مقدس مانا جاتا ہے ۔ اجمیر سے لشکر تک پہاڑی سلسلہ ہے ۔ پہاڑ سرسبز و شاداب نہیں بلکہ نہایت خشک اور گیاہ سوختہ ہیں ۔

ان پہاڑوں میں اکثر مرتاض بھی کبھی کبھی نظر آ جاتے ہیں ۔ ۲۰ ، ۲۵ برس قبل ایک ہندو جوگی مرتاض ان پہاڑوں کے غار میں رہا کرتے تھے ۔ اتفاق سے ان دنوں ایک مسلمان عامل بھی وہاں آئے ۔ جوگی سے ملے ۔ جوگی نے کہا کہ بابا وہ سامنے جو چشمہ ہے اکثر مسلمان وہاں جایا کرتے ہیں ۔ تم بھی وہیں جا کر بیٹھو ۔ یہ وہاں گئے اور چلہ نشین ہوگئے ۔ ہندو جوگی کے پاس ایک لڑکی آیا کرتی تھی اور کچھ دیر بیٹھ کر چلی جایا کرتی تھی ۔ ایک دن حسب معمول جب وہ لڑکی بیٹھ کر روانہ ہوئی تو تھوڑی دور جا کر ایک ایسی ہولناک چیخ ماری کہ ادھر سے ہندو جوگی اور ادھر سے مسلمان دونوں چلے ۔ دیکھا کہ دو مرد اور ایک عورت اس لڑکی کو پکڑے ہوئے ہیں اور وہ روتی ہے ، چیختی ہے ، چلاتی ہے ۔ ہندو جوگی نے ان مردوں سے پوچھا "تم کون ہو اور کیوں اس کو پکڑا ہے ؟" ان دونوں مردوں نے کہا "صاحب میں اس کا سسرا ہوں اور یہ عورت اس کی ساس ہے ۔ یہ اس کا مرد ہے ۔ چند روز سے یہ اس

طرح نکل کر گھر سے غائب ہو جاتی ہے ، آج اس کا پتہ ملا ۔ ہم اس کو گھر لیے جاتے ہیں"۔ جوگی نے کہا کہ یہ لڑکی ہے یا لڑکا؟ اگر لڑکی ہے تو تم اسے لے جا سکتے ہو اور لڑکا ہے تو ہرگز تم اس کے مالک نہیں ہو سکتے ۔ وہ بڈھی عورت ہنسی اور کہا "واہ جوگی جی! یہ تو آپ نے خوب کہی ۔ میں اس کی ساس ہوں ۔ یہ مرد ہے اور آپ کہتے ہیں کہ "لڑکی ہے تو تمھاری"۔ بات بڑھی ۔ آخر دیکھا گیا تو جوگی کے کلام کی تائید تھی ۔ وہ لڑکی لڑکا تھی ۔ خزانہ گم ، فوارہ باقی ۔ حیرت ہو گئی ۔ کامل ایسے ہوتے ہیں ۔ فقیر صاحبِ حکم ان کو کہتے ہیں ۔ وہ مسلمان چلہ نشین آج اس شہر میں موجود ہیں جنھوں نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ۔

ہائے ! اب بھی کہیں ایسا فقیر ، ایسا سالک ، ایسا مجذوب کوئی ہے ۔ کیوں کر کہوں کہ نہیں ہے ، مگر ہماری آنکھوں سے نہاں ۔

حضرت محبوب دکن غفران مکان علیہ الرحمۃ نے ایک دن ایک شیخِ طریقت سے فرمایا تھا کہ "حضرت ! میرے چاہنے والے تو ہزاروں ہیں ۔ کوئی ایسا بھی ہے جس کو میں چاہوں"۔ ہائے کیا چیز ہے ۔ یہ ہے ملوک الکلام ۔ سب کچھ کہہ گئے اور پھر کچھ نہ کہا ۔ بہرحال یہ حال ہے ۔ اللہ بس باقی ہوس ۔

گرمی کی گرم جوشی ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملک دکن کرۂ نار کے قریب پھینک دیا گیا ہے ۔ خورداد کا مہینہ ہے ۔ اگلا مہینہ تیر کا ہے ۔ دیکھیے وہ کیا تیر برساتا ہے ۔

فقیر شاد

(۴۴)

۱۴ مئی ۱۹۲۳ع

مائی ڈیر سر اقبال !

شمال سے جنوب میں ''پیامِ مشرق'' آیا - کیوں، ایسے پیام کو سلام نہ کروں - پیامِ مشرق کے طرزِ ادا میں سنجیدگی مضمون آفرینی پر آپ کی توجہ زیادہ مبذول ہوئی ہے - اخلاق و روحانی معنویت کی آمیزش نے پیام کو نظر فریب رنگ میں رنگا ہے - رنگ قادر الکلامی نکھرا ہوا ہے - لطف زبان و حسن بیان کا سر رشتہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا -

پیامِ مشرق کے سننے والے دور سے محفل کی دھوم سن کر دوڑتے ہوئے آتے ہیں - اور محفل کی رنگینیوں کے نقوش اپنے متخیلہ کو لبریز کیے ہوئے ہیں - لیکن جلوہ کا جب پردہ اٹھتا ہے تو جنت نگاہ و فردوس گوش کا سارا تخیل وہم ثابت ہوتا ہے - نہ چنگ ہے نہ ساز، نہ غمزہ ہے نہ ناز - محفل میں بجائے سوز کے ساز ہے - لبوں پر بجائے واہ کے آہ ہے - آنکھیں نم ہیں - چہروں پر بجائے ہنسی کی کھکھلاہٹ کے خشیتِ الٰہی سے ہیبت طاری ہے -

بایں ہمہ اپنے اپنے مرتبۂ کمال کو اس رنگ میں بھی قائم رکھا ہے اور درجۂ استادی کو کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا - تنقید و اخلاق نے بعض ممتاز شعرا کو برباد کر دیا ہے - لیکن آپ کا گلستان ان کانٹوں سے بالکل پاک ہے - بیان کی لطافت کے ساتھ خیال کی بلندی نے زمین سخن کو آسمان پر پہنچا دیا ہے - صورت کے بناؤ سنگار میں اتنا محو نہیں ہوتے جتنا کہ تہذیب و شایستگی سے غافل ہو جائیں - جانتے ہیں کہ کاروانِ سخن میں سب شامل ہیں - بعض ایسے

ہیں جو محض محمل کی وصفی خوش نمائی سے جی خوش کر لیں گے۔ بعض ایسے ہیں کہ جو محمل نشین کی زیارت کیے بغیر دم نہ لیں گے۔ مگر سچ یہ ہے کہ آپ وہ اقبال‌مند ناقہ‌بانِ سخن ہیں کہ دونوں دلوں کی ڈوریں اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں۔ فقیر شاد کو اس کا افسوس ہے کہ پیامِ مشرق کے صرف بعض مقامات کو دیکھا اور بالاستیعاب دیکھنے کا موقع اس لیے نہیں ملا کہ نور چشم قرۃ العین راجہ خواجہ پرشاد کے زخمِ چشم سے دنیا آنکھوں میں تیرہ و تار ہو رہی ہے، جس کا حال ۷ رمضان ۱۳۴ھ کے خط میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

زخمِ چشم تو مندمل ہوا۔ ورم بھی کم ہے، لیکن آنکھ بند ہے۔ پٹی کھل گئی۔ نظر روشنی کی متحمل نہیں۔ پتلی سرخ ہے۔ آپ اپنے مختصہ اوقات میں دعا کیجیے اور اگر وہاں کوئی سالک مجذوب بزرگ ہوں تو ان سے دعائے صحت کے لیے خواہش کیجیے۔ یہی دعا کہ بصارت و بینائی بدستور آ جائے۔ سب ڈاکٹر متفق اللفظ کہتے ہیں کہ بتدریج روشنی پیدا ہوگی۔ انشاء اللہ: اس لیے کہ آلات نظر میں کوئی ہرج نہیں ہے، چشمِ بد دور۔ میرے منتظم پیشی سید صادق حسین غبار ناگپور گئے تھے۔ حضرت تاج الاولیاء بابا تاج الدین سے خواہش دعا کی تو فرماتے ہیں۔ آنکھ اچھی ہے۔ خواجہ پرشاد دھرم راجہ ہیں۔ میں اس کے ساتھ ہوں۔ وہ میرے ساتھ ہے وغیرہ۔ یہ تو کہیے سر کے خطاب سے سرفراز بھی ہوئے اور ابھی آپ کے درشن سے شاد کو سرور حاصل نہ ہونا کیا معنی۔

پیارے اقبال! نورِ چشمی خواجہ پرشاد طول عمرہ سے نہ صرف میری بلکہ تمام خاندان کی زندگی اور زندگی کی امیدیں وابستہ

ہیں ۔ خدا اس کو چشمِ زخم سے محفوظ و مصئون رکھے اور اس کے سکھ سہیلے مجھے دکھائے ! بحقِ محمدؐ و آلِ محمدؐ ! آمین ثم آمین !

فقیر شاد

(۴۵)

۱۹ ستمبر ۲۳ع

مدتے ہست رہ و رسمِ وفا مسدود ست
نہ کسے می رود آنجا نہ کسے می‌آید

مائی ڈیر سر اقبال !

بہت دن سے فقیر شاد کو یاد سے شاد نہیں کیا ۔ مو انعش بخیر باد ۔ ماہ شعبان سے جس کو ۶ - ۷ مہینے ہوتے ہیں فقیر گوناگوں افکار و پریشانی میں آلودہ ہے ۔ برخوردار خواجہ پرشاد طولعمرہ کی آنکھ کی حالت سے اس کے قبل ۲۳ اپریل ۲۳ ع کے خط[1] میں آپ کو اطلاع دی جا چکی ہے ۔ ابھی تک آنکھ کی وہی کیفیت ہے ، یعنی بصارت اپنا کام نہیں کرتی ۔ کوئی چیز نظر نہیں آتی ۔ البتہ شب میں برق روشنی جو زیادہ تیز ہو ، اور دھوپ کی روشنی ، اب کسی قدر نظر آنے لگی ہے ۔ اس سے آیندہ کی امید قوی ہو چلی ہے ۔ ہر ممکن کوشش کی گئی ۔ بابا تاج الدین ناگپور ، شاہ نیاز احمد صاحب فیض آباد ، شاہ نجم الدین احمد صاحب فتح پور ، فرخ شاہ و جمال اللہ شاہ صاحب کانپور ، آپاسنی مہاراج ساکوری ضلع احمد نگر اور نیز دیگر فقرا سے ہمت چاہی گئی ۔ سب نے باختلافِ الفاظ متفق حکم آنکھ کی صحت کا لگایا ، لیکن ہنوز روز اول ہے ۔ ہاں خدا سے امید ہے کہ نورِ چشم

۱۔ شاد ۔ خط نمبر ۴۳ ۔

کی آنکھ اپنی اصلی حالت پر آ جائے۔ دعا کیجیے اور فقرائے لاہور سے استدعا کیجیے کہ خداوند بصیر آنکھ میں بصارت عطا فرمائے اور آنکھ اپنی حالت پر آ جائے۔ لاہور کے فقرائے سالک و مجذوب تو مشہور و فیاض ہیں ۔ آپ کی ملاقات کا بے حد اشتیاق ہے۔ دیکھیے خدا کب وہ دن لاتا ہے کہ فقیر شاد مع الاقبال ہو ۔

فقیر شاد

(۴۶)

از مقام کیمپ کرمن گھٹ

تاریخ ۲۶ صفر ۴۲ھ ، ۲ آذر ۳۳ف ، ۸ - اکتوبر ۲۳ع

ہم آواز ہزارم نالۂ شور افگنم بشنو
ہم آغوش خزانم دفتر پاشیدۂ دارم

مائی ڈیر سر اقبال !

آپ کا خط[1] رقم زدہ ۲۹ ستمبر ۲۳ع وصول ہوا ۔ یاد آوری کا شکریہ ادا کروں یا غم و الم کی داستان سناؤں ۔ کیا کہوں کس سے کہوں ، کہاں فریاد کروں ۔ کوئی میرا ہمدرد نظر نہیں آتا ۔ کروڑہا بندگانِ خدا میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو مجھ پر رحم آئے ۔ چرخِ کج رفتار یوں بیدادی سے مجھے پیسے اور کوئی اس کو کہنے والا نہیں ۔ اگر میرے گناہ سے اس کا کرم مغلوب ہو گیا ہے تو پھر خدا کس کو پکاروں ، رحیم کس کو کہوں ، کریم کسے سمجھوں ، غفور سے کیا مطلب ۔ ہائے غالب میرا ہمنوا ہے :

۱- اقبال ۔ خط نمبر ۹۳ ۔

زندگی اپنی جب اس طور سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

نورِ چشم راجہ خواجہ پرشاد طول عمرہ و قدرہ کی بصارت کی حالت آپ کو معلوم ہو چکی ہے - یہی صدمہ میرے لیے کم نہ تھا لیکن :

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے
اور چرکا دیا جلاد نے جاتے جاتے

۱۹ صفر دن گزر جانے کے بعد شبِ سہ شنبہ کو ایک اور غمِ تازہ یہ ہوا کہ ایک لڑکی نُہ سالہ، جو ایک بیگم کے بطن سے تھی، دو تین دن کے بخار میں مبتلا رہ کر دائمی مفارقت کا داغ دے گئی - انا للہ و انا الیہ راجعون - یہ اٹھارواں داغ شادِ ناشاد کے دل پر پڑا ہے، جس میں بارہ لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں اور یہ چھٹی لڑکی تھی - صدمے پر صدمہ، پریشانی پر پریشانی، داغ پر داغ :

میری قسمت میں غم گر اتنا تھا
دل بھی یا رب کئی دیے ہوتے

صورت یہ ہے کہ انسان کا حال بالکل اس کمزور شیشے کی مثال ہے جو ہوا کی معمولی سردی و گرمی سے ٹھنڈا و گرم ہو جاتا ہے - یہی جبر و اختیار، قضا و قدر کی زنجیروں کی کڑیاں ہیں جن میں شاد ہر طرف سے جکڑا ہوا ہے - پھر ایسا مجبور و ناتواں خدا کی مرضی و خوشنودی پر نہ رہے تو کیا کرے - کوئی شخص گو وہ کتنا ہی مستقل مزاج ہو، رنج و آلام کی معمولی ٹھوکر کی بھی تاب نہیں لا سکتا اور حدودِ صبر و ضبط سے باہر ہو جاتا ہے -

مگر یہ شاد ہی کا حوصلہ ہے جس کے ساتھ اس کا کرم دستگیر ہے ، دائرۂ صبر و ضبط سے باہر نہیں ہونے دیتا اور ہر حال میں راضی برضا رہنے کی تعلیم ہوتی رہتی ہے - روح فرسا داغوں سے جگر و دل بھر گئے مگر اُف نہیں - کروں تو کیسے کروں کہ نالہ بھی ضعیف دل کی طرح بیٹھا جاتا ہے - نواسے نواسوں کے سوا بارہ بیٹوں چھ بیٹیوں کا ماتم کرتا ہوں مگر ان کا ماتم دم نہیں مارنے دیتا - الحمد للہ علیٰ کل حال - آپ کی اور آپ کی بیوی کی علالت سے قلقِ خاطر ہوا مگر ساتھ ہی صحت یابی سے مسرت و اطمینان ہوا - خدا آپ کو با اقبال و عزت دیرگاہ زندہ و شاد کام رکھے -

عثمانیہ یونی ورسٹی کی طلب پر بھی آپ کا حیدر آباد نہ آنا فقیر شاد کی ناشاد کامی کے سوا اور کیا تاویل کی جا سکتی ہے - خیر یار زندہ صحبت باقی - خدا کبھی تو وہ موقع لائے گا کہ شاد اقبال کے ساتھ ہم کلام ہو -

غم غلط کرنے کے لیے حیدر آباد سے پانچ میل کے فاصلے پر کرمن گھٹ شاد پیلس میں مقیم ہوں - مگر آج پھر واپس جا رہا ہوں - بقول کسے کہ : ع

افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

کہیں بھی طبیعت نہیں لگتی - ہمارے ان داتا کو دکن کی عثمانیہ یونی ورسٹی کی جانب سے (سلطان العلوم) کا خطاب کہو یا لقب پیش ہونے والا ہے - سرکار اس تجویز سے بہت خوش ہیں - اکثر کو حکم ہوا ہے کہ تاریخی نظم پیش کریں - شاد نے بھی تعمیل کی - یہ مادۂ تاریخ خدا داد نکل آیا - شاید اس سے بہتر ممکن ہے کسی کا مادہ ہو -

۱۳۴۲ھ

وائسرائے کی آمد آمد ہے - سر علی امام واپس ہو چکے ہیں - ابھی حیدر آباد نہیں آئے - جتنی زبانیں آتنی ہی خبریں ہیں - کوئی کہتا ہے کہ پھر سر علی امام خدمتِ صدر عظمیٰ کو قبول کریں گے - اکثر معتبر ذرائع سے سنا جاتا ہے کہ شاد کے نام قرعہ ڈالا گیا - میں نے یہ مانا کہ یہ صحیح ہو بھی تو حالات ایسے نازک ہو رہے ہیں کہ بہت بڑی ذمہ داری کا بوجھ برداشت کرنا پڑے گا - - - - کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں - خدا شاد رکھے -

فقیر شاد

(۴۷)

سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن

۲۸ آذر ۳۳ ف ، ۳ نومبر ۲۳ء

مائی ڈیر سر اقبال !

آج ہی آپ کا خط ملا - فقیر شاد یادآوری سے شادکام ہوا - آپ کی اس آرزو کی کہ ”حیدر آباد کا مدارالمہام شاد ہو“ دل سے قدر کرتا ہوں ، لیکن اس کے ساتھ ہی زمانے کے استمراری قانون پر نظر کر کے اتنا ضرور کہوں گا کہ فقیر شاد کے خیالات جس قدر زیادہ وسیع ہیں ، اس کی ذمہ داریاں بھی اسی قدر زیادہ ہیں - یہ جس قدر زیادہ مقتدر ہے اسی قدر زیادہ محتاج ہے ، جس قدر زیادہ قوی ہے اسی قدر زیادہ ضعیف ہے - جو چیز اس کو بلندی و ہدایت کی طرف ابھارتی ہے صرف اس کی معلومات ، تجربہ ، خیالات اور اس کا ارادہ

ہے - لیکن موجودہ حالت میں ایک الجھا ہوا ریشم ہے جس کا سرا ہاتھ آنا مشکل معلوم ہوتا ہے -

اس میں شک نہیں کہ اس وقت کے موجودہ انتظام کی اصلاح کے لیے ایک ایسے تجربہ کار کی سخت ضرورت ہے، جو یہاں کے حالات، مذاق اور معاشرت کا تجربہ رکھتا ہو، لیکن ایسے ہی شخص کا انتخاب مشکل نظر آتا ہے، اور نہ اپنے کو یہ فقیر ایسا تجربہ کار سمجھتا ہے، مگر خدمت گزاری کرنے کا عادی ہوں - حتی الامکان کوتاہی نہ ہوگی - السعی منی والاتمام من اللہ - ہمت ہارنا کھتری کے خون میں نہیں لکھا - میدان سے منہ موڑنا سپاہی نژاد کے لیے بدتر شکست اور شرمناک ذلت ہے - خدا محفوظ رکھے - مگر مشکل یہی ہے کہ دوست کوئی نظر نہیں آتا - اور اگر پہلے سے یہ انتخاب ہوتا تو یہ الجھنیں ہی کیوں ہوتیں - بہرحال علم خدا میں اس خدمت کے لیے کس کا انتخاب ہوا ہے، وہ خدا ہی جانتا ہے - ابھی یہ انتظام پردۂ راز میں ہے -

فقیر شاد آپ کی ہر کامیابی پر شادکامی حاصل کرتا رہا ہے - یہ معلوم کرکے بہت خوش وقت و شادکام ہوں کہ ہزا کسلینسی وائسرائے نے اقبال کی تعریف عام مجمع میں عمدگی کے ساتھ کی - جس اخبار میں یہ تقریر چھپے، اس کی ایک کاپی ضرور بھیجیں - آخر دیدار کا وعدہ کب وفا ہوگا -

فقیر شاد

(۴۸)

سٹی پیلس پیشکاری حیدر آباد دکن

المرقوم ۱۹ بہمن ۱۳۳۴ف

م ۲۴ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ

(۱۵ دسمبر ۱۹۲۴ع)

مدتے ہست رہ و رسم وفا مسدود است
نہ کسے می رود آں جا نہ کسے می آید

مائی ڈیر اقبال !

بہت دن سے فقیر شاد کو یاد سے شاد نہیں کیا۔ موانعش بخیر باد۔ یہ تو ظاہر ہے کہ ہم ہر شے کو غائر نگاہوں سے دیکھنے کے خوگر ہو گئے ہیں، اس (وجہ سے) معاملۂ وفا کیشی نے بھی پیچیدگی اختیار کر لی ہے، جس کے سلجھانے کے لیے ایک بااقبال زبردست ہاتھ اور باوفا معاملہ فہم دماغ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، جس کا وجود موجودہ عدالتی نظام کی صورت میں نظر آتا ہے۔ شاید تہذیب و تمدن نے پنجاب کی پبلک کی نگاہوں کو وسیع کرکے پیچیدگیوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس لیے کام بھی اس قدر زیادہ ہو گیا ہے کہ اس کا سمیٹنا اور ختم کرنا بھی آپ ہی ایسے اقبال مندوں کا مخصوص مسئلہ بن گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی کیسے ہی مختلف النوع معاملات کیوں نہ ہوں، اقبال عدیم الفرصتی کے دائرے میں بھی اپنے مرکزِ وفا سے ہٹ جائے تو حیرت و تعجب ہے۔ شاد کو یاد سے شاد نہ کرنا اگر بے نیازی ہے نازیبا۔ اگر شکیب آزمائی ہے نامناسب۔ جب آپ وکالت کے کاروبار میں سہولت ڈھونڈتے ہیں تو کیا وجہ

ہے کہ الفتی اور محبتی امور میں اس کلیے سے مستثنیٰ ہوں ۔ کاغذ کے پرزے پر غور کیا جائے تو ایک بے حقیقت اور ناقابلِ التفات شے ہے ۔ لیکن اس پرزے پر اقبال کی تحریر ہو تو وہ محبت کے نگارخانے میں کافی وقعت حاصل کرے گا ۔ خواجہ کا ایک فقیر ایک بااقبال دوست کی خبر خیریت پا کر شاد کامی حاصل کرے گا ۔ آئینِ محبت اور قانونِ الفت کی پابندی اقبال مندانہ ہستی کے خواص سے ہے ۔

فقیر شاد اگست کے مہینے میں آستانہ بوسیِ حضرت خواجہ سے مشرف ہونے کی نیت سے معہ فیملی کے اجمیر شریف گیا تھا ۔ ارادہ ہوا کہ اپنے پروگرام کو وسیع کرے اور پنجاب کی آب و ہوا سے دل و دماغ کو تر و تازہ اور احباب کی ملاقات سے شاد کامی حاصل کرے ، لیکن ہزہائینس نواب صاحب رام پور کے اصرار سے (کہ وہ فقیر کی ملاقات کے لیے بمبئی میں مقیم تھے) بمبئی جانا ہوا ۔

چودہ روز بمبئی میں قیام کرنے کے بعد بلدہ کو واپس ہوا ۔ لیکن آپ نے سنا ہوگا کہ حیدر آباد محرم کے مہینے سے پلیگ کا صدر مقام ہو گیا ہے ، جس کی شاخیں تمام محلوں ، کوچوں ، گھروں اور بازاروں میں کھل گئیں ۔ محکمۂ قضا و قدر کے حاکم مجاز ملک الموت بڑی مستعدی اور سرگرمی سے اپنا فرض ادا کرنے لگے ۔ دو اڑھائی سو اموات کی تعداد کا رجسٹر روزانہ محکمۂ قضا و قدر پیش کرنے لگے اور اب تک پیش کر رہے ہیں ۔ آخر اپنی جاگیر الوال میں قیام کیا ۔ یہاں بھی جب مرض مہلک طاعون کی شاخ کھلی تو کوہِ مولا علی کے دامن میں اپنے مکان میں جا کر چھپا ۔ چند روز رہ کر وہاں سے پھر الوال میں آ گیا ۔ ادھر برخوردار ارجن کمار عرف

خواجہ پرشاد طولعمرہ و قدرہ کا ہفتہ عشرہ تک مزاج صفراوی بخار سے ناساز ہو گیا تھا ۔ الحمد للہ اب مزاج اچھا ہے ۔ میرا مزاج بھی نادرست ہو گیا تھا ۔ بارے اب خدا کا شکر ہے اچھا ہوں ۔ آپ اپنی خیریت مزاج سے مطلع کیجیے اور اپنی تمام تصنیفات بانگِ درا وغیرہ بھیج دیجیے ۔ یہاں کا حال کل یوم ھو فی شان کا مصداق ہے ۔ ساون سوکھے نہ بھادوں ہرے ۔ فقط

فقیر شاد

(۴۹)

کیمپ الوال ، حیدرآباد دکن

۹ جنوری ۱۹۲۵ع (جمادی الآخر ۱۳۴۳ھ)

مائی ڈیر سر اقبال !

محبت نامہ رقم زدہ ۲۲ دسمبر ۲۴ع[1] کرسمس کارڈ کی سپاس گزاری میں وصول ہو کر فقیر شاد کے لیے باعثِ شادکامی ہوا ۔ شرر کا بیان ہے کہ زمانہ ہر سال کے بعد پلٹا کھاتا ہے ۔ امیدیں زندہ ہو جاتی ہیں ۔ آرزوؤں میں جدت پیدا ہو جاتی ہے ۔ ۱۹۲۵ع قدرت کا بھیجا ہوا مہمان ہمارے سامنے کھڑا ہے ۔ چونکہ نیا نیا آیا ہے ، اس لیے دنیا کو غیر مانوس نظر سے دیکھ رہا ہے ۔ دنیا کا کام اس کے سر پڑا ہے اور کھڑا سوچ رہا ہے کہ کارخانۂ قدرت میں کیا دخل دے ۔ دنیا والوں کے ساتھ کیا سلوک کرے اور ہم سے کس طرح پیش آئے ۔ ایک نیا کارخانہ دیکھ کر گھبرا اٹھا ہے ۔ اس کے مانوس بنانے کی کس طرح کوشش کریں ۔ ہماری قسمت

۱۔ اقبال ۔ خط نمبر ۹۷ ۔

ایک سال کے لیے اس کے ہاتھ میں دے دی گئی ہے - برا ہو یا بھلا اب تو پورے بارہ مہینے تک ہمیں اسی کے ساتھ نباہنا ہے -

اے ہمارے نئے مہمان ! اور اے قضا و قدر کے احکام و مقاصد کے حامل ۱۹۲۵ع ! تو آیا اور زمانے کے دستور کے مطابق ہم تجھ سے مل کر خوش بھی ہوئے - تجھ پر کیا موقوف ہے ، جو کوئی بھی نیا شخص آتا ہے ، اس کا خیر مقدم اظہار مسرت کے ساتھ کرنا ہی پڑتا ہے - اسی طرح ہم نے بھی تیرا خیر مقدم کر لیا - تیرے ورود کے مروجہ رسوم بھی ادا کر لیے - نئے عیسوی سال کے پہلے دن خوشی منائی - احباب کو کرسمس کارڈ بھیجے - نئے سال کی مبارک باد دی - مگر اے ناخوانده مہمان ! تو بھی تو بتا کہ ہمارے لیے کیا لایا ہے ؟ اہلِ عالم کی قسمتوں کی جو زنبیل تیری بغل میں ہے ، اس پر کس کی نگاہ نہیں لگی ہوئی ہے ؟ سب کی آنکھیں تیری طرف ہیں - مگر تو ایسا خاموش ہے کہ گویا ہمارے لیے کچھ لایا ہی نہیں اور بالکل خالی آیا ہے - ہمارے ہاں تو معمول ہے کہ جب کوئی نیا شخص آتا ہے تو لوگوں کے حسبِ حیثیت و مرتبہ سوغاتیں لایا کرتا ہے - ہم بھی جب سفر پر جاتے ہیں تو واپسی پر اپنے ملنے جلنے والوں اور احباب کے لیے جو ممکن ہوتا ہے لے آتے ہیں - مگر اے ۱۹۲۵ع ! تو ایک سال کا راستہ طے کرکے جو آیا ہے تو خدا کے واسطے کچھ تو کہہ ہمارے لیے کیا لایا ہے ؟

۱۹۲۴ع ہم سے رخصت ہوتا ہے مگر چلتے چلاتے غم کی خبر دے رہا ہے کہ سر اقبال کی بیوی کا انتقال ہوگیا ، افسوس ! اور دوسری خبر مسرت و شادمانی کی دیتا ہے کہ اقبال کی دوسری

بیوی سے فرزندِ نرینہ[1] پیدا ہوا ۔ مبارک ! خدا اس کو با اقبال کرے اور اقبال کے سائے میں پروان چڑھائے :

نگہدار یا رب بفضلِ خودش
بہ پرہیز ز آسیب چشم بدش

پیارے اقبال ! دنیا میں کوئی چیز اور کوئی جذبہ نہیں جس میں اس قسم کی مخالف و متضاد کیفیتیں نہ ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر کیفیت اور ہر چیز میں یہ متضاد صورتیں اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ بغیر اس کے ایک دوسرے کا حسن و قبح معلوم ہی نہیں ہو سکتا ۔ دن اس لیے دن ہے کہ رات کے بعد آتا ہے اور رات اس لیے رات ہے کہ دن کے بعد آتی ہے ۔ پھر ان دونوں کا مقابلہ ہر شخص کو اپنے خیال و مذاق کے مطابق اس امر کا فیصلہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے کہ دونوں میں سے کون اچھا ہے اور کون برا ۔ یہی حالت اور نسبت اسی طرح کی تمام کیفیتوں میں خیال کر لیجیے ۔ دنیا میں خوشی زیادہ ہے یا غم ۔ مگر انصاف اور غور سے دیکھا جائے تو دونوں کے سرچشمے خدا نے یکساں درجے میں سبز اور کبھی نہ خشک ہونے والے پیدا کیے ہیں ۔ آپ ہی اپنی متضاد حالت پر غور کیجیے ۔ ایک طرف آپ کی بیوی کا بے وقت انتقال ۔ جو صدمہ اس سے آپ کو ہوا ہوگا آپ کے دل سے پوچھا چاہیے ۔ فقیر کو بھی اس رنج میں آپ کے ساتھ ہمدردی ہے ۔ دوسری طرف آپ کے دوسرے محل میں فرزند نرینہ پیدا ہوا ۔ اس سے جو خوشی آپ کو ہوئی ہوگی ، وہ قابلِ ناز ہے ۔ فقیر شاد شادکامی کے ساتھ آپ کو مبارک باد دیتا ہے ۔ خدا اس کو با اقبال جاوید رکھے ۔

۱۔ جاوید اقبال ۔

حیدرآباد کی وزارت کے متعلق جو خبریں آپ کو پہنچیں ، آپ خود لکھتے ہیں کہ جلد ہی ان کی تردید بھی ہو جایا کرتی ہے - اصل یہ ہے کہ ایسی خبریں اخباری ہیں - اصولی نہیں ہیں - جب نظامِ دنیا ہی کسی اصول کا پابند نہیں تو اخباری خبروں پر کیا وثوق ہو سکتا ہے -

پیارے اقبال ! جو کچھ میں کہہ سکتا ہوں وہ کہنا نہیں چاہتا اور جو کہنا چاہتا ہوں وہ کہہ نہیں سکتا -

خموشی معنیِ دارد کہ در گفتن نمی آید

جب انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے اپنی طاقت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے تو وہ اپنے دماغ پر فخر کرتا ہے اور اپنی لا محدود قوت پر ناز کرتا ہے - یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے خیالات سے مغلوب ہو کر خدا کی خدائی سے انکار کر بیٹھتا ہے اور بے ساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ایک ترقی یافتہ دماغ کا نام خدا ہے - مگر جب نظامِ جسم میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے یا کسی ارادے میں ناکام ہو جاتا ہے اس وقت اس کو یقین ہوتا ہے کہ انسانی قوت سے کہیں زیادہ بالاتر غیبی طاقت کارفرما ہے - اس لیے حضرت جناب مشکل کشا معلمِ فطرت کا قول ہے : ''عرفت ربی بفسخ العزائم'' - اس وقت علم ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے - خیر جو کچھ ہونے والا تھا ہوا اور جو کچھ ہونے والا ہوگا وہ ہو کر رہے گا :

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش

مگر میرے مہربان اقبال ! حیدرآباد کی زندگی کشمکش میں ہے - کیا تدبیر کریں ، کچھ سمجھ میں نہیں آتی - تازہ بہ تازہ نو بہ نو کی

کیفیت سے خدا فضل کرے ۔ اخبار والے بے سوچے بوجھے لکھ دیتے ہیں کہ ہندوستان کو پوری آزادی ملنی چاہیے ۔ جس روز ایسا ہوگا تو قیامت قبل از وقت آ جائے گی ۔ باوجود ایک بیدار مغز قومی حکومت کے ہوتے کن کن مصیبتوں میں رعایا ہر ایک ملک کی نالاں و گریاں ہے ۔ اگر آزادی حاصل ہو تو وہ حکمران جن کے دماغوں میں فرعونیت ہے ، اقتلو کے احکام جاری کرنے میں دریغ نہ کریں گے ۔ خدا محفوظ رکھے اور اصلاح کرے ۔

میرا ایک خط بھی آپ کے پاس پہنچا ہوگا جس کے جواب کا انتظار ہے ۔ فقط[1]

فقیر شاد

(۵۰)

حیدر آباد دکن

۱۱ جنوری ۱۹۲۵ع

مائی ڈیر سر اقبال !

آپ کا خط رقم زدہ ۴ جنوری ۲۵ع[2] وصول ہو کر فقیر شاد کے لیے باعث شادکامی ہوا اور زمانے کے متعلق فقیر شاد کے مضمون

۱۔ ''شاد اقبال'' میں اس خط کی تاریخ ۹ دسمبر ۱۹۲۴ع درج ہے ، جو غلط ہے ۔ اصل تاریخ ۹ جنوری ۱۹۲۵ع ہونی چاہیے ، کیونکہ یہ اقبال کے ۲۲ دسمبر ۱۹۲۴ع کے خط کا جواب ہے ۔ اصل خط علامہ اقبال میوزیم میں موجود ہے ۔ اس کے مطابق باقی درستیاں بھی کردی گئی ہیں ۔

۲۔ اقبال ۔ خط نمبر ۹۸ ۔

کی جو آپ نے داد دی ہے وہ صرف آپ کا حسنِ ظن ہے۔ لیکن حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو عمر ہاتھ سے نکل جاتی ہے اور کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی کہ اس بے وفا کو روکیں۔ ہم نے بڑی بڑی بلند پروازیاں کیں اور ایسے ایسے کام کیے جو کبھی کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ قدرت کے خوب خوب مقابلے کیے۔ اپنے حسنِ تدبیر اور اپنی مردانہ کوشش سے نیچر تک کو دبا لیا۔ ہوا ہماری تابعِ فرمان ہے، آگ پانی ہمارے بس میں ہے۔ زندگی کی کشمکش میں ہم روز بروز فتحوں پر فتحیں حاصل کرتے چلے جاتے ہیں۔ مگر کوئی ایسی تدبیر نہیں کر سکتے کہ اس ظالم زمانے کا قدم روکیں جو نہایت تیزی کے ساتھ دوڑتا اور بھاگتا چلا جاتا ہے۔ زمانے کی دوڑ بھاگ گھوڑ دوڑ کے تیز دم گھوڑوں یا شرط باندھ کر دوڑنے والے لڑکوں کی سی نہیں بلکہ چوروں کی سی ہے جو ہماری جیب سے کوئی چیز نکالتے اور اپنی جان لے کے زور شور سے بھاگتے ہیں۔ خدا نے ہمیں جتنی نعمتیں اور دولتیں دی تھیں، ہمارے پاس جتنی خوبیاں اور دلچسپی کی چیزیں تھیں ان سب کو یہ عالم قدرت کا چونٹا (زمانہ) ہم سے چھین چھپٹ کر لے بھاگا اور ہمارے ہاتھ نہ آیا۔

ہم کیسی کیسی صحبتوں میں بیٹھے، کیسے کیسے دوستوں سے ملے، کیسے کیسے کام کیے، کن کن احباب کی دوستی کا دم بھرا، مگر اب جو دیکھتے ہیں تو سب رخصت ہو گئے۔ سب چھوڑ کر چلے گئے اور اس ظالم زمانے نے کسی کو بھی نہ چھوڑا۔ ساری نعمتیں اور لذتیں اور مسرت و محبت کے سب کرشمے ہم سے چھین لیے گئے۔ اگر ہم اتنا ضرور کر سکتے کہ گزشتہ ایام پھر ہمارے سامنے آ جائیں اور اپنے ساتھ ان تمام واقعات اور اگلی کیفیتوں کو پھر ہماری آنکھوں کے آگے کر دیں، جن کے شوق میں زندگی بے مزہ ہو رہی ہے، تو

وہ دل فریب سین پھر آنکھوں کے سامنے ہو جاتے ہیں جنھیں یاد کرکے دل بے تاب ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ ایک بار دیکھا ہے اور دوبارہ دیکھنے کی ہوس ہے۔

یہ زمانہ جس میں ہم اپنی عمر کی منزلیں تیزی کے ساتھ طے کر رہے ہیں بہت خطرناک اور دشوار گزار ہے۔ ہر قدم پر خوف لگا ہوا ہے مگر ہم یہ کہہ کر اپنے دل کو خوش کر لیتے ہیں کہ:

چناں نماند و چنیں نیز ہم نخواہد ماند

سر محمد شفیع کے متعلق اس سے پہلے کچھ خبریں اڑی تھیں مگر اب تو وہ خبریں بھی ہوا میں اڑنے لگیں۔ حقیقت میں اکبر مرحوم کا یہ شعر جس کو آپ نے لکھا ہے بہت خوب ہے:

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خدا کر، جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

شاد اسی دن شادکام ہوگا جس دن اقبال اس کا ہمساز و سازگار ہوگا۔ آپ کے شاد کو زندگی نے ایک کشمکش میں ڈال رکھا ہے۔ خیر ہماری تو گزر گئی مگر آئندہ نسلوں کے لیے ہم کو کیا کرنا چاہیے، کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی ـ ـ ـ ـ سر اقبال اب زیادہ انتظار نہ کراؤ۔ کاش سر محمد شفیع کے عوض آپ ہی براجمان ہو جائیں تو شاد کے لیے باعثِ شادمانی ہوگا۔

فقیر شاد

(۵۱)

المرقوم ۱۸ شوال المکرم ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۵ع)[۱]

م ۷ تیر ۱۳۳۴ف

سٹی پیلس پیشکاری ، حیدر آباد دکن

مائی ڈیر سر اقبال !

مولوی سید عبدالرزاق صاحب ایچ - سی - ایس - اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل اس ریاست کے عہدہ داروں میں ایک خاص پایہ رکھتے ہیں - انھوں نے آپ کی اردو نظموں کو یک جا کر کے ان پر ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے اور یہ مجموعہ خاص کر اہلِ دکن کے لیے مرتب کیا ہے - اس کو چھپے ہوئے آٹھ دس مہینے ہو چکے ہیں - دکن کے علمی حلقے میں اس کی اشاعت ضروری سمجھی گئی ہے - ''بانگِ درا'' کے ساتھ اس کے شائع ہونے کی خواہش ہے -

مولوی صاحب نے مجموعہ چھپوانے سے پہلے اجازت کے لیے آپ کو خط لکھا تھا ، لیکن وہ ڈاک میں نہیں ڈالا گیا تھا کہ مولوی صاحب علیل ہو گئے - اگر دیکھا جائے تو انھوں نے ایک مفید کام کیا ہے - آپ اپنے مصالح کے خلاف نہ سمجھیں تو کیا عجب ہے کہ ان کی تمنا پوری ہو - اجازت دیں - کتاب (۱) چھپ چکی ہے اور محتاجِ اشاعت ہے - فقط

فقیر شاد

۱- یہ خط کتاب ''شاد اقبال'' میں نہیں ہے -

تعلیقات

کلیاتِ اقبالؒ :

علامہ اقبال کا پہلا اردو مجموعۂ کلام ''بانگِ درا'' ابھی معرضِ وجود میں نہیں آیا تھا اور اقبال اپنے کلام کی جمع و ترتیب اور ترمیم و اصلاح میں مصروف تھے کہ اتنے میں حیدر آباد دکن سے مولوی سید عبدالرزاق راشد ، نائب صدر محاسب ، نے اخبارات و رسائل میں سے اقبال کا مطبوعہ کلام ادھر ادھر سے جمع کرکے ، حضرت علامہ کی اجازت کے بغیر ، ایک مجموعہ ''کلیاتِ اقبال'' کے نام سے شائع کر دیا ۔ اس میں شک نہیں کہ مولوی عبدالرزاق صاحب نے یہ مجموعہ بڑی محنت اور محبت سے شائع کیا تھا ۔ اس کی بسم اللہ علامہ عبداللہ العمادی کی تقریظ سے ہوئی تھی ، جو نہایت عالمانہ ہے ۔ اس کے بعد مرتب کی طرف سے ۱۴۰ صفحات پر مشتمل کلیات کی تقریب اور ۱۳۶ صفحات پر پھیلا ہوا مبسوط دیباچہ ہے ، جو تنقیدی لحاظ سے بے حد قابلِ تعریف ہے ۔ کتاب کی ترتیب اس طرح ہے :

حصہ اول :

دیباچہ ، جس میں علامہ اقبال کے مختصر حالاتِ زندگی ، شاعری اور تصنیفات پر بحث ہے ۔

حصہ دوم :

مئے دو آتشہ ، یعنی غزلیات ، جن میں مشرق اور مغربی شاعری کا امتزاج ہے ۔

حصہ سوم :

نکات ، یعنی ظرافت آمیز لیکن خرد آموز اشعار ۔

حصہ چہارم :

نقشِ قدرت ، یعنی مناظرِ قدرت کی جیتی جاگتی تصویریں ۔

حصہ پنجم : فانوس حیات ۔ حصہ ششم : شمع طور :

ان دونوں حصوں کی نظمیں حقائق و معارف سے مملو ہیں ۔ ابتدا عام جذبات سے ہوتی ہے اور آخر میں اسلامی افکار آ جاتے ہیں ۔

کلیاتِ اقبال کم و بیش تین ہزار اشعار پر مشتمل ہے ۔ تقریب میں مرتب نے فرمایا ہے :

"لوگوں کو عام طور پر شاید یہ بات معلوم نہ ہو کہ ہندوستان کے ہر خطے میں چند اصحاب ایسے موجود ہیں جو یا تو حافظِ اقبال ہیں یا نہایت شوق سے اقبال کا کلام جمع کرتے ہیں ۔ میں بھی مدت سے ایک بیاض میں ان کی نظمیں جمع کر رہا تھا ۔ اس بیاض کو لوگ مجھ سے مانگ کر لے جاتے تھے اور ان کو فائدہ پہنچانے کی خاطر میں اس کے مستعار دینے میں کبھی تأمل نہ کرتا تھا ۔ لیکن یہ اتفاق سے گم ہوگئی ۔ عجب نہیں جو کسی نے 'در کعبہ بہ دزد اگر بیابی' پر عمل کیا ہو ۔ اس میں تقریباً دو سو نظموں کے علاوہ ، جن میں غزلیں بھی شامل تھیں ، اور بہت سا بکارآمد مواد تھا ۔ غرض یہ کہ جس بیاض میں یہ سارا مواد تھا اس کے کھو جانے اور کسی چھپے ہوئے مجموعے کے نہ ملنے کے باعث نظمیں دوبارہ جمع کرنے لگا

مگر اس مرتبہ بہت سا کلام ، جو مجھے ازبر تھا ، اپنے حافظے سے لکھا ۔ تھوڑی مدت میں پھر تقریباً ڈیڑھ سو نظمیں فراہم ہو گئیں ۔ مداحانِ اقبال کی خواہش یہ تھی کہ یہی نظمیں ایک مجموعے کی شکل میں چھپ جائیں ۔ مولانا عمادی ، مولوی نصیر احمد ایم ۔ اے پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی اور بہت سے دوستوں کی خواہش و اصرار میرے قیام والٹیر کے تاثرات اور چند ایسے احباب ، جن کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے ، خصوصیت کے ساتھ اس مجموعے کی طباعت کے محرّک تھے ۔"

مولانا عمادی نے اپنی تقریظ میں لکھا :

"اقبال کا دل وحیِ الٰہی کا آئینہ‌دار ہے ۔ کشفِ غطا نے اس کے سامنے سے زمین و آسمان کے پردے اُٹھا دیے ہیں اور اس کو صاف نظر آ رہا ہے کہ ۷۰۵ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نظامی (گنجوی) نے "مخزنِ اسرار" میں جو فریاد کی تھی اس چودھویں صدی میں وہ دعا مستجاب ہونے کو ہے ۔ توحید کی عنقریب آنے والی عظمت کا نظارہ اس کے روبرو ہے اور وہ محوِ حیرت ہے کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی ۔ ہر ایک اسلامی زبان کی شاعری میں یہ خصوصیت اقبال ہی کے لیے ودیعت تھی اور دنیا بھر میں یہی ایک حسّان الہند ہے جو گوری شنکر (ایورسٹ) سے لے کر پیرنیز کی چوٹیوں تک اعلائے لوائے نبوی ؐ کے لیے قوم کو آمادہ کر رہا ہے ۔"

چونکہ اس وقت تک ''بانگِ درا'' شائع نہیں ہوئی تھی ، اس لیے لوگوں نے ''کلیاتِ اقبال'' کی اشاعت کو بہت پسند کیا ۔ لیکن علامہ اقبال نے اس وجہ سے اسے ناپسند فرمایا کہ وہ اپنے ابتدائی مشق کے زمانے کا کلام جُوں کا توں شائع نہیں کرنا چاہتے تھے ۔ وہ بعض نظموں کو اپنے کلام سے خارج کرنا چاہتے تھے کہ دنیا انھیں فراموش کر دے ۔ بعض اشعار میں رد و بدل کرنا چاہتے تھے کہ ان پر زبان اور فن کے لحاظ سے بہت لے دے ہو چکی تھی ، اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس مجموعے میں بھی وہ چیزیں باقی رہیں جن سے ان کی شہرت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو ۔ چنانچہ جب ''بانگِ درا'' چھپ کر سامنے آئی تو لوگوں کو اقبال کی جگر سوزی کا اندازہ ہوا ۔ انھوں نے نہایت کڑا انتخاب کیا تھا ۔ اپنے کلام کا بیشتر حصہ کئی وجوہ کی بنا پر رد کر دیا تھا ۔ کئی نظموں کے ڈھیلے ڈھالے بند اور اشعار قلم زد کر دیے تھے اور کئی ایک میں ترمیم و اصلاح کر دی تھی ۔ اس لیے اس کندن کے ہوتے ہوئے ''کلیات'' جیسی مسِ خام کی موجودگی انھیں گوارا نہ تھی ۔ ان کا خیال تھا کہ ہندوستانی کاپی رائٹ ایکٹ کے ماتحت وہ اس کتاب کی اشاعت آسانی سے رکوا لیں گے مگر معلوم ہوا کہ برطانوی ہند کے قانون کا اطلاق ریاستوں پر نہیں ہوتا ۔ ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے کہ اس سلسلے میں مہاراجہ کشن پرشاد کو لکھیں گے کہ کلیات کے مرتب مولوی عبدالرزاق صاحب نے پہلے ہی مہاراجہ کے پاس پہنچ کر انھیں اپنے حق میں ہموار کر لیا ۔ چنانچہ ۱۸- شوال المکرم ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۵ء) کو مہاراجہ نے مولوی سید عبدالرزاق کی سفارش کرتے ہوئے اقبال کو لکھا :

''مولوی سید عبدالرزاق صاحب ایچ ۔ سی ۔ ایس ۔ اسسٹنٹ

اکاؤنٹنٹ جنرل اس ریاست کے عہدہ داروں میں ایک خاص پایہ رکھتے ہیں ۔ انھوں نے آپ کی اردو نظموں کو یک جا کرکے ان پر ایک دلچسپ مقدمہ لکھا ہے اور یہ مجموعہ خاص کر اہلِ دکن کے لیے مرتب کیا ہے ۔ اس کو چھپے ہوئے آٹھ دس مہینے ہو چکے ہیں ۔ دکن کے علمی حلقے میں اس کی اشاعت ضروری سمجھی گئی ہے ۔ ''بانگِ درا'' کے ساتھ اس کے شائع ہونے کی خواہش ہے ۔

مولوی صاحب نے مجموعہ چھپوانے سے پہلے اجازت کے لیے آپ کو خط لکھا تھا ، لیکن وہ ڈاک میں نہیں ڈالا گیا تھا کہ مولوی صاحب علیل ہو گئے ۔ اگر دیکھا جائے تو انھوں نے ایک مفید کام کیا ہے ۔ آپ اپنے مصالح کے خلاف نہ سمجھیں تو کیا عجب ہے کہ ان کی تمنا پوری ہو ۔ اجازت دیں ۔ کتاب چھپ چکی ہے اور محتاجِ اشاعت ہے ۔''

تو اقبال سوچ میں پڑ گئے ۔ ادھر مولوی سید ممتاز علی کے ادارے دارالاشاعت پنجاب نے کہ جن کو علامہ اقبال نے ''بانگِ درا'' کا پورا دو ہزار کا ایڈیشن فروخت کے لیے دے دیا تھا ، یہ زور دینا شروع کیا کہ ''کلیاتِ اقبال'' کی اشاعت سے بانگِ درا کی فروخت کی رفتار سست پڑ جائے گی ، تو اقبال نے اپنے دوست سر اکبر حیدری کی طرف رجوع کیا ۔ وہ اس وقت صدر المہام مالیات تھے ۔ انھوں نے فوراً اس معاملے کی تحقیق کے لیے ایک تو مولوی عبدالرزاق کو لکھا کہ وہ علامہ اقبال کی نظمیں بغیر اجازت چھاپنے کے الزام کی

حقیقت بیان کریں اور دوسری طرف ہوم سیکرٹری سے کہا کہ وہ اس جگہ فروخت ہونے والے کلیاتِ اقبال کے سلسلے میں علامہ اقبال کے حقوق کے تحفظ کی کوئی راہ تجویز فرمائیں ۔

''علامہ اقبال میوزیم'' لاہور میں سر اکبر حیدری اور مولوی عبدالرزاق کے کئی ایسے خط موجود ہیں جو اس موضوع پر وقتاً فوقتاً علامہ اقبال کو لکھے گئے تھے ۔ یہ اس واقعے کی یاد دلاتے ہیں کہ کس طرح سر اکبر حیدری نے اپنے دوست کی خاطر ایک ثالث کا فرض ادا کرکے مصالحت کی یہ صورت پیدا کی کہ سر اقبال مولوی عبدالرزاق سے ایک ہزار روپیہ بطور رائلٹی وصول کرکے ان کی معذرت قبول کر لیں اور ان کو ریاست کی حدود کے اندر کتاب فروخت کرنے کی اجازت دے دیں ۔ یہ اس لیے کہ برطانوی ہندوستان کا کاپی رائٹ قانون ریاست حیدر آباد میں لاگو نہ تھا ۔ خطوط کا تبادلہ ۱۹۲۵ع سے ۱۹۲۷ع تک جاری رہا ۔ آخر یہ ناخوشگوار قضیہ اپنے انجام کو پہنچا ۔ سر اکبر حیدری نے فریقین کو اس فیصلے پر راضی کرنے کے لیے کیا کچھ کیا ؟ یہ تو ان کے خطوں سے معلوم ہو جائے گا ۔ علامہ نے بھی اپنے حقوق تسلیم کرانے کے لیے بڑی محنت کی ۔ بے شمار خطوط لکھے مگر افسوس کہ وہ ہمارے ہاتھ نہیں لگ سکے ۔

سر اکبر حیدری اور مولوی عبدالرزاق کی تمام خط و کتابت انگریزی میں ہے ۔ میں نے محکمۂ آثارِ قدیمہ کی اجازت سے ان کی نقول حاصل کی ہیں ۔ اس عنایت کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں ۔ میرے دوست پروفیسر ابوبکر صدیقی نے ترجمے میں میری مدد کی ہے ۔ میں ان کا بھی ممنون ہوں ۔ یہ اہم دستاویزات علامہ اقبال کے

واقعاتِ زندگی کا ایک حصہ ہیں ، جبھی تو محفوظ چلی آ رہی ہیں - سر اکبر حیدری کے پہلے خط کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے[1] :

حیدر آباد دکن

۱۰ - اگست ۱۹۲۵ع

میرے پیارے اقبال !

مختصراً آپ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ کے دو خط مجھے مل چکے ہیں اور میں نے فوری طور پر آپ کی نظموں کی طباعت کے الزام کے بارے میں عبدالرزاق صاحب سے دریافت کیا ہے - نیز ہوم سیکرٹری سے بھی استفسار کیا ہے کہ اس جگہ آپ کے مطبوعہ کلام کی فروخت کے سلسلے میں آپ کے حقوق کی حفاظت کی بہترین صورت کیا ہو سکتی ہے - ان حضرات کے جوابات موصول ہونے پر میں آپ کو مطلع کروں گا -

آپ کا مخلص

اکبر حیدری

سید عبدالرزاق صاحب کا جواب موصول ہونے پر سر اکبر حیدری نے اقبال کو لکھا[2] :

حیدر آباد دکن

۲۰ ستمبر ۱۹۲۵ع

میرے پیارے اقبال !

آپ کا ۱۴ ستمبر کا خط ملا - میں اس خط کے ہمراہ عبدالرزاق صاحب کے نام اپنا خط اور ان کا جواب منسلک کر رہا ہوں - مجھے

۱- فہرست مشمولات آثار علامہ اقبال ، ص ۳۸ -

۲- فہرست مشمولات آثار علامہ اقبال ، ص ۳۹ -

یقین ہے کہ اس سے آپ کی تشفی ہو جائے گی۔

جہاں تک حیدر آباد میں کتاب کی رجسٹری کرانے کا تعلق ہے، میں نے سیکرٹری محکمۂ قانون کو لکھ دیا ہے۔ ان کا جواب موصول ہونے پر آپ کو مطلع کروں گا۔ لیکن انہوں نے فرمایا ہے کہ اس موضوع پر آپ سے براہِ راست مراسلت کرکے انہیں خوشی ہوگی۔ ان کا پتہ یہ ہے:

سیکرٹری محکمۂ قانون، پولیس اور محکمہ جات عامہ حیدر آباد دکن۔

آپ کا مخلص

اکبر حیدری

سر اکبر حیدری نے مندرجہ بالا خط میں مولوی عبدالرزاق صاحب کے جس خط کا حوالہ دیا ہے، وہ یہ ہے[1]:

۷ ستمبر ۱۹۲۵ع

عبدالرزاق گارڈنز

جنابِ والا!

میں اپنے ۶ ستمبر کے خط میں وضاحت کر چکا ہوں کہ میں اپنی کتاب کا دوسرا ایڈیشن نکالنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ سر اقبال نے اپنی اصل نظموں میں کافی ترمیم کر لی ہے۔ نظرثانی شدہ نظموں اور ان کے اپنے منتخب کلام کے جائز ایڈیشن کی موجودگی میں مجھے اپنا مجموعہ دوبارہ چھاپنے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ مزید برآں آپ کو معلوم ہی ہے کہ کلیات کی طباعت سے مجھے مالی منفعت مقصود نہیں، لہٰذا میں یقین دلاتا ہوں کہ میں اپنے مجموعے کا دوسرا

۱۔ فہرست مشمولات آثار علامہ اقبال، ص ۳۹۔

ایڈیشن نہیں چھاپوں گا - ہاں اگر کوئی شخص مقدمہ چھاپنا چاہے تو میں بڑی خوشی سے اس کی اجازت دے دوں گا - مجھے توقع ہے کہ آپ سر اقبال سے کہیں گے کہ وہ اس قضیے کو جلد ختم کر دیں -

آپ کا خادم

ایم - اے - رزاق

اسی دوران امین جنگ نواب احمد حسین نے بھی اقبال کو حسبِ ذیل خط لکھا :

کنگ کوٹھی ، حیدر آباد دکن

۱۸ جولائی ۱۹۲۵ع

میرے پیارے سر محمد اقبال !

عبدالرزاق صاحب کو باقاعدہ اجازت دینے کے سلسلے میں آپ کی دشواری کو میں خوب سمجھتا ہوں - میں جانتا ہوں کہ انھوں نے آپ کی نظمیں چھاپنے میں فرنچ لیو (کھلی چھٹی) لے لی ہے - میرے خیال میں انھوں نے برطانوی ہند کے کاپی رائٹ قانون کی خلاف ورزی کی ہے ، جو ریاست حیدر آباد میں لاگو نہیں - اس سلسلے میں ریاست حیدر آباد اور برطانوی ہند کے مابین کوئی معاہدہ یا سمجھوتا نہیں - مجھے یقین ہے کہ آپ انھیں اس لیے معاف کر دیں گے کہ آپ آفاقی شاعر ہیں اور آپ کا کلام ساری اسلامی دنیا کا ورثہ ہے - میں عبدالرزاق صاحب کو ذاتی طور پر اس وقت تک نہیں جانتا تھا جب تک انھوں نے اپنے کلام کا ایک نسخہ نہیں بھیجا ، اور میں نے انھیں شکریے کا خط نہیں لکھا - میں ان کا جواب منسلک کر رہا ہوں - آپ کو اس خط کا جواب دینے کی ضرورت نہیں -

آداب و تسلیمات کے ساتھ!۔

آپ کا مخلص

احمد حسین

(امین جنگ)

اس کے بعد سر اکبر حیدری کے ذریعے مولوی عبدالرزاق کی ایک اور درخواست موصول ہوئی ۔ وہ بھیجتے ہوئے سر اکبر حیدری نے تحریر فرمایا :

حیدر آباد دکن

۵- اکتوبر ۱۹۲۵ء

میرے پیارے اقبال !

میں اس کے ساتھ آپ کو عبدالرزاق کا وہ خط بھیج رہا ہوں جو ابھی موصول ہوا ہے ۔ مجھے توقع ہے کہ اس سے یہ قضیہ بغیر کسی مزید پیچیدگی کے ختم ہو جائے گا[۲] ۔

آپ کا مخلص

اکبر حیدری

۴ - اکتوبر ۱۹۲۵ء

عبدالرزاق گارڈنز

جنابِ عالی !

آپ کے گزشتہ والا نامے کا بے حد شکریہ ! میرا خیال ہے کہ سر اقبال کا رویہ عام طور پر تو بہت اچھا ہے ، لیکن بعض معمولی

۱- فہرست مشمولات آثار علامہ اقبال ، ص ۴۳ ۔

۲- فہرست مشمولات آثار علامہ اقبال ، ص ۳۸ ۔

جزئیات میں وہ میرے ساتھ سخت گیری کر رہے ہیں ۔ ان کا اصرار ہے کہ میری کتاب برطانوی ہند میں طبع نہ ہو ۔ اس طرح ان کی ضد کے سامنے میرا اس معاملے میں کچھ اور کہنا لاحاصل ہے ۔ ایک بات البتہ میرے خیال میں حق بجانب معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ کتاب کی فروخت کا دائرہ بہت محدود ہوگا ، اس لیے سر اقبال کو موجودہ رقم کی ادائیگی کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کرنی چاہیے ۔ میں اس امر کا خیال رکھوں گا کہ رقم انہیں ضرور ادا کی جائے لیکن اس وقت جب کافی کتابیں فروخت ہو چکیں تاکہ یہاں میرے ناشرین وہ رقم ادا کرنے کے قابل ہو سکیں ۔ مجھے توقع ہے کہ اب کوئی مزید پیچیدگی پیدا نہیں ہوگی اور آپ اور سر اقبال میرے مؤقف کی تائید فرمائیں گے ۔

اس معاملے میں آپ کی مسلسل دلچسپی باعثِ تشکر ہے[1] ۔

آپ کا مخلص

ایم ۔ اے ۔ رزاق

اس پر اقبال نے سر اکبر حیدری کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا[2] :

ڈیر مسٹر حیدری !

آپ کے خط کا شکریہ ، جس کے ساتھ مسٹر عبدالرزاق کا خط ملفوف ہے ، بہت شکریہ ! مجھے رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں ان کی

۱۔ فہرست مشمولات آثار علامہ اقبال ، ص ۳۸ ۔

۲۔ اقبال ریویو ، جولائی ۱۹۶۲ء ، ص ۸۴ ۔ ۸۵ ۔ نقش اقبال ، از عبدالواحد معینی ، ص ۷۷ ۔ ہماری زبان علی گڑھ ، اگست ۴۶ ۔ خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ۔

مہلت منظور ہے ۔ افسوس کہ مجھے اس کی برطانوی ہندوستان سے باہر فروخت پر اصرار کرنا پڑا ۔ میرا مطلب سلطنت نظام سے ہے ۔ کیونکہ جن لوگوں سے مجھے معاملہ کرنا ہے وہ اس شرط کے بغیر معاہدے کے لیے تیار نہ ہوں گے اور میں ان کے نقطۂ نظر سے اسے درست جانتا ہوں ۔ مجھے امید ہے کہ اب وہ لوگ معاہدہ کی تکمیل کر لیں گے حالانکہ مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ مجھے ذاتی طور پر ایک ہزار روپے کی ادائیگی کا بھی ذمہ دار ٹھہرائیں گے ۔ مجھے امید ہے عبدالرزاق صاحب نے یہ محسوس کر لیا ہوگا کہ مجھے اس فیصلے سے ، جو آپ کی مہربانی سے طے پایا ہے ، کوئی فائدہ نہیں ہو رہا ۔ ان تمام تکلیفوں کا ، جو آپ نے اٹھائی ہیں ، میں شکر گزار ہوں ۔

آپ کا مخلص

محمدؐ اقبال

مگر یہ معاملہ پھر بھی ختم نہ ہوا ۔ اس کے بعد بھی خط و کتابت جاری رہی ۔ بعض پیچیدگیوں کی افہام و تفہیم کے لیے کئی خطوں کا تبادلہ ہوتا رہا ۔ مولوی عبدالرزاق نے شرائط کی تعمیل میں کچھ غفلت برتی ، جس پر سر اکبر حیدری نے علامہ اقبال کے یاد دلانے پر انھیں اس طرح جھنجھوڑا :

حیدر آباد دکن

۲۱ ۔ اگست ۱۹۲۶ء

ڈیر مسٹر عبدالرزاق !

مجھے سر محمد اقبال کی طرف سے ایک اور مراسلہ موصول ہوا ہے جس کی نقل منسلک ہے ۔ میں انھیں کیا جواب دوں ؟ میرا

خیال تھا کہ آپ نے اب تک تمام بقیہ اختلافات کا تصفیہ کر لیا ہو گا اور ان کی تکمیل کر رہے ہوں گے ۔

آپ کا مخلص

اکبر حیدری

مولوی عبدالرزاق نے جواب دیا[1] :

اے ۔ جی ۔ آفس

۱۷ - ۱۱ - ۳۵ فصلی

میرے محترم !

آپ کے کل والے خط کا بے حد شکریہ ! میں آپ کے فیصلے پر عمل کر رہا ہوں ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سر اقبال کو اس سلسلے میں کوئی غلط فہمی ہے ۔ میں جلد ہی مفصل خط لکھوں گا[2] ۔

آپ کا بے حد مخلص

عبدالرزاق

سر اکبر حیدری نے مولوی عبدالرزاق کا جواب اقبال کو بھیجتے ہوئے لکھا :

حیدر آباد دکن

۲۲ ۔ اگست ۱۹۲۶ع

میرے پیارے سر اقبال !

آپ کے ۱۵ ۔ اگست کے خط کے مطابق میں نے عبدالرزاق

۱۔ فہرست مشمولات آثار علامہ اقبال ، ص ۳۹ ۔

۲۔ ایضاً ، ص ۳۹ ۔

صاحب کو لکھ دیا تھا اور ان کا جواب حاضر ہے ۔ جونہی ان سے کوئی اور بات معلوم ہوئی ، میں آپ کو مطلع کر دوں گا ۔

آپ کا مخلص

اکبر حیدری

چند روز کے بعد سر اکبر حیدری نے پھر لکھا :

حیدر آباد دکن

۶ ستمبر ۱۹۲۶ع

میرے پیارے اقبال !

میں اس خط کے ساتھ عبدالرزاق صاحب کی طرف سے موصول ہونے والا ایک خط بھیج رہا ہوں ۔ ظاہری طور پر ان کے شائع کردہ ایڈیشن کی فروخت اور ایک دوسرے ایڈیشن کی طباعت کے اشتہار کے متعلق کچھ غلط فہمی سی نظر آتی ہے ۔

آپ کا مخلص

اکبر حیدری

حیدر آباد دکن

۲۷ ستمبر ۱۹۲۶ع

میرے پیارے اقبال !

آپ کا ۲۴ ستمبر کا خط ملا ۔ میں آپ کے خط کے پیرا گراف نمبر ۹ کے حوالے سے آپ کو فوراً مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ شروع ہی سے میرا نظریہ وہی رہا ہے جو آپ کا ہے ۔ میرے خیال میں عبدالرزاق صاحب کو آپ کا کلام طبع کرانے سے پہلے

دیانت دارانہ طور پر آپ سے اجازت حاصل کرنی چاہیے تھی اور جب آپ نے اعتراض کر ہی دیا تو ان کا اخلاقی فرض تھا کہ وہ مطلوبہ کتب آپ کے حوالے کر دیتے کہ آپ انہیں جس طرح چاہیں استعمال کریں ۔ میں شروع سے آخر تک ایک ثالث کا کردار ادا کرتا آ رہا ہوں کہ سمجھوتے کی کوئی مناسب صورت نکل آئے ۔ میں آپ کے خط کی ایک نقل عبدالرزاق صاحب کو بھیج رہا ہوں کہ اس کے مندرجات سے جہاں تک ان کا تعلق ہے اس کی مکمل طور پر فوری تعمیل کریں ۔

امید ہے آپ کے مزاج بخیر ہوں گے ۔ نہایت احترام کے ساتھ ۔

آپ کا مخلص

اکبر حیدری

اس خط کے ساتھ ہی یہ کہانی اختتام کو پہنچ گئی ۔ چنانچہ جب سر اقبال مدراس میں لیکچر دینے کے بعد حیدر آباد گئے تو مولوی عبدالرزاق صاحب پوری عقیدت سے انہیں ملے ۔

(۵۲)

۱۰ جنوری ۱۹۲۹ء

مائی ڈیر سر اقبال !

آج میری قوتِ خیال نے لاہور کا نام پیش کرکے آپ سے مکالمہ کرنے کے لیے آمادہ کیا ہے ۔ اگرچہ آپ نے شاد مہجور کو بہت دنوں سے یاد نہ کرکے شادکام نہیں کیا لیکن میں اس کم توجہی کی سوائے کثرتِ کار و عدیم الفرصتی کے کوئی تاویل نہیں کر سکتا ۔ آپ کی ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے ۔ دیکھیے کب یہ آرزو بر آتی ہے اور

کب دل کو شانتی نصیب ہوتی ہے اور کب الجھے ہوئے کام سلجھتے ہیں اور کس وقت ترک اطاعت کے بعد عبادت و محبتِ الٰہی میں مصروفیت ہوتی ہے۔ ''انکم اموالکم و اولاد کم فتنہ'' انھی جکڑ بندیوں میں عمر گزر رہی ہے۔

۱۹۲۵ء گیا اور ۱۹۲۶ء آیا۔ جانے والا اگر بُرا بھی تھا تو بھی اس کا ذکر بخیر کرتے ہیں۔ اگر آنے والے کے تیور اچھے نہ بھی نظر آئیں تو بھی اسے صبر و شکر سے قبول کرتے ہیں۔ خدا نے جتنی چیزوں کو دنیا میں بھیجا ہے ان میں نہ کوئی بالکل بُری ہے نہ بالکل اچھی ہے۔ انصاف اور جستجو کی نظر سے دیکھو تو بروں میں صدہا خوبیاں ہیں اور اچھوں میں صدہا عیوب۔ خیر محض اس خدائے پاک کی ذات ہے جو خود فرماتا ہے لمن الملک الیوم۔ اور خود ہی جواب دیتا ہے للہ الواحد القہار اور شر محض شیطان ہو تو ہو مگر اس میں بھی قابلِ قدر اوصاف نظر آتے ہیں۔ تاہم اس وقت اس بات کا موقع ضرور ہے کہ دل میں کوئی چوٹ لگی ہو تو پچیس عیسوی کا نام لے کر صبر و شکر کے ساتھ رو لے اور کوئی تازہ لطف نصیب ہو تو چھبیس عیسوی کا نام لے کر خوشیاں منائیں۔ جانے والا سال ہماری زندگی کا ایک قیمتی برس ہم سے چھین لیتا ہے جس کے چھن جانے کے بعد ہم سمجھتے ہیں اور پچھتاتے ہیں کہ افسوس اتنے زمانے میں ایسے ایسے کام ہو سکتے تھے اور ہم نے کچھ نہ کیا۔ اور آنے والا برس آ کر طرح طرح کی امیدوں اور آرزوؤں کے لیے نوٹس دیتا ہے، مگر ہم نے اس کو اپنی طبیعت سے ایک خوشی کی تقریب بنا دیا ہے۔ ہم نئے سال پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں اور برس کے پہلے دن کو اپنی زندگی میں ایک خوش نصیبی اور مسرت کا دن تصور کرتے ہیں۔ ہم نئے سال کے شروع ہوتے ہی مزے

مزے کی امیدوں اور اچھی اچھی آرزوؤں کے شیریں اور خوشگوار خواب دیکھتے ہیں اور فرض کیے لیتے ہیں کہ انجام میں چاہے عمر کی کتنی ہی کمی ہو جائے مگر یہ سال ہم سب کے حق میں مبارک اور اچھا ہی ہوگا ، اس لیے ہم کو چاہیے کہ ہم آپ کو مبارک باد دیں - اور بے شک اس موقع پر ایک لحاظ سے ضرور مبارک باد لینا چاہیے - کسے خبر ہے کہ آئندہ سال کوئی دنیا میں ہوگا اور کوئی نہ ہوگا :

تا سال دگر می خورد زندہ کے ماند

جو کام قدرت کے سپرد ہیں وہ پچیس عیسوی میں کامیابی کے ساتھ ہوئے - موسموں کے تغیرات اسی معمولی کامیابی کے ساتھ ہوئے کہ جس طرح ہر سال ہوا کرتے ہیں - عمروں کی ترقی ، قوت کا گھٹنا بڑھنا ، سنوں کا بدلنا ، کانگریس کے میلے ، جوبلی کی خوشیاں وغیرہ وغیرہ ، غرض دنیا کا ہر چرخہ جس معمولی رفتار سے چلتا ہے چلے گا - مگر جس وقت اس طرف نظر ڈالتے ہیں کہ وہ کام جس کا انصرام ہمارے ہاتھ میں تھا وہ کہاں تک اور کیوں کر سرانجام پایا تو دیر تک متفکر رہنے کے بعد کسی قدر حسرت کے ساتھ نادم ہونا پڑا کہ ہم نے کچھ نہیں کیا -

اس نئے مہمان چھبیس عیسوی کی خاطر داری ہمیں کس طرح کرنی چاہیے اور ہمارے کون کون سے کام اس سے وابستہ ہیں ۔ اس کے متعلق ابھی ہم کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے - بہرحال ہم کہتے ہیں :

سالِ نو مبارک باشد

لسان العصر اکبر مرحوم کا ایک شعر یاد آیا جو انھوں نے مجھے اپنے خط میں لکھا تھا :

شاد را دیدیم بالا تر ز اوج پیشکار
ذوق درویشی ست او را ہست با درویش کار

پہلا مصرع ان کی روحانی کرامت کی پیشین گوئی اور دوسرا مصرع حقیقی مسرت کا آئینہ ہے - خط طولانی ہو گیا -

فقیر شاد

(۵۳)

کیمپ الوال ، حیدر آباد دکن
۲۴ جنوری ۱۹۲۶ع
م ۹ رجب ۱۳۴۴ھ

مدتے ہست رہ و رسم وفا مسدود است
نہ کسی می رود آنجا نہ کسی می آید

مائی ڈیر سر اقبال !

آج میری قوتِ خیال نے لاہور کا نام پیش کرکے آپ سے مکالمہ کرنے کے لیے آمادہ کیا ہے - اگرچہ آپ نے شاد مہجور کو بہت دن سے یاد نہ کرکے شادکام نہیں کیا ، لیکن میں اس کم توجہی کی سوائے کثرت کار اور عدیم الفرصتی کے کوئی تاویل نہیں کر سکتا - مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ زمانے کی تغیر پسند رفتار سے ہم ہر شے کو غائر نظروں سے دیکھنے کے خوگر ہو گئے ہیں - اس وجہ سے معاملۂ وفا کیشی نے بھی پیچیدگی اختیار کر لی ہے ، جس کے سلجھانے کے لیے ایک با اقبال زبردست ہاتھ اور باوفا معاملہ فہم دماغ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے ، جن کا وجود موجودہ عدالتی نظام کی صورت میں نظر آتا ہے - شاید تہذیب و تمدن نے پبلک کی

نگاہوں کو وسیع کر کے پیچیدگیوں میں مبتلا کر دیا ہے ۔ اسی لیے کام بھی اس قدر زیادہ ہو گیا ہے کہ اس کا سمیٹنا ، ختم کرنا بھی آپ ہی ایسی اقبال مند ہستیوں کا مخصوص مسئلہ بن گیا ہے ۔ مگر اس کے ساتھ ہی کیسے ہی مختلف النوع معاملات کیوں نہ ہوں ، اگر اقبال عدیم الفرصتی کے دائرے میں بھی اپنے مرکز وفا سے ہٹ جائے تو حیرت و تعجب ہے ۔ شاد کو یاد سے شاد نہ کرنا اگر بے نیازی ہے ، غور کے قابل ۔ اگر شکیب آزمائی ہے تو سختی ہے ۔ جب آپ وکالت کے کاروبار میں سہولت ڈھونڈتے رہتے ہیں ، تو کیا وجہ ہے کہ الفت و محبت کے امور میں اس کلیے سے مستثنیٰ ہوں ۔ کاغذ کے پرزے پر غور کیا جائے تو ایک بے حقیقت اور ناقابل التفات ہے ۔ لیکن اگر اس پرزے پر اقبال کی تحریر ہو تو وہ محبت کے نگار خانے میں کافی وقعت حاصل کر لے گا ۔ بارگاہِ خواجہ اجمیر کا ایک فقیر ایک اقبال مند دوست کی خبر خیریت پا کر شادکامی حاصل کرے گا ۔ آئینِ محبت اور قانونِ الفت کی پابندی اقبال مندانہ ہستی کے خواص سے ہے ۔

آپ کی ملاقات کو بہت دل چاہتا ہے ۔ دیکھیے کب یہ آرزو بر آتی ہے اور کب من کو شانتی نصیب ہوتی ہے اور کب الجھے ہوئے کام سلجھتے ہیں اور کس وقت ترکِ اطاعت کے بعد عبادت و محبت الٰہی میں مصروفیت ہوتی ہے ۔ اس لیے کہ انکم اموالکم و الادکم فتنہ ۔ انھیں جکڑ بندیوں میں عمر گزرتی ہے[1] ۔ فقط

فقیر شاد

۱۔ خط نمبر ۵۲ حیدرآباد کی مطبوعہ کتاب ”شاد اقبال“ سے لیا گیا ہے اور خط نمبر ۵۳ علامہ اقبال میوزیم لاہور سے ۔ دونوں کی تاریخیں مختلف ہیں اور متن میں بھی تھوڑا فرق ہے ۔

(۵۴)

مورخہ ۱۵ - اسفندار ۱۳۳۶ ف

۴ جنوری ۱۹۲۷ع

در دل ز تمنائے ملاقاتِ تو شوریست
شوقت چہ نمک داد مذاقِ ادبم را

مائی ڈیر اقبال !

ایک مدت کے بعد محبت نامہ ملا - یاد آوری کا شکریہ - پنجاب کونسل کے الکشن میں تین ہزار کی مجارٹی سے آپ کا کامیاب ہونا فقیر شاد کے لیے شادکامی کے ساتھ مبارک باد دینے کا سبب ہے - یوں تو عموماً آپ کی ہر کامیابی فقیر شاد کی خوشی کا سبب ہوئی ہے ، خصوصاً وہ کامیابی جو اعوان و اقران میں سرخرو کرے ، مزید مسرت کا باعث ہے -

منصبِ جلیلۂ صدارتِ عظمٰی کے متعلق آپ کے مخلصانہ اور محبت آگیں تہنیت کے تار کا جواب شکریے میں آپ کو پہنچ چکا ہوگا مگر میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ حیدر آباد کے معاملات اس مرکز سے بہت آگے گزر گئے جہاں پر ان کو فقیر نے ایک دن پیچھے چھوڑا تھا - نہ وہ عہدہ دار ہیں نہ معاملات کے انفصال کا طریقہ - مگر میری نگاہ موجودہ تغیرات سے غیر مانوس نہیں ہے - جس خدائے بزرگ نے باوجود ہر قسم کی مخالفتوں اور رکاوٹوں کے اعوان و اقران میں کامیاب کیا وہی ہر حال میں کفیل و معین ہوگا -

فقیر کی صدارت کو پبلک کے جوش نے ملکی مفاد کے اعتبار سے جیسی کچھ اہمیت دی ہے وہ کسی تشریح و توضیح کی محتاج

نہیں ہے - اگرچہ اراکین سلطنت کی موجودہ کشمکش، ان کے اندرونی و بیرونی اختلافات، مخالفانہ سرگرمیاں، خردہ گیروں کی پرشور سیاسی فضا یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو بابِ حکومت کے اقتداری مستقبل پر اثر ڈالنے والی ہیں - اگر اس وقت کے حالات سے ہوشیار و باخبر خیر اندیشان دولت نے اپنے ذاتی اغراض و مفاد کو سلطنت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانا سکونِ قلب کے ساتھ گوارا کر لیا تو یقیناً میری صدارت کے نتائج من حیث السلطنت مفید و سودمند نکل سکیں گے - اور اس کے برعکس وہ اپنی ضد و ہٹ دھرمی اور سازشوں پر قائم رہ کر اختلاف کے طلسم سے نکلنے میں کامیاب نہ ہوسکے اور ذاتیات کے خیال کو وہ اپنے سے دور نہ کر سکے تو اس اس کے یقین نہ کر لینے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان کی اس وقت کی خود غرض مندی خواہ ذاتی اغراض کے باعث معرض وجود میں آئی ہو یا پارٹی فیلنگ کے اثرات نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر بصارت کو اس حد تک جلا دیا ہو کہ مستقبل قریبہ تک ان کی نظر کی رسائی نہ ہو، اس کا اثر سلطنت کے وقار کو زایل کیے بغیر نہ رہے گا - فقیر اپنی پوری قوت کے ساتھ ان مشکلات کے ازالے کی کوشش کرنے کے لیے تیار ہے جو اس وقت ہندوستانی رؤسا کو درپیش ہیں - اگر میری کوشش ہندوستانی رؤسا اور سرکار انگریزی کے تعلقات کے مسئلے کو اپنا سوال بنا لے تو میں سمجھوں گا کہ میرے اقتداری اثرات کی مجھے داد ملی، اور میں نے اپنی کامیابی کے تمام مدارج طے کر لیے - مگر اس کے ساتھ ہی مجرد میری کوشش اس وقت تک بے نتیجہ ہوگی جب تک آپ ایسا سلیم الرائے شخص میرا قوتِ بازو نہ ہوگا -

میں نے بھی سنا ہے کہ رایل کمیشن ہندوستان میں آنے والا ہے جو والیان ہند و سرکار انگلش کے مسئلے پر غور کرے گا ۔ ضرورت اور شدید ضرورت ہے کہ قانون دانوں کی ایک جماعت شہادت کے لیے تیار رہے ۔ بے شک آپ کا مشورہ مفید ثابت ہو گا ۔

فقیر شاد

• • •

بزمِ اقبال کی چند مطبوعات

۱ - ذکرِ اقبال : از عبدالمجید سالک - - - - - - - - - - - - ۳۰/-
۲ - فکرِ اقبال : از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم - - - - - - - - - ۵۰/-
۳ - فلسفۂ اقبال : مرتبہ بزمِ اقبال - - - - - - - - - - - - ۳۰/-
۴ - شعرِ اقبال : از سید عابد علی عابد - - - - - - - - - - ۳۵/-
۵ - مطالعۂ اقبال : مرتبہ گوہر نوشاہی - - - - - - - - - ۴۵/-
۶ - اقبال درون خانہ : مؤلفہ خالد نذیر صوفی - - - - - - ۳۰/-
۷ - اقبال دیاں لمیاں لظاں : (منظوم پنجابی ترجمہ
از خلیل آتش - - - - - - - - - - - - - - ۱۰/-
۸ - اقبال سید سلیمان کی نظر میں :
مرتبہ پروفیسر اختر راہی - - - - - - - - - - - ۲۶/-
۹ - اقبال کی شخصیت اور شاعری :
از پروفیسر حمید احمد خاں - - - - - - - - - - ۲۵/-
۱۰ - اقبال کا فنی ارتقا : مؤلفہ پروفیسر جابر علی سید - - - - ۱۴/-
۱۱ - علم الاقتصاد : پنجابی ترجمہ از پروفیسر شریف کنجاہی - - ۲۴/-
۱۲ - اقبال ممدوحِ عالم : از ڈاکٹر سلیم اختر - - - - - - - ۴۴/-
۱۳ - حیاتِ اقبال کی گمشدہ کڑیاں : از محمد عبداللہ قریشی - - ۴۰/-
۱۴ - تشکیلِ جدید الٰہیات اسلامیہ :
از سید نذیر نیازی - - - - - - - - - - - - - ۳۵/-
۱۵ - مطالعۂ اقبال کے چند نئے رخ : از ڈاکٹر سید عبداللہ - - ۴۰/-
۱۶ - مطالعۂ اقبال کے چند پہلو : از میرزا ادیب - - - - - - ۲۵/-
۱۷ - اقبال — ایک مطالعہ : از پروفیسر جابر علی سید - - - - ۲۲/-
۱۸ - اقبال اور تصوف : از پروفیسر محمد فرمان - - - - - - - - ۲۰/-

بزمِ اقبال ، کلب روڈ ، لاہور

اظہر سنز پرنٹرز ، لاہور